پاکستان میں جمہوری جدوجہد اور مُساوات کے لیے شہادت کی لازوال داستان

بے نظیر بھٹو شہید

ولادت سے شہادت تک

مرتضیٰ انجم

جملہ حقوق محفوظ ہیں

کتاب	⇦	بے نظیر بھٹو شہید
مصنف	⇦	مرتضیٰ انجم
اشاعت	⇦	2008ء
مطبع	⇦	نوید حفیظ پرنٹرز، لاہور
برائے	⇦	
دارالشعور		37۔ مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور
قیمت	⇦	-/300 روپے

اہتمام: محمد عباس شاد

E-mail: m_d7868@yahoo.com
Ph: 042-7239138,8460196
Mob:0300-9426395,0321-9426395

Marfat.com

جو رُکے تو کوہِ گراں تھے ہم
جو چلے تو جاں سے گزر گئے
رہِ یار ہم نے قدم قدم
تجھے یادگار بنا دیا

بے نظیر بھٹو شہید

1953-2007

Marfat.com

شجرۂ نسب خاندان بھٹو

- سہتو خان بھٹو
  - پیر بخش بھٹو
    - اللہ بخش خان بھٹو
    - ڈوڈا خان بھٹو
      - خدا بخش بھٹو
        - میر غلام مرتضیٰ بھٹو
          - سر شاہنواز خان بھٹو
            - سکندر علی (ثانی)
            - امداد علی بھٹو
            - ذوالفقار علی بھٹو شہید
              - بے نظیر بھٹو
              - غلام مرتضیٰ بھٹو
              - صنم بھٹو
              - شاہنواز بھٹو شہید
            - سکندر علی (اوّل)
          - علی گوہر خان بھٹو

Marfat.com

فہرست

پیش لفظ	9
بے نظیر بھٹو شہید کے حالاتِ زندگی	11
بے نظیر بھٹو بطور طالبہ علم	16
بے نظیر بھٹو شہید کی جمہوریت کے لیے جدوجہد	27
بے نظیر بھٹو شہید کا بے نظیر استقبال	38
1988ء کے عام انتخابات اور بے نظیر بھٹو کی کامیابی	47
1993ء کے عام انتخابات اور بے نظیر بھٹو کی کامیابی	57
بے نظیر بھٹو شہید بطور وزیر اعظم (پہلا دور)	59
بے نظیر بھٹو شہید بطور وزیر اعظم (دوسرا دور)	79
میری آپ بیتی (بے نظیر بھٹو شہید کے خودنوشت حالات)	96
بے نظیر بھٹو شہید اپنی ماں کی نظر میں	109
بے نظیر بھٹو شہید کی کہانی خود ان کی زبانی	113
بے نظیر بھٹو شہید کا امریکی کانگریس سے ایک یادگار خطاب	131
بے نظیر بھٹو شہید کا قوم سے ایک یادگار خطاب	138
ذوالفقار علی بھٹو کی شہادت کی کہانی بے نظیر کی زبانی	150
ذوالفقار علی بھٹو کا ایک خفیہ اہم پیغام بینظیر بھٹو شہید کے نام	159
قریبی ساتھیوں کی بے نظیر بھٹو شہید سے وابستہ چند یادیں	166
بے نظیر بھٹو شہید کے دوستوں کا خراجِ تحسین	173

Marfat.com

ہمارا خاندان دنیا میں قربانیاں دینے کے لیے آیا ہے	175
بے نظیر بھٹو کی پاکستان واپسی	177
بے نظیر بھٹو کا شاندار استقبال	181
18 اکتوبر کو کراچی کے استقبالی جلوس میں بینظیر کو ہلاک کرنے کی کوشش	185
18 اکتوبر بم دھماکوں کے بارے میں حکومتی رپورٹ	187
18 اکتوبر سانحہ کی بے نظیر بھٹو کی طرف سے ایف آئی آر	188
بے نظیر بھٹو نے کن دشمنوں کے نام لیے تھے؟	189
18 اکتوبر کے دھماکوں پر بے نظیر بھٹو کا ردِ عمل	191
حملے کے باوجود ملک ہی میں رہوں گی	193
کراچی بم دھماکے' امریکہ کا مؤقف	195
مجھ پر حملہ ہوا تو ذمہ دار کون ہوگا (بے نظیر بھٹو)	195
جلوس میں دھماکہ ایجنسیوں نے کرایا	196
کراچی بم دھماکے اور ملک دشمن عناصر	196
توجہ ہٹانے کے لیے القاعدہ کا نام	197
سانحہ 18 اکتوبر پر سپریم کورٹ کا سوموٹو ایکشن	199
بے نظیر بھٹو کے خلاف مزید خودکش حملوں کا خدشہ (حساس اداروں کی رپورٹ)	201
سانحہ کراچی کے بعد بے نظیر بھٹو شہید کے چند چشم کشا بیانات	203
خون رائیگاں نہیں جانے دیا جائے گا	204
حکومتی سیکورٹی سے مطمئن نہیں ہوں	207
سوات میں صورتِ حال حکومت کی غلط پالیسیوں کا نتیجہ ہے	209
سانحہ کے حقائق سامنے آنے تک چین سے نہیں بیٹھیں گے	211

Marfat.com

ایجنسیاں پہلے خود لیڈر پیدا کرتی ہیں' پھر کام نکلنے پر مار دیتی ہیں 212
نظیر بھٹو شہید کی المناک شہادت 215
بے نظیر بھٹو شہید کر دی گئیں 217
پنکی اپنے پاپا کے پاس (بینظیر بھٹو شہید کی تدفین کے رقت آمیز مناظر) 219
بے نظیر بھٹو شہید کا لیاقت باغ میں آخری خطاب 220
بے نظیر بھٹو کا قاتل کون؟ (تحقیقات پر ایک نظر) 221
بے نظیر شہادت: حکومت کا مؤقف 224
بے نظیر شہادت: طالبان کا مؤقف 229
بے نظیر شہادت: پیپلز پارٹی کا مؤقف 230
بے نظیر بھٹو کی شہادت پر اظہارِ افسوس 232
بے نظیر بھٹو شہید کو اہل قلم کا خراجِ تحسین 237
بے نظیر بھٹو 1970ء سے 2007ء تک کچھ یادیں 239
الوداع بے نظیر 243
محترمہ کی شہادت کا ''خون بہا؟'' 248
شہادت کا سرخ دوشالہ 251
پاکستان کو بچانے کا آخری موقعہ 256
سیاست: بینظیر بھٹو کے بعد 261
جو شے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ نظر کیا؟ 265
بھٹوز اور ہمارا ملک 269
عجب اک سانحہ یاں ہو گیا ہے! 272
الوداع گلاب پوش بی بی۔ الوداع 275

Marfat.com

بے نظیر بھٹو' سیاست اور شہادت	278
بے نظیر بھٹو: ایک نڈر اور بے باک خاتون	281
اے کاش وہ گاڑی میں نہ ہوتیں	285
بے مثال زندگی' بے نظیر شہادت	288
جمہوریت کی شامِ غریباں	291
شہید بے نظیر بھٹو: منفرد سیاسی شخصیت کی مالک	294
ایک اور بھٹو کا قتل	297
بے نظیر شہادت پر بی بی سی کی رپورٹ	299
تم کتنے بھٹو مارو گے؟	301
بے نظیر اور ''9'' کا ہندسہ	309
کتنے بھٹو مارو گے؟	312
بھٹو خاندان کا ایک اور چراغ بجھ گیا	316
بے نظیر بھٹو تجھے قوم کا سلام	319
خون میں ڈوبا ہوا پاکستان	322
شہید بے نظیر بھٹو کو سلامِ مظلومیت	325
جو قرض رکھتے تھے جاں پر	329
تجھ کو کتنوں کا لہو چاہیے' اے ارضِ وطن	333

Marfat.com

پیش لفظ

ہمارے خاندان کی تاریخ قربانیوں سے بھری پڑی ہے۔ میرے والد کو پھانسی اور دو بھائیوں کو قتل کیا گیا لیکن ہم نے قوم کو تنہا نہیں چھوڑا اور میں بھی قوم سے وعدہ کرتی ہوں کہ ملک وقوم کے لیے جان کی بازی لگا دوں گی۔

یہ تاریخی الفاظ ادا کرنے کے کچھ ہی دیر بعد گولی چلی اور یہ تاریخی الفاظ کہنے والی عظیم خاتون نے قوم اور ملک کے ساتھ اپنی کمٹمنٹ کو خون کا نذرانہ دے کر سچ کر دکھایا۔ جمہوریت اور قوم کے ساتھ وعدہ نبھانے والی کو اگلے روز گڑھی خدا بخش میں ان کے شہید والد اور بھائیوں کی قبروں کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

اب زمین کا پیار باقی ہے فقط
آسمان کی مہربانی دیکھ لی

ایک دوسرے موقع پر انہوں نے کہا تھا ''میں نے اپنی مرضی سے کانٹوں کا راستہ چنا ہے اور موت کی وادی میں قدم رکھا ہے۔'' بے نظیر شہید کانٹوں کی جس سیج پر چل رہی تھیں وہ اس سے قطعاً غافل نہ تھیں کہ ان کے ساتھ کسی بھی وقت کوئی ناگہانی ہوسکتی ہے' سو وہ بڑی بے دردی سے شہید کر دی گئیں۔ ان کی شہادت کی خبر کو پوری دنیا میں دکھ اور افسوس کے ساتھ سنا گیا۔ خصوصاً یہ خبر سنتے ہی پاکستان کے اندر ہر گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ ہر آنکھ اشک بار اور ہر چہرے پر افسردگی چھا گئی۔ پوری قوم ان کی غیر طبعی موت کے سوگ میں ڈوب گئی۔ اپنے پرائے سب ہی اس موت پر رو دیئے۔ بے نظیر بھٹو کی موت کی خبر کے بعد پوری قوم پر سکتہ طاری ہو گیا اور کوئی بھی یہ یقین کرنے کو تیار نہیں کہ بے نظیر بھٹو اب اس دنیا میں نہیں رہیں۔

گڑھی خدا بخش میں بھٹو خاندان کے شہیدوں میں ایک اور شہید کا اضافہ ہو چکا ہے۔ بلاول' بختاور اور آصفہ معصوم بچوں کی طرح اپنی ماں کو تلاش کر رہے ہیں لیکن ان معصوم بچوں کو کیا معلوم کہ جانے والے کبھی لوٹ کر نہیں آتے۔ اب صرف یادیں اور باتیں باقی رہ جائیں گی۔ پورے پاکستان میں کوئی گھر ایسا نہیں ہوگا جہاں کے کسی فرد نے آنسو نہ بہائے ہوں' بے نظیر

Marfat.com

بھٹو شہید کو موت جلاوطنی کی زندگی سے زبردستی چھڑا کر پاکستان واپس لائی اور ملک واپسی کے 69 دن بعد بے نظیر بھٹو بھی اپنے خاندان کے دیگر افراد کی طرح شہید کر دی گئیں۔ بے نظیر بھٹو شہید مسلمہ طور پر ایک عالمی لیڈر کے طور پر جانی پہچانی جاتی تھیں لیکن بدقسمتی کے دور میں وہ خفیہ ہاتھوں کی سازش کا شکار ہوگئیں۔ اندرون و بیرون سندھ سے بھٹو خاندان سے محبت اور عقیدت کا رشتہ رکھنے والے لاکھوں افراد نے گڑھی خدا بخش کا رخ کر لیا۔ ہر گلی محلے شہر سے قافلے گڑھی خدا بخش روانہ ہونا شروع ہوگئے۔ لوگوں کو جو بھی سواری ملی اس پر سوار ہو کر اپنی شہید قائد دختر مشرق بے نظیر بھٹو کے آخری دیدار کے لیے گڑھی خدا بخش کی طرف روانہ ہوگئے۔ جمعہ 28 دسمبر 2007ء کی صبح کا سورج جب طلوع ہوا تو لاکھوں افراد شدتِ غم سے نڈھال گڑھی خدا بخش پہنچنا شروع ہوگئے' یہ سلسلہ تدفین کے بعد بھی کئی دنوں تک جاری رہا۔ بے نظیر بھٹو شہید کی المناک موت کے بعد ملکی سیاست کیا رُخ اختیار کرتی ہے یہ سب سے اہم سوال ہے۔

بے نظیر بھٹو شہید 27 دسمبر تک محدود نہیں' ان کی جدوجہد' سیاست اور خدمات کئی دھائیوں پر پھیلی ہوئی ہیں۔ آج بھی پاکستان میں ایسے حلقے موجود ہیں جنہوں نے 10 اپریل 1986ء میں بے نظیر بھٹو شہید کی پاکستان پہلی واپسی پر ان کو بدنام کرنے کی مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا' آج وہ بھی آنسو بہا رہے ہیں۔ لیکن ان کے آنسو صرف محترمہ کی مظلومانہ شہادت تک محدود ہیں۔ وہ محترمہ کے مشن کے آج بھی خلاف ہیں۔ یہ کتاب بے نظیر بھٹو شہید کے مشن کی ترجمان ہے اور ان کے نظریے کو نئی نسل تک منتقل کرنے کا فرض سرانجام دے رہی ہے۔ اس لیے ہماری پاکستان پیپلز پارٹی کے کارکنوں سے گزارش ہے کہ وہ محترمہ کی شہادت کا بدلہ' ان کے خیالات اور مشن کے فروغ کی صورت میں ہی بہتر طریقے سے لے سکتے ہیں۔ وہ خود بھی تشدد اور انتہا پسندی کے خلاف تھیں اور وہ اسے پسند بھی نہیں کرتی تھیں۔ انہی انتہا پسندوں کے ہاتھوں ان کی المناک شہادت واقع ہوئی۔

ہم نے محترمہ کو اس تصنیف کی شکل میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اس کتاب میں بے نظیر بھٹو شہید کے حالات زندگی' ان کی سیاسی جدوجہد' خصوصی تحریریں' مضامین اور بیانات کے علاوہ ان کی شہادت کے پس پردہ محرکات' سازشوں اور اندرونی کہانیوں کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی محترمہ سے متاثر مختلف شعبۂ ہائے زندگی کی نمایاں شخصیات کے تاثرات اور پاکستان بھر کے معروف اہل قلم کا خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔

مرتضیٰ انجم

Marfat.com

بے نظیر بھٹو شہید کے حالاتِ زندگی پر ایک نظر

وہ لوگ تو نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
ڈھونڈا تھا آسمان نے جنہیں خاک چھان کر

پاکستان پیپلز پارٹی کے بانی ذوالفقار علی بھٹو کی بیٹی بے نظیر بھٹو 21 جون 1953ء کو پیدا ہوئیں۔ بے نظیر بھٹو نے ابتدائی تعلیم لیڈی جیننگز نرسری سکول میں حاصل کی۔ اس کے بعد وہ کراچی کے کانونٹ آف جیز ز اینڈ میری سکول میں داخل ہوگئیں۔ دو سال یہاں پڑھتی رہیں۔ اس کے بعد وہ راولپنڈی میں کانونٹ سکول میں داخل ہوگئیں۔ بعد ازاں وہ کانونٹ سکول مری میں چلی گئیں۔ 15 برس کی عمر میں انہوں نے اولیول کی تعلیم مکمل کرنے کے لیے کراچی کے گرامر سکول میں داخلہ لے لیا۔

پاکستان میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ مزید حصول علم کے لیے امریکہ چلی گئیں۔ 1969ء سے 1973ء تک وہ ریڈ کلف کالج اور ہاورڈ یونیورسٹی میں پڑھتی رہیں۔ جہاں سے انہوں نے بی اے کی ڈگری حاصل کی اور آکسفورڈ سے ہی انہوں نے امورِ خارجہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔

بے نظیر بھٹو نے اپنے والد ذوالفقار علی بھٹو کی توقعات کے مطابق اپنی طلسماتی شخصیت اور اعلیٰ سیاسی بصیرت کے بل بوتے پر بھٹو خاندان کا نام زندہ رکھا۔ وہ نہ صرف ایک قابل سیاست دان تھیں بلکہ بہترین لکھاری بھی تھیں۔ انہوں نے اپنی پہلی کتاب ''فارن پالیسی ان پراسپیکٹو'' اور دوسری کتاب 1989ء ''ڈاٹر آف دا ایسٹ'' لکھی ان دونوں کتابوں کو عالمی سطح پر شہرت ملی اور ان کی قلم کاری کا اعتراف بھی کیا گیا۔ وہ اس کے علاوہ دنیا کے مختلف شہرہ آفاق اداروں انٹرنیشنل ریلیشن، عالمی سیاست اور جنوب ایشیاء میں پاکستان کی اہمیت، افغان، چین، ایران، بھارت میں طاقت کے توازن سمیت کئی موضوعات پر لیکچر دے چکی ہیں۔ ان کی قابلیت کو امریکہ

Marfat.com

یورپ اور ایشیائی ممالک قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ وہ پہلی ایشیائی خاتون ہیں جنہیں باوقار ڈیبیٹنگ سوسائٹی کا سربراہ بننے کا موقع ملا۔ اس کے علاوہ پیپلز میگزین نے انہیں پچاس خوبصورت خواتین کی فہرست میں شامل کیا اور لبرل انٹرنیشنل نے انہیں آزادی کا ایوارڈ دیا۔

ملکی سیاست کے علاوہ انہوں نے 38 کے قریب عالمی اداروں سے اعزازی ڈگریاں حاصل کیں۔ اس کے علاوہ عالمی کانفرنسوں میں شرکت بھی کر چکی ہیں۔ محترمہ نے 1977-1976ء میں فارن یونیورسٹی میں طلباء یونین کی صدر بھی رہیں۔ صدر بننا ان کے لیے اعزاز سے کم نہیں تھا۔ انہوں نے اپنی زندگی میں سیاسی مصیبتوں کا بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ ان کے والد ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کے بعد ان کو اور ان کی والدہ نصرت بھٹو کو ان کے گھر میں 18 ماہ کے لیے نظر بند کر دیا گیا۔ اور جب 4 اپریل 1979ء کو ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی کے ذریعہ شہید کیا گیا' اس وقت بھی دونوں ماں بیٹی سہالہ ریسٹ ہاؤس میں نظر بند تھیں۔ انہوں نے ساری مشکلات کا بہادری سے مقابلہ کیا۔ انہیں ضیاء دور میں 1984ء کو ملک بدر کر کے لندن جانے کی اجازت دے دی گئی' انہوں نے لندن میں جب جلاوطنی کی زندگی گزاری تو اس دوران بھی وہ مارشل لاء کے خلاف جدوجہد کرتی رہیں۔ ایم آر ڈی کی تحریک کو ان کی شمولیت سے جلا ملی اور ضیاء الحق ملک میں غیر جماعتی انتخابات کرانے پر مجبور ہو گئے' تاہم پیپلز پارٹی نے انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا۔ 1988ء میں صرف 35 برس کی عمر میں انہیں مسلم دنیا کی پہلی وزیر اعظم خاتون بننے کا اعزاز ملا۔ چند روز قبل ایک ویب سائٹ پر بے نظیر دنیا کی گیارہ قابل خواتین میں دوسرے نمبر پر آئیں۔

سب سے بڑی بیٹی ہونے کے ناتے وہ اپنے والد کے بہت قریب تھیں۔ بھٹو مرحوم شملہ معاہدہ کے لیے بے نظیر بھٹو کو ساتھ لے گئے تھے۔

تعلیم کے اگلے مرحلے کے لیے وہ برطانیہ پہنچ گئیں۔ یہاں آکسفورڈ یونیورسٹی سے انہوں نے ''بین الاقوامی قانون اور ڈپلومیسی'' کا ایک کورس کیا۔ 1973ء سے

Marfat.com

1977ء تک وہ آکسفورڈ ہی کے ایک کالج ''لیڈی مارگریٹ ہال'' سے فلسفہ' سیاسیات اور معاشیات کی تعلیم حاصل کرتی رہیں۔ دسمبر 1976ء میں وہ آکسفورڈ یونین کی صدر بھی منتخب ہوئیں۔

5 جولائی 1977ء کو فوج کے سربراہ جنرل ضیاء الحق نے ذولفقار علی بھٹو کا تختہ الٹ دیا۔ جس کے بعد بے نظیر کی والدہ بیگم نصرت بھٹو نے پارٹی قیادت سنبھال لی۔ کچھ عرصے بعد ذوالفقار علی بھٹو کے بیٹے شاہنواز بھٹو فرانس میں پراسرار طور پر ہلاک ہوگئے۔

اس دوران بے نظیر بھٹو نے تعلیم مکمل کی اور پاکستان واپس آگئیں۔ حکومت نے انہیں گھر میں نظر بند کر دیا جس کے بعد 1984ء میں حکومت نے انہیں برطانیہ جانے کی اجازت دے دی۔ اب انہوں نے باقاعدہ پارٹی قیادت سنبھال لی۔ اس دوران ان کی شادی کراچی میں آصف علی زرداری سے ہوئی۔ اس کے ساتھ وہ ملک میں جمہوریت کی بحالی کی جدوجہد بھی کرتی رہیں۔

جنرل ضیاء الحق کے بعد 16 نومبر 1988ء کو پہلے جماعتی انتخابات کے نتیجے میں وہ پاکستان کی پہلی خاتون وزیراعظم منتخب ہوگئیں۔ اس منصب پر وہ دوبار فائز رہیں۔ انہوں نے پہلی بار 2 دسمبر 1988ء میں وزارتِ عظمیٰ کا حلف اٹھایا۔

20 ماہ بعد اس وقت کے صدر غلام اسحاق خان نے ان کی حکومت کو مختلف الزامات کے تحت برطرف کردیا۔ تاہم 1993ء میں وہ دوبارہ انتخابات جیت کر وزیراعظم بنیں۔ ان کے دور حکومت میں صدارتی انتخابات کے نتیجے میں پیپلز پارٹی ہی کے ایک رہنما سردار فاروق احمد خان لغاری ملک کے صدر بن گئے۔ بے نظیر بھٹو انہیں اپنا سب سے وفادار کارکن قرار دیتی تھیں تاہم 1996ء میں فاروق لغاری نے مختلف الزامات عائد کرتے ہوئے ان کی حکومت برطرف کر دی۔ اس سے قبل ان کے بھائی میر مرتضیٰ بھٹو کو کراچی میں ان کے بنگلے سے تھوڑا ہی دور ایک پولیس مقابلے میں قتل کر دیا گیا۔ بے نظیر بھٹو اس قتل کی ذمہ داری پراسرار قوتوں پر ڈالتی

Marfat.com

تھیں۔

اپنی حکومتوں کے دوران انہوں نے خواتین کی بہبود بالخصوص ان کی صحت کے حوالے سے اہم پالیسیاں بنائیں۔ انہوں نے عورتوں کے خلاف کئی ایک امتیازی قوانین بھی ختم کیے۔ وہ خواتین کے لیے الگ سے پولیس سٹیشن' عدالتیں اور ترقیاتی بنک قائم کرنے کا منصوبہ رکھتی تھیں تاہم اپنے ادوار حکومت میں وہ منصوبے کے تمام پہلوؤں پر عمل درآمد نہ کرسکیں۔

میاں نواز شریف کے دوسرے دور حکومت میں وہ قائد حزب اختلاف کا کردار ادا کرتی رہیں۔ اس دوران ان پر کرپشن سمیت کئی مقدمات قائم ہوئے۔ 1998ء میں وہ دوبئی چلی گئیں جہاں انہوں نے جلاوطنی کی زندگی گزارنا شروع کردیا۔ اس دوران وزیر اعظم نواز شریف کی حکومت برطرف کر دی گئی۔ برطرفی کے بعد نواز شریف بھی سعودی عرب جلاوطنی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اس دوران بے نظیر بھٹو اور میاں نواز شریف کے درمیان پاکستان کی عسکری حکومت کے خلاف جدوجہد پر اتفاق ہوگیا۔ دو دو بار ملک کے وزیراعظم رہنے والے دونوں قائدین کے درمیان ''میثاق جمہوریت'' کے نام سے ایک معاہدہ بھی طے پا گیا۔

اگرچہ 2002ء کے انتخابات میں بے نظیر بھٹو ملک میں آکر اپنی پارٹی کی قیادت نہ کرسکیں تاہم ان کی غیر موجودگی میں بھی ان کی پارٹی نے 28.42 فیصد ووٹ حاصل کیے۔ 18 اکتوبر 2007ء کو بے نظیر بھٹو پاکستان واپس آگئیں۔ قومی مفاہمت آرڈی نینس کے مطابق ان کے خلاف کرپشن سمیت دیگر تمام مقدمات واپس ہوگئے تھے۔

بیرون ملک سے جب وہ کراچی پہنچیں تو ملک بھر سے ان کے کارکن لاکھوں کی تعداد میں کراچی جمع ہوگئے اور انہوں نے کراچی میں ایک فقیدالمثال استقبال کا منظر قائم کر دیا جو ہمیشہ سے سرگرم نادیدہ قوتوں کو ناگوار گزرا۔ انہوں نے 18 اکتوبر 2007ء کو کارساز کے مقام پر خوفناک بم دھماکے کروا دیئے جس سے سینکڑوں کارکن

Marfat.com

ہلاک اور ہزاروں زخمی ہو گئے لیکن بے نظیر بھٹو اور ان کی مرکزی قیادت بال بال بچ گئی۔ بے نظیر شہید ان دھماکوں کی ذمہ داری ان خفیہ طاقتوں پر ڈالتی تھیں جو بھٹو مخالف ہیں۔ اس دن سے وہ اپنی سیکورٹی سے مطمئن نہیں تھیں اور بار بار کہتی تھیں مجھے جمہوریت مخالفین قوتیں ہلاک کرنا چاہتی ہیں لیکن ساتھ ساتھ انہوں نے الیکشن کے لیے اپنی انتخابی مہم کا بھی آغاز کر دیا تھا۔

2008ء کے عام انتخابات میں وہ بھرپور انداز میں شرکت کا ارادہ رکھتی تھیں۔ ان کی جماعت نے پورے ملک میں سب سے زیادہ امیدوار کھڑے کیے۔ انہیں بھرپور یقین تھا کہ اگلی حکمران وہی ہوں گی۔ وہ 27 دسمبر 2007ء کو راولپنڈی میں ایک انتخابی ریلی کے دوران خودکش بم دھماکے اور گولیاں لگنے کے نتیجے میں جاں بحق ہو گئیں۔

اب بے نظیر بھٹو شہید کے سیاسی جانشین کے طور پر ان کے بیٹے بلاول کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اب ان کا نام بلاول بھٹو زرداری ہوگا۔ یہ دونوں فیصلے پاکستان پیپلز پارٹی کی سینٹرل ایگزیکٹو کمیٹی نے کیے ہیں۔ بلاول بھٹو پارٹی کے چیئرمین بنا لیے گئے ہیں تاہم وہ عملی طور پر پارٹی کی قیادت تعلیم مکمل کرنے کے بعد سنبھالیں گے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی سنٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کے اجلاس میں محترمہ بے نظیر بھٹو شہید کی وصیت بھی پڑھ کر سنائی گئی' انہوں نے اپنی وصیت میں لکھا تھا کہ اگر وہ شہید کر دی جائیں تو ان کی خواہش ہے کہ پارٹی کا چیئرمین آصف علی زرادری کو بنایا جائے لیکن آصف علی زرداری نے یہ ذمہ اری اپنے بیٹے بلاول بھٹو کو سونپ دی ہے۔ پارٹی نے اس فیصلے کی توثیق کر دی ہے اب بلاول بھٹو بے نظیر شہید کے جانشین کے طور پر پارٹی کے چیئرمین ہیں اور آصف علی زرداری شریک چیئرمین ہوں گے۔

Marfat.com

بے نظیر بھٹو بطور طالبۂ علم

پاکستان اس حوالے سے خوش قسمت تھا کہ اسے بے نظیر بھٹو شہید جیسی عالمی اداروں سے تعلیم یافتہ لیڈر میسر تھی کیونکہ پاکستانی لیڈرشپ میں تعلیمی معیار کا ہمیشہ فقدان رہا ہے۔ صدر پرویز مشرف نے 2002ء کے الیکشن میں جب گریجویشن الیکشن کے لیے لازمی قرار دی تو بڑے بڑے چغادری سیاستدان جو برس ہا برس سے اپنے علاقے کی قیادت کر رہے تھے ناخواندہ اور گریجویٹ نہ ہونے کے سبب انتخابی میدان سے باہر ہوگئے۔ بعضوں نے جوں توں گریجویشن کی ڈگری حاصل کر کے اپنی وراثتی سیٹ کو بچانے کی کامیاب کوشش کی لیکن اللہ کا شکر ہے کہ یہ اعزاز پاکستان پیپلز پارٹی کو حاصل ہے کہ ان کی لیڈر نہ صرف گریجویٹ تھیں بلکہ وہ تعلیم کے بین الاقوامی معیار پر پوری اترتی تھیں۔ جس طرح کہ ہم اس سے قبل عرض کر چکے ہیں کہ وہ 1969ء سے 1973ء تک ریڈکلف کالج اور ہاورڈ یونیورسٹی میں پڑھتی رہی ہیں۔ ان کا زمانۂ طالب علمی کیسا تھا، انہوں نے تعلیمی شب و روز کس طرح گزارے، آیئے ان کی خود نوشت ''مشرق کی بیٹی'' اور دیگر کتب کے حوالوں سے معلومات حاصل کرتے ہیں۔

''پاکستان .... پاکستان کہاں ہے؟ میری نئی ہم جماعتوں نے مجھے ریڈکلف پہنچنے پر سب سے پہلے پُوچھا، اُس وقت جواب دینا قدرے آسان تھا، پاکستان دُنیا کا سب سے بڑا اسلامی مُلک ہے۔ میرا جواب تھا، یعنی سفارت خانے کے ہیڈ

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

آؤٹ جیسا، پاکستان کے دو بازو ہیں، جن کے درمیان ہندوستان واقع ہے۔

اچھا ہندوستان! ٹھہرتا سا جواب تھا، تم ہندوستان کے پڑوسی ہو، میں ہمیشہ ہی اُس وقت تلملائی، جب بھی ہمارے ساتھ ہندوستان کا حوالہ دیا جاتا۔ یعنی وہ مُلک جس سے ہم دو تلخ ترین جنگیں لڑ چکے تھے۔ پاکستان کو امریکا کا زبردست اتحادی سمجھا جاتا تھا، اور ایک ایسی درمیانی ریاست جو ہندوستان میں، اور ہمارے دوسرے سرحدی ملک کیمونسٹ چین، افغانستان اور ایران میں روس کے دائرہ اثر میں رکاوٹ خیال کی جاتی تھی۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے شمالی پاکستان میں یو 2 طیاروں کے لئے ہمارے ہوائی اڈے استعمال کیے۔ بشمول اُس بدقسمت طیارے کے، جسے 1960ء میں گیری پاورز نے اُڑایا تھا۔ 1971ء میں ہنری کسنجر نے اسلام آباد سے چین کی طرف کامیاب اڑان کی، جس نے اگلے سال صدر نکسن کے دورہ چین کی راہ کھول دی، اس کے باوجود زیادہ تر امریکی ہمارے ملک کے وجود سے بے خبر تھے۔

نتیجتاً وہ لوگ بھٹو خاندان سے بھی لاعلم تھے، اور زندگی میں پہلی دفعہ گمنامی کے مزے کو پسند کیا۔ پاکستان میں بھٹو کا نام ہماری پہچان تھا، اور کچھ خاندانی اہمیت کا احساس بھی ساتھ ہی نمایاں ہوجاتا تھا۔ مجھے پتہ نہیں چلتا تھا کہ لوگ مجھے میری ذاتی صلاحیتوں کی بناء پر چاہتے ہیں یا میرے خاندان کے نام کی وجہ سے ہاورڈ میں پہلی مرتبہ میں اپنی صلاحیتوں پر کھڑی تھی۔ (مشرق کی بیٹی ص: 80,81)

سید غیور عباس لکھتے ہیں:

ہاورڈ میں داخلہ بے نظیر بھٹو کی صلاحیتوں کا دہرا امتحان تھا، جہاں انہوں نے مغرب کی آلائشوں سے خود کو پاک رکھنا تھا، اور اُس اعتماد کو جو اُن کے خاندان نے ان پر کیا تھا، اُس کو برقرار رکھنا تھا، وہاں اپنے والد کے خوابوں کی تکمیل کرنا تھی، جو اپنی ہونہار بیٹی کو ''اچھا طالب علم'' دیکھنا چاہتے تھے، وقت نے ثابت کر دیا کہ بے نظیر بھٹو نے اپنے :والد کے خواب کو سچ ثابت کر دیا۔ اُنھوں نے بطورِ طالب علم اپنی صلاحیتوں کو منوایا، امریکی کلچر میں کسی تیسری دنیا کے باشندے کے لئے جہاں قدم

Marfat.com

قدم پر رنگ ونسل اور معاشرتی تفاوت سامنے آتا ہے، کامیابی حاصل کرنا کوئی ایسی آسان بات بھی نہ تھی، لیکن بے نظیر بھٹو نے اپنی اعلیٰ صلاحیتوں کو منواتے ہوئے پاکستان کا نام روشن کیا۔

اپنی خداد صلاحیتوں کے بل پر انھوں نے اپنی مشکلات پر قابو پالیا، اور ابتداء میں جن ثقافتی او رمعاشرتی مشکلات سے پالا پڑا، وہ بتاتی ہیں، جب ایلیٹ ہال میں میرے شروع کے سالوں میں مخلوط تعلیم شروع ہوگئی، تو میں نے مردوں کے ساتھ قریبی کوارٹروں میں رہنا پسند نہیں کیا، جب کبھی کسی مرد طالب علم کو لانڈری میں پاتی، تو مجھے وہاں جانا اچھا نہ لگتا، مسئلہ اُس وقت حل ہوا، جب ہم ہاورڈ کیمپ کے ایلیٹ ہاؤس میں چلے گئے، جہاں میری ہم جماعت یولنڈا کوڈرزیکی اور میں اپنے رہائشی کمروں میں منتقل ہوگئیں، جہاں لانڈری رُوم بھی بہت بڑا تھا (ص:83)

اپنی ابتدائی مشکلات کے حوالے سے بتاتی ہیں۔

مجھے بعض سے لائبریری کا راستہ پوچھنا پڑتا، لیکچر ہال اور اپنی آرام گاہ کی سمتیں پوچھنا پڑتیں، یعنی میں خاموش تماشائی بنیں نہیں رہ سکتی تھی، ایک عجیب او رغیر ملکی تالاب کے آخری گہرے کنارے میں مجھے پھینک دیا گیا تھا۔ مجھے ڈوبنے سے اُبھرنے کے لیے اپنے ہی سہارے کی ضرورت تھی۔

لیکن بے نظیر بھٹو نے اپنی خداد صلاحیتوں کے بل پر جلد ہی اپنی مشکلات پر قابو پالیا، اور یونیورسٹی کی سوشل زندگی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کر دیا، پہلے ہی سال وہ ایلیٹ ہال کی سوشل سیکرٹری بن گئیں۔ اخبار ''دی کرمزن'' میں ''کرمزن کی سوسائٹی'' کے عنوان سے کیمپس کی سیاحت کے رہنما اُصول بھی لکھتیں۔

اُن دنوں امریکہ میں عدم اعتماد کی تحریک عروج پر تھی۔ بے نظیر بھٹو نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اگرچہ محترمہ ایک غیر ملکی تھیں، اور اُن کو اُس پاداش میں یونیورسٹی سے بھی نکالا جاسکتا تھا، لیکن اس کے باوجود اُس تحریک میں پیش پیش رہیں۔ وہ بتاتی ہیں۔

Marfat.com

''عدمِ جارحیت'' کی تحریک اپنے عروج پر تھی، میں نے بھی واشنگٹن ڈی سی کی ایک عظیم ریلی اور بوسٹن میں ''یومِ نادہندگی قرضہ جات'' پر ہاورڈ کے ہزاروں طلبہ کے ہمراہ منعقدہ ریلی میں شمولیت کی، جہاں ستم ظریفی قسمت سے آنسو گیس کا پہلا ذائقہ چکھا، میں گھبرا گئی، جب پہلی مرتبہ اپنی قمیص پر'' طلبہ کو گھر واپس لے آؤ'' کا بیج نصب کیا، غیر ملکی ہونے کے ناتے کسی سیاسی ریلی میں پکڑے جانے پر مجھے ملک بدر بھی کیا جاسکتا تھا، لیکن میں نے ویت نام کی جنگ کی مخالفت اپنے وطن میں بھی کی تھی، اور امریکہ میں بھی'' خلافِ جنگ'' تحریک کے بخار نے مجھے اور بھی انقلابی بنا دیا تھا، میرے ساتھ مارچ کرنے والوں کے اور میرے محرکات ایک جیسے تھے۔ امریکیوں کو ایشیا کی خانہ جنگی میں ملوث نہیں ہونا چاہیئے''۵

بین الاقوامی سطح پر بے نظیر بھٹو کو خواتین کے حقوق کی بہت بڑی علمبردار سمجھا جاتا ہے۔ حقوقِ نسواں کے علمبردار ہونے کی ایک وجہ تو جاگیردار سندھی گھرانے سے اُن کا تعلق ہونا ہے کہ سندھ میں خواتین پر ہونے والی ظلم وستم کی کہانیاں انھوں نے نہ صرف سنی بلکہ خود دیکھیں بھی، اور ان کے فیصلے بھی کیے، اس کا دوسرا محرک ہاورڈز کے زمانہ طالب علمی میں'' حقوق نسواں'' کی تحریک سے آگاہ ہونا ہے، جن دنوں آپ ہاورڈ میں طالبہ علم تھیں، تو امریکہ میں حقوق نساں کی تحریک عروج پر تھی۔ آپ نے اپنی سہیلیوں اور ساتھی طلبا کے ساتھ مل کر اُس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا' ہوسٹل میں آپ کا کمرہ خواتین کے حقوق کی تحریک کا ایک مرکز تھا۔ اس حوالے سے محمد علی شیخ لکھتے ہیں۔

''اُس دور میں امریکہ میں تحریکِ نسواں بھی ملک بھر میں جڑیں پکڑ رہی تھی۔ ہاورڈ میں کتابوں کی دکانیں، خواتین سے متعلق موضوعات پر مبنی کتابوں سے بھری پڑی تھیں۔ بے نظیر اور اُن کے دوست دونوں اصناف کے مابین تعلق کو ترتیب دینے والے نئے نظریات سے متاثر تھے، انہوں نے اس تحریک میں شمولیت اختیار کر لی، اور ان نظریات کی حمایتی بن گئیں۔ اُن کا کمرہ اسی رجحان کی حامل خواتین کے

Marfat.com

اجتماعات کا مرکز بن گیا، جہاں یہ نڈر لڑکیاں مستقبل میں مردوں کے ساتھ سماجی تعلقات کے منصوبے بناتیں" ہر رات میری سہیلیاں اور میں مل بیٹھتے اور مستقبل کے تحفظات کے بارے میں گفتگو کرتے، اور اس بات پر بحث ہوتی کہ جن حضرات کے ساتھ ہمیں اپنی مرضی سے شادی کرنے کا اگر موقع ملا تو اُن کے ساتھ تعلقات کارکن اُصولوں پر استوار کیے جائیں"۔

(ص:63, 64، مترجم وقار ملک)

محترمہ بےنظیر بتاتی ہیں کہ اُن کا خیال تھا کہ وہ نفسیات کا مطالعہ کریں، لیکن میں نے اس کے مقابلے میں" متقابل حکومتیں" پڑھنا پسند کیا، میرے والد نے اس پر بہت خوشی کا اظہار کیا، اُنھوں (ذوالفقار علی بھٹو) نے خفیہ طور پر مسز بنٹگ صدر ریڈ کلف کو کہا تھا کہ کوشش کر کے مجھے سیاسی نصاب حاصل کرنے پر آمادہ کریں، مگر مسز بنٹگ نے بڑے مہربانہ انداز میں مجھے اپنی زندگی کے مستقبل کے بارے میں پوچھا، اور یہ اشارہ تک بھی نہیں دیا کہ میرے والد نے ان کو خط لکھا تھا۔ متقابل حکومتیں یقیناً بہتر انتخاب تھا۔

یہ وہ دور تھا، جب پاکستان اپنے تاریک ترین دور سے گزر رہا تھا، آمریت کے پنجے پاکستان پر گڑے ہوئے تھے، اور ملک پر قابض حکومت دونوں ہاتھوں سے ملک لوٹ رہی تھی۔ صدارتی محل عیاشی کا اڈا بنا ہوا تھا، اور شراب کباب کی محفلیں جمتی تھیں۔ مشرقی پاکستان میں حالات انتہائی دگرگوں تھے۔ ایسے میں عام انتخابات کی تاریخ کا اعلان کیا گیا۔ صدر نے مغربی پاکستان کو چار صوبوں میں تقسیم کر دیا۔ اُنھوں نے سیاسی جماعتوں سے علاقائی اور ذاتی مفادات کو نظر انداز کرنے کو کہا، ستمبر میں شدید احتجاج کے باعث 7 دسمبر 1970ء کو ملک بھر میں قومی اسمبلی کے انتخابات ہوئے بھٹو کو نوزائیدہ پیپلز پارٹی نے مغربی پاکستان میں بھرپور کامیابی حاصل کی، جب کہ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کو مکمل فتح حاصل ہوئی۔ بےنظیر اس دوران اپنی تعلیمی سرگرمیوں کو جاری رکھے ہوئے تھیں۔ انہیں اپنے والد کی کامیابی کی اطلاع ملی تو ان کو

Marfat.com

از حد مسرت ہوئی وہ بتاتی ہیں:

7دسمبر 1970ء کو یحییٰ خان نے آخر کار انتخابات منعقد کروا دیئے، جو پچھلے تیرہ برس میں پہلے انتخابات تھے۔ کیمبرج میں دنیا کی دوسری طرف مَیں نے ٹیلی فون اپنے سرہانے رکھ کر ساری رات مطالعہ جاری رکھا، جب میری والدہ نے مجھے بتایا کہ غیر متوقع طور پر میرے والد اور پیپلز پارٹی نے مغربی پاکستان میں مخالفوں کو صفایا کردیا ہے اور قومی اسمبلی کی 138 میں سے 82 نشستیں حاصل کی ہیں، تو مجھے بے پناہ مسرت ہوئی۔

اگلے روز اُن لوگوں نے مجھے تہنیتی پیغام پہنچائے، جنہیں میں نے کبھی دیکھا بھی نہیں تھا، اور جنہوں نے میرے والد کی فتح کے بارے میں نیو یارک ٹائمز میں پڑھا تھا۔ (ص: 84, 85)

پاکستان کی تاریخ کے المناک لمحات میں بے نظیر بھٹو امریکہ میں تھیں، ڈھاکہ میں کنٹرول فوج نے سنبھال لیا تھا۔ ظلم وستم اور قتل و غارت کی داستانیں عام تھیں، اور بین الاقوامی اخبارات میں پاکستان کی مذمت کے بارے میں بہت کچھ لکھا جارہا تھا۔ بھارت کے حاشیہ بردار اخبارات بنگال میں ہونے والے ظلم وستم سے بھرے پڑے تھے۔ ایک پاکستانی ہونے کے ناتے بے نظیر بھٹو کو بھی تلخ سوالات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ''تم بنگالیوں کو ذبح کر رہے ہو؟'' یہ عام الزامات تھے۔ میں غصے سے نیلی ہوجاتی اور اُن کو جواب دیتی: کیا تم اخبار کی خبروں پر اندھا دھند یقین کر لیتے ہو۔ اخبار کے زیر اثر عوام بھی پاکستان کے مخالف ہو چکے تھے۔ بین الاقوامی پریس ڈھاکہ میں ہونے والے ظلم وستم کو بڑھا چڑھا کر پیش کر رہا تھا، ہر شخص پاکستان کا مخالف تھا۔ ایسے میں ایک روز پروفیسر والرز نے ایک پبلک جلسہ میں جنگ اور اخلاقیات کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے کہا: پاکستان نے بنگلہ دیشی لوگوں کو حق خود اختیاری دینے سے انکار کر دیا ہے۔ میں 200 دوسرے طلبہ کے سامنے فوراً اپنے پاؤں پر کھڑی ہوگئی اور زندگی کی پہلی سیاسی تقریر کر ڈالی ''یہ بالکل غلط ہے پروفیسر صاحب!'' میں

Marfat.com

نے تھرتھراتے لہجے میں انہیں صحیح کیا۔ بنگال کے لوگوں نے 1947ء میں اپنا حقِ خود اختیاری استعمال کیا تھا، انہوں نے پاکستان میں رہنے کا فیصلہ کیا۔

اُس پورے دور کے دوران میں بے نظیر بھٹو کی خط و کتابت اپنے والد سے رہی، جس سے اُنہیں ملک کی حقیقی صورتِ حال کا علم ہوتا رہا۔ اُسی دوران میں ذوالفقار علی بھٹو نے بے نظیر بھٹو کو ایک طویل خط لکھا، جو بعد میں کتابی صورت میں شائع ہوا۔ دیارِ غیر میں ملک کے بارے میں ہولناک خبریں سُن کر بے نظیر کو پریشانی ہوتی، جب 3 دسمبر 71ء کو بھارت کو پاکستان پر حملہ کیا، تو ایک محبِ وطن طالبہ کے طور پر اُن کو دلی رنج پہنچا۔ وہ بتاتی ہیں:

یہ خوفناک تشنج 3 دسمبر 1971ء کی صبح محسوس کیا گیا۔ ''نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔'' میں اخبار کو زمین پر پھینکتی ہوئی ایلیٹ ہال میں زور سے چلائی۔ قانون کی عملداری قائم کرنے کا بہانہ بنا کر ہندوستانی افواج نے مشرقی پاکستان پر حملہ کر دیا تھا، اور مغربی پاکستان پر بھی وار کرنے سے گریز نہیں کیا۔

ایسے حالات میں جب ایک بین الاقوامی سازش کے تحت پاکستان پر جنگ مسلط کر دی گئی تھی۔ پاکستان کی مخالف تمام قوتیں ایک پلیٹ فارم پر اکٹھی ہوگئی تھیں۔ پاکستان کی تقسیم کا منصوبہ بن چکا تھا۔ امریکہ سے پاکستان کو کسی قسم کی مدد نہ پہنچی تھی۔ ڈھاکہ میں پاکستانی فوجیں محصور ہوچکی تھیں۔ ملک کی قسمت کے مالک راگ و رنگ کی محفلوں میں گھرے ہوئے تھے۔ ناقص حکمتِ عملی کی بدولت ملک کے دونوں بازوؤں کے درمیان کشیدگی اور اختلافات گہرے ہورہے تھے۔ شیخ مجیب الرحمٰن اپنے چھ نکاتی پروگرام پر ڈٹے ہوئے تھے۔ ایسے میں یحییٰ خان کو بھٹو کا خیال آیا۔ بھٹو اس حق میں تھے کہ ملک کے دونوں بازوؤں کے درمیان غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے مذاکرات کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ وہ بین الاقوامی سطح پر اس مسئلے کو سلامتی کونسل میں پیش کرنے کے حق میں بھی تھے۔ 9 دسمبر کو جناب بھٹو سلامتی کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لئے امریکہ پہنچے۔ انہوں نے چار روز تک پاکستان کو

Marfat.com

بچانے کے لئے دلائل دیے۔ بے نظیر بھٹو کا خیال تھا کہ اقوامِ متحدہ سے پاکستان کو انصاف مل جائے گا، اور سلامتی کونسل ہندوستان کی مذمت کرے گی، لیکن سوویت یونین کی ''ویٹو'' کی دھمکی کے باعث سلامتی کونسل جنگ بندی کا متفقہ فیصلہ نہ کرسکی۔ اُدھر بھارتی فوجیں مشرقی پاکستان میں قتلِ عام کررہی تھیں۔ بھٹو نے سلامتی کونسل سے مطالبہ کیا کہ جنگ بندی نافذ کی جائے، اور ہندوستانی افواج پاکستانی علاقے خالی کردیں۔ لیکن سلامتی کونسل نے اس پر کان دھرنے کے بجائے اجلاس ملتوی کردیا۔ ایسے وقت میں جب پاکستان ہر طرف سے مشکلات میں گھرا ہوا تھا، بے نظیر بھٹو ہر مرحلے پر اپنے والد کے ساتھ تھیں۔ اُنھوں نے اپنے والد کے لئے پاکستان میں یحیٰی خان (صدرِ پاکستان) کو کال بک کروائی، لیکن صدر یحیٰی اُس وقت سو رہے تھے۔ حیرت کی بات ہے کہ پورے پاکستان پر جنگ کے بادل چھائے ہوئے تھے، اور صدرِ پاکستان سو رہے تھے۔ جس مُلک کے حکمران سو جائیں، اُس ملک کا یہ حال ہی ہوتا ہے۔ '' میرے والد فون کو پکڑ لیتے ہیں '' ایک طرف جنگ جاری ہے، '' صدر کو فوراً جگاؤ۔ '' میرے والد چلاتے ہیں، لیکن یحیٰی خان نے مغربی محاذ نہ کھولا نہ کھولنا تھا۔ صورتِ حال یکسر تبدیل ہوگئی۔ حکومت نے مشرقی پاکستان کے کھو جانے کو تسلیم کرلیا، لیکن عوام نے اس سنگین حقیقت کو آج تک تسلیم نہیں کیا۔ جنرل نیازی نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ وقت سے پہلے ہتھیار ڈالنے کی افواہ نے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا تھا۔ پندرہ دسمبر کو جب بھٹو سلامتی کونسل میں گرج رہے تھے تو محترمہ بے نظیر بھٹو اُس وقت بھی ایوان میں موجود تھیں، جب جناب بھٹو سلامتی کونسل کا اجلاس اُدھورا چھوڑ کر ایوان سے باہر نکل آئے تو محترمہ بے نظیر نے اُن کے کاغذات کو اکٹھا کیا۔ بھٹو سلامتی کونسل کے کردار پر بہت پریشان تھے۔ حالات انتہائی خطرناک صورت اختیار کرچکے تھے، گُفت وشنید کے ذریعے سے کسی سیاسی معاہدے کے طے پاجانے کی صورت میں بہتری کے امکانات تھے، لیکن پاکستان کو ہندوستان کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑیں گے۔ اس کا تصور بھی شاید کسی پاکستانی نے نہیں کیا ہوگا۔ اسلام کے نام پر حاصل کیا

Marfat.com

گیا ملک دو حصوں میں بٹ چکا تھا۔ ٹیلی ویژن پر جب جنرل نیازی نے ڈھاکہ کے فاتح سے تلواروں کا تبادلہ کیا، اور انڈین جنرل سے بغلگیر ہوا، تو بے نظیر کو یقین نہیں آیا، وہ بتاتی ہیں "میری آنکھوں کو یقین نہیں آرہا تھا، تاہم انہونی ہوچکی تھی، مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن چکا تھا۔ عوام کے لیے یہ آج بھی سربستہ راز ہے کہ بنگلہ دیش بننے میں کس کا کیا کردار تھا۔ ہمارے ملک کے دو ٹکڑے بھی ہوئے اور ذمہ دار بھی ہم ٹھہرے۔ یہ ہمارے اپنوں کی غلطیاں تھیں یا بین الاقوامی سازش، بہر حال بے نظیر پر اس کا بہت گہرا اثر ہوا، اُن کے لیے یہ ایک ناقابلِ یقین سانحہ تھا۔ ہر ایک محبِ وطن کی طرح ان کا بھی یہ خیال تھا کہ اگر ایک شکست خوردہ فوج کے کمانڈر کے طور پر نیازی اگر اپنے آپ کو گولی مار کر ختم کر لیتا تو اُس کے لیے زیادہ عزت کا باعث ہوتا۔

ادھر پاکستان میں حالات انتہائی مخدوش ہوگئے۔ لوگ گھروں سے نکل آئے توڑ پھوڑ کر سلسلہ شروع ہوگیا۔ لوگ بنگلہ دیش نامنظور کے نعرے لگاتے، اور یحییٰ کو پھانسی دینے کے مطالبے زور پکڑ گئے۔ اسلام آباد سازشوں میں گھر گیا تھا، کراچی لاہور اور بڑے شہروں میں وسیع پیمانے پر ہنگامے شروع ہوگئے۔ حالات اس نہج پر پہنچ گئے کہ معاملات فوجی حکمرانوں کے بس سے باہر ہوگئے۔ عوام یحییٰ خان کو کسی طور برداشت کرنے پر تیار نہ تھے، عوام کا مورال ڈاؤن ہو چکا تھا۔ ایسے میں پاکستان کو ایک مضبوط قیادت کی ضرورت تھی۔ اگرچہ بھارت اور پاکستان کے درمیان معاملات طے پا جانے کے بعد مشرقی محاذ پر جنگ رُک گئی تھی، لیکن پاکستانی فوج کا بڑا حصہ بھارت کی قید میں چلا گیا تھا۔ اس عظیم سانحے کے باجود یحییٰ خان اقتدار چھوڑنے پر تیار نہ تھا۔ لیکن عوام کا دباؤ اتنا زیادہ تھا کہ "سقوطِ ڈھاکہ" کے صرف چار دن بعد عوام نے یحییٰ خان کو اقتدار چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ عوام عوامی نمائندوں کو اقتدار منتقل کرنے سے کم کسی مطالبے پر راضی نہ تھے۔ بھارتی جنتا اپنے مکروہ عزائم کو پورا کرنے میں کامیاب رہی تھی، ایسے دگردوں حالات میں کوئی اور راستہ نہ پاکر بے نظیر بھٹو کے

Marfat.com

والد کو جو اکثریتی پارلیمانی پارٹی کے رہنما تھے، ملک کا صدر منتخب کرلیا گیا۔ ایک ایسے ملک کا صدر جس کا کوئی آئین نہ تھا۔ جس کا ایک حصہ چند یوم قبل الگ ہو چکا تھا۔ اُن کو بہ امرِ مجبوری پہلا سویلین مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بننا پڑا۔ کسی بھی طالب علم کے لیے یہ بڑے اعزاز کی بات ہے کہ اُس کا والد کسی ملک کا سربراہ ہو، لیکن بے نظیر بھٹو کو اس پر کوئی خاص خوشی نہ ہوئی۔ وہ بتاتی ہیں:

''ہاورڈ میں مجھے اب سے پنکی کے بجائے بھٹو کہا جانے لگا، جو صدرِ پاکستان کی بیٹی تھی، لیکن پاپا کی کامیابیوں پر فخر، ہماری ہزیمت اور جو قیمت پاکستان کو ادا کرنا پڑی، اُس کے مقابلے میں میرا سر بلند نہ کر سکا۔ جنگ کے دو ہفتوں کے دوران ہماری فضائیہ کا چوتھائی حصہ ناکارہ بنادیا گیا تھا۔ بحریہ کا تقریباً نصف حصہ سمندر میں غرق ہو چکا تھا، ہمارا خزانہ خالی تھا۔ نہ صرف ہم مشرقی پاکستان کو گنوا چکے تھے، بلکہ مغربی پاکستان کے 5000 مربع میل علاقے پر ہندوستانی افواج قابض ہو چکی تھیں، اور ہمارے 93000 فوجی جوان جنگی قیدی بن چکے تھے۔ بہت سوں کی پیش گوئی تھی کہ اب پاکستان قائم نہیں رہ سکے گا۔ بنگلہ دیش کے قیام کے ساتھ ہی وہ متحدہ پاکستان، جس کی بنیاد قائدِ اعظم محمد علی جناح نے رکھی تھی ختم ہو گیا۔''

(مشرق کی بیٹی)

جس وقت ذوالفقار علی بھٹو کو بچے کھچے پاکستان کا صدر مقرر کرنے کا فیصلہ ہوا، تو اُس وقت آپ (ذوالفقار علی بھٹو) اقوامِ متحدہ میں پاکستان کی نمائندگی کر رہے تھے، چنانچہ ذوالفقار علی بھٹو کو درخواست کی گئی کہ وہ واپس آ کر ملک کا نظم و نسق سنبھالیں۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اقتدار سنبھالنے کے فوراً بعد ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

'ہم اپنی زندگی کے بدترین بُحران سے دوچار ہیں، ہمیں ٹکڑے جمع کرنے ہیں، بہت چھوٹے ٹکڑے، لیکن ہم نیا پاکستان بنائیں گے۔ ایک خوشحال و ترقی پسند استحصال سے آزاد پاکستان۔ وہ پاکستان جس کے لیے قائدِ اعظم نے کوشش کی تھی،

Marfat.com

جس پاکستان کے لیے برِصغیر کے مسلمانوں نے اپنی جانوں اور عزتوں کی قربانی دی تھی، وہ پاکستان بنے گا، اُسے ہر حال میں بننا ہے۔ یہ میرا ایمان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کے تعاون سے، افہام و تفہیم سے، اور صبر سے ہم ایک مضبو اور عظیم پاکستان بنائیں گے۔''

اگرچہ بے نظیر بھٹو اب کوئی عام خاتون نہیں تھیں، بلکہ ایک مُلک کے صدر کی بیٹی تھیں۔ وہ اب عام ''پنکی'' نہ تھی، بلکہ مِس ''پنکی بھٹو'' تھی، جسے ایک دنیا جانتی تھی۔ آج سے چند سال قبل جس پنکی کو ہاورڈ میں کوئی نہ جانتا تھا، آج وہ ہاورڈ کی ایک اہم ترین شخصیت تھی۔ لیکن ''بھٹو'' کی بیٹی بھٹو کے صدر بننے پر خُوش نہ تھی، اُس کا سر فخر سے بُلند نہ تھا، کیوں کہ ہر پاکستانی کی طرح بے نظیر بھٹو پاکستان کے ایک بازو کے کٹ جانے پر آزُردہ تھی۔ (بینظیر بیٹی سے قائد تک)

محترمہ بے نظیر بھٹو کی ایک تعلیم تو وہ تھی جسے ہم ادارہ جاتی تعلیم کہہ سکتے ہیں جو انہوں نے سکول سے لیکر امریکہ کی یونیورسٹیوں تک حاصل کی لیکن ایک تعلیم وہ بھی تھی جو وہ اپنے گھر کے انسٹی ٹیوٹ سے حاصل کرتی رہیں۔ میری مراد ذوالفقار علی بھٹو شہید کی طرف سے ان کی سیاسی امور پر تربیت کرنا تھی جو انہیں آنے والے سخت سیاسی حالات کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ دیتی تھی۔

کہتے ہیں ذوالفقار علی بھٹو شہید نے محترمہ بے نظیر بھٹو شہید کو اپنے طور پر حلف لیکر اپنی اس خصوصی کابینہ میں شامل کر رکھا تھا جس سے وہ تمام اہم فیصلے کرنے سے قبل مشاورت کیا کرتے تھے یوں محترمہ بے نظیر بھٹو شہید کو اپنی ابتدائی زندگی ہی میں امور مملکت چلانے اور سیکھنے کا موقع ملا۔ وزارتِ خارجہ کی اہم فائلیں محترمہ کو مطالعہ کے لیے فراہم کی جاتی تھیں۔ ذوالفقار علی بھٹو شہید امور مملکت پر مکمل کنٹرول رکھتے تھے' یوں کسی کی مجال نہ تھی کہ وہ محترمہ بے نظیر بھٹو شہید کو امور مملکت سے دور رکھنے کی بات کرتے۔ بھٹو شہید اپنی شہید بیٹی سے اہم سیاسی معاملات پر مشاورت بھی کرتے تھے' یوں زمانہ طالب علمی کے ساتھ ساتھ ایک تعلیم یہ بھی جاری تھی جس نے محترمہ بھٹو شہید کو بعد کے سخت سیاسی حالات کا مقابلہ کرنا سکھایا۔ کسے معلوم تھا قدرت کیا بندوبست کر رہی ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو شہید کر دیئے جائیں گے اور یہ تمام ذمہ داری محترمہ بے نظیر بھٹو کے کندھوں پر آ جائے گی۔

Marfat.com

بینظیر بھٹو شہید کی جمہوریت کے لیے جدوجہد

جب جنرل ضیاء الحق نے ذوالفقار علی بھٹو شہید کی منتخب اور عوامی حکومت پر شب خون مارا اور بھٹو شہید کو اپنی مکارانہ چالوں سے پھانسی سے دوچار کر دیا اور ملک میں ایک بے رحم مارشل لاء نافذ کر کے عوامی حقوق معطل کر دیئے اور سیاسی پارٹیوں پر پابندی لگا دی اس کے خلاف بینظیر بھٹو شہید نے ایم آر ڈی کے پلیٹ فارم سے دیگر سیاسی جماعتوں کے ساتھ مل کر بحالی جمہوریت کی جدوجہد شروع کی۔ سید غیور عباس بخاری اپنی کتاب ''بینظیر بیٹی سے قائد تک'' میں لکھتے ہیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی واحد سیاسی جماعت ہے' جس کو روزِ اول سے ہی مشکلات کا سامنا رہا ہے۔ جدوجہد اور صرف جدوجہد ہی پارٹی کا مرکز ومحور رہا ہے۔ اگرچہ اپنے قیام کے ابتدائی سالوں میں منعقدہ پہلے عام انتخابات میں مغربی پاکستان میں پارٹی نے واضح کامیابی حاصل کر لی تھی' لیکن پارٹی کو حکومت ایک سانحہ کے بعد ملی۔ مخالفین نے اس وقت بھی پیپلز پارٹی کو وطن دشمن ثابت کرنے کی کوشش کی' اور بھٹو شہید کی ذات کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ ابتدائی دور میں بغاوت کی کوششیں کی گئیں' لیکن اس وقت پارٹی کی قیادت مضبوط ہاتھوں میں تھی' اور بھٹو شہید کی اپنے مخالفین پر کڑی نگاہ تھی۔ 77ء کے انتخابات میں بھی پارٹی کو واضح کامیابی حاصل ہوئی' لیکن دھاندلی کے الزامات نے کامیابی کو دھندلا دیا' اور ضیا جیسے آمر مطلق نے عوام کے حقیقی نمائندوں کو معزول کر دیا۔ یہ دور پیپلز پارٹی کے لیے مشکلات کا دور تھا۔ پارٹی کو دیوار سے لگا دیا گیا۔ سیاسی سرگرمیوں پر پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ پارٹی کا نام لینے کی سزا ایک سال قید بامشقت اور دس کوڑے مقرر کی گئی' لیکن سلام ہے پارٹی کے جیالے ورکروں پر جنہوں نے ظلم کے اس دور میں بھی حق وصداقت کا پرچم تھامے رکھا' بھٹو شہید کی پھانسی ایسا سانحہ تھا جس سے پارٹی سے وابستہ ہر فرد متاثر ہوا' نہ صرف قومی سطح پر بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی اس واقعہ کی شدید مذمت کی گئی۔ والد کی پھانسی اور وہ بھی بھٹو جیسا عظیم باپ ایسا سانحہ تھا جس نے بےنظیر کو حد درجہ متاثر کیا۔ یقیناً کسی بھی بیٹی کے لیے باپ کی پھانسی

Marfat.com

کوئی معمولی واقعہ نہیں ہوتا۔ اس اعتبار سے تو بے نظیر بھٹو کو چاہیے تھا کہ وہ پارٹی کی قیادت چھوڑ کر کسی دوسرے ملک میں پرسکون رہائش اختیار کر لیتیں' لیکن بے نظیر کو اپنے والد کی خواہش کا احترام تھا۔ دوسری طرف عوام کی قربانیاں تھیں' یہی وجہ تھی کہ بے نظیر نے قائد کا راستہ اپنایا۔ جدوجہد کے راستے کو اپنی منزل قرار دیا۔ جدوجہد عوام کے حقوق کے لیے جمہوریت کی بحالی کے لیے اور عوام کے مسائل کے حل کے لیے یہی وجہ ہے کہ بھٹو کی شہادت کے بعد محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنی مخالف جماعتوں کے ساتھ مل کر حکومت کے خلاف بحالی جمہوریت کی تحریک شروع کی۔ یاد رہے کہ یہ تحریک ایسے دور میں چلائی گئی' جب سیاسی سرگرمیوں پر مکمل پابندی تھی۔ تحریک بحالی جمہوریت پاکستان کی سیاسی تاریخ میں دو حوالوں سے منفرد حیثیت رکھتی ہے' ایک تو یہ پاکستان کی سیاسی تاریخ کی طویل ترین تحریک تھی اور دوسرے اس تحریک میں شامل پارٹیاں شدید نظریاتی اختلاف رکھتی تھیں۔ یوں ایم آر ڈی کے خمیر میں زیادہ حصہ حالات کا تھا' ورنہ نہ تو بے نظیر بھٹو ذہنی طور پر بھٹو مخالف عناصر کے ساتھ اتحاد کے لیے تیار تھیں' اور نہ ہی پاکستان پیپلز پارٹی کے ورکر اس اتحاد پر خوش تھے۔ ایسے میں بے نظیر پر دہری ذمہ داری عائد ہوتی تھی کہ ایک طرف تو انہیں پارٹی کے کارکنان کے اعتماد کو برقرار رکھنا تھا اور دوسری طرف حکومت کے خلاف کھولے گئے محاذ کی قیادت کرنا تھی۔ یاد رہے کہ آزمائش کے اس دور میں پیپلز پارٹی کے رہنماؤں کی خاصی بڑی تعداد نے حکومتی مظالم سے تنگ آکر مارشل لاء حکام کو تحریری طور پر لکھ کر دے دیا تھا کہ ان کا پارٹی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ ان میں بڑی تعداد میں ایسے ورکر بھی تھے جو ذہنی اور نظریاتی طور پر پیپلز پارٹی کے ساتھ وابستہ تھے' لیکن وہ مارشل لائی ظلم وستم سے مایوس ہو گئے' لیکن اس کے باوجود ان کی دلی ہمدردیاں پیپلز پارٹی کے ساتھ تھیں۔ ایم آر ڈی میں محترمہ بے نظیر بھٹو اور نصرت بھٹو کے علاوہ نوابزادہ نصر اللہ خاں مرحوم' مولانا فضل الرحمٰن' اصغر خان' غلام مصطفیٰ جتوئی' ملک قاسم اور خان عبدالولی خان جیسی بلند پایہ شخصیات موجود تھیں' لیکن حقیقی اور عوامی قائد صرف محترمہ بینظیر بھٹو ہی تھیں۔ ایم آر ڈی میں شمولیت بھٹو مخالف جماعتوں کی مجبوری تھی کہ ''سٹریٹ پاور'' صرف اور صرف محترمہ بے نظیر بھٹو کے پاس تھی اور وہی عوام میں گہرا اثر ورسوخ رکھتی تھیں۔ آنے والے وقت نے ثابت کر دیا کہ پیپلز پارٹی ہی حقیقی طور پر عوامی پارٹی ہے' محترمہ بے نظیر کی طویل سیاسی جدوجہد میں ایم آر ڈی کی تحریک کو مرکزی

Marfat.com

حیثیت حاصل ہے اور بے نظیر کے سیاسی مستقبل پر اس تحریک کے گہرے اثرات ہیں۔

1980ء میں بیگم نصرت بھٹو کا اپنی پارٹی کے لیڈروں کے علاوہ کسی بھی سیاسی جماعت کے رہنما سے براہِ راست کوئی رابطہ نہ تھا۔ ان دنوں پیار علی الانہ ان سے اکثر ملاقات کرتا تھا۔ وہ مجھے بتاتی تھیں کہ فلاں پارٹی کے لیڈر کا ملک کی موجودہ سیاسی صورتِ حال پر یہ نقطہ نظر ہے فلاں کی نظر میں موجودہ حالات سے نکلنے کا طریقہ کار یہ ہے۔ اس دوران میں بیگم بھٹو نے ان خیالات کا بھی اظہار کیا کہ پاکستان پیپلز پارٹی کے بھی دوسری سیاسی جماعتوں سے رابطے ہونے چاہئیں۔

وہ مزید کہتے ہیں کہ ایک عرصے بعد بیگم نصرت بھٹو نے کچھ سوچنے کے بعد جواب دیا کہ:

مولانا صاحب! آپ دیکھیں ملک میں زیادہ تر سیاسی جماعتیں وہ ہیں جو پی این اے میں شامل ہیں، جنہوں نے مارشل لاء لگوانے میں اہم کردار ادا کیا۔ احتساب کا مطالبہ کیا، اور جب ذوالفقار علی بھٹو پر چارج مکمل نہیں ہوا تھا تب وہ کہتے تھے کہ بھٹو کو سزا ملنی چاہئے ایسے لوگوں کے ساتھ ہم کیسے مذاکرات کریں؟ کیسے رابطے کریں؟ اس موقع پر انہوں نے (پیار علی الانہ نے) کہا کہ محترمہ! آپ ذوالفقار علی بھٹو کی بیوہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سیاسی پارٹی کی سربراہ بھی ہیں، آپ چاہتی ہیں کہ یہ ملک سلامت رہے، آئین بحال رہے، تو سیاسی فیصلہ بھی آپ کو کرنا ہے۔

(ایم آر ڈی کی کامیابیاں، خامیاں۔ الیس شاکر، ص: 12،13)

اس موقع پر بیگم بھٹو نے کہا کہ اگر ملک کی خاطر یہ ضروری ہے تو میں تیار ہوں۔

اس دوران میں مجوزہ اتحاد کے لیے کوششیں اور مذاکرات جاری رہے، لیکن سابق تلخیوں کے باعث معاملات میں کوئی بڑی پیش رفت نہ ہوئی البتہ سیاست پر طاری جمود میں کمی واقع ہوئی اور سیاست دانوں نے آپس میں ملنا جلنا شروع کر دیا لیکن اتحاد کی منزل ابھی دور تھی۔ اس حوالے سے پیار علی الانہ کہتے ہیں:

پیر پگاڑہ سے چند ملاقاتوں کے بعد ہمارے بہت سے رفقا کو اندازہ ہو گیا کہ وہ اتحاد کے سلسلے میں زیادہ پرجوش نہیں ہیں۔ پیر پگاڑہ کو بھی یہ اندیشہ تھا کہ اگر ملک میں کوئی نیا سیاسی اتحاد بن گیا تو اس سے بھٹو خاندان کی اہمیت میں اضافہ ہو جائے گا۔ اس لیے وہ اتحاد سے گریزاں تھے۔ جب کہ میرے اس خیال سے مستقبل کا مورخ بھی اتفاق کرے گا کہ بیگم بھٹو اور بے نظیر نے ملک کی خاطر چاروں صوبوں کو متحد رکھنے

Marfat.com

کے لیے بڑی قربانی یہ دی کہ انہوں نے ایم آر ڈی کے قیام میں پیش قدمی کی' جس کی وجہ سے ملک میں زبردست سیاسی بیداری پیدا ہوئی۔

حقیقت یہ ہے کہ ایم آر ڈی کا قیام پاکستان کی سیاسی تاریخ میں ایک معجزے کی حیثیت رکھتا تھا کہ اس اتحاد میں ایسی پارٹیاں شامل تھیں' جو شدید ترین نظریاتی اختلافات رکھتی تھیں۔ پھر اس اتحاد (اتحاد برائے بحالی جمہوریت) کا آغاز ایسے وقت میں ہوا جب ملک میں جمہوریت کا نام لینا جرم تھا اور مارشل لاء کے سایوں نے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ایم آر ڈی کا قیام اس اعتبار سے مثبت اقدام تھا کہ اس اتحاد نے عوام کے حق میں' جمہوریت کی بحالی اور 1973ء کے آئین کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا' یقیناً ایم آر ڈی کا قیام اس اعتبار سے خوش آئند تھا کہ حکومتی جبر کے خلاف جدوجہد کے لیے کوئی پلیٹ فارم تو میسر آیا۔ آگے چل کر ایم آر ڈی کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور کن مراحل سے گزرنا پڑا یہ ایک علیحدہ کہانی ہے لیکن یہ بات طے ہے کہ اس تحریک کے پنپنے میں بھی پیپلز پارٹی کی قربانیوں کا بڑا حصہ ہے' اول تو اس دور میں پیپلز پارٹی پر خصوصاً اور جمہوری قوتوں پر بالعموم جو ظلم وستم ڈھائے گئے۔ پاکستان کی تاریخ میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ ایسے میں جمہوری جدوجہد میں حصہ لینا ہر کسی کے بس کا روگ نہ تھا' پھر اس دور میں پیپلز پارٹی کا نام لینا ہی سب سے بڑا جرم تھا۔ پیپلز پارٹی کی مخالف جماعتوں کی اکثریت مارشل لاء کے ساتھ تھی' اور سابق قومی اتحاد کی پارٹیوں کو حکومت میں نمائندگی حاصل تھی' لیکن بعد ازاں جب ان کو غلطی کا احساس ہوا تو وہ بھی جمہوری جدوجہد میں شریک ہوگئیں۔ تحریک کے اولین دور میں تحریک بحالی جمہوریت نے جمہوری قوتوں کی حمایت حاصل کرنے کے لیے بھرپور کوششیں کیں' اور حزب اختلاف کی قابل ذکر پارٹیوں کو اتحاد میں شامل کرلیا گیا۔ حکومت سے ناراض پارٹیوں کو بھی جمہوری جدوجہد میں شامل کرلیا گیا۔ یہ دور جمہوری قوتوں کے لیے کس قدر تلخ تھا' اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ پورے پاکستان میں پیپلز پارٹی کا شاید ہی کوئی ایسا عہدیدار ہوگا جو خود یا اس کے گھر کا کوئی فرد جیل میں نہ ہو۔ تشدد اور ظلم و

Marfat.com

جبر کے وہ ذرائع استعمال کیے گئے کہ جس سے ہٹلر بھی شرما جائے' مخالفوں کو کوڑوں کی سزا دی گئی۔ درجہ اول کی قیادت کو قید تنہائی اور شاہی قلعہ کی عقوبتوں کو برداشت کرنا پڑا' لیکن صد آفرین ہے کہ جمہوری قوتوں کو جتنا زیادہ دبایا گیا' انہوں نے اتنی ہی قوت اور جوش سے بحالی جمہوریت کے لیے جدوجہد کو جاری رکھا' اور بحالی جمہوریت کی تحریک کو پروان چڑھایا۔ تاہم حالات کے تقاضوں کے باعث تحریک کو جو کامیابی صوبہ سندھ میں ملی' وہ ملک کے دوسرے حصوں میں نہ ملی اگر اس وقت صوبہ پنجاب بھی تحریک میں شریک ہو جاتا تو شاید پاکستان کی تاریخ مختلف ہوتی' لیکن اس امر میں بھی شبہ نہیں کہ تحریک کے اثرات ملک کے دیگر حصوں پر بھی پڑے۔

پروفیسر ساجد حسن اپنی کتاب ''بھٹو' ضیاء اور بے نظیر'' میں رقمطراز ہیں:

''اس دور میں جمہوری قوتوں کی واضح صف بندی ہوئی۔ جبر و بندش کے حالات کے باوجود جمہوری قوتوں نے حتی الوسع مزاحمت کی۔ اگست 83ء کی ملک گیر جمہوری تحریک چار پانچ ماہ جاری رہی' جس میں سیاسی جمہوری عناصر نے سرگرمی سے حصہ لیا' تاہم ماسوائے سندھی عوام کے دیگر صوبوں میں عوام کا کوئی بڑا سیکشن اس جدوجہد میں شامل نہ ہو سکا' جب کہ بلوچوں کے صرف ایک عنصر نے اس تحریک میں حصہ لیا۔ گو جمہوری تحریک کی قیادت زمیندار بورژوازی اور متوسط پرتوں کے پاس تھی۔ تاہم سندھ کے خصوصاً دیہی عوام کی ملی ٹنٹ شرکت کے نتائج سے خوف زدہ ہو کر زمیندار بورژوازی تذبذب کا شکار ہو کر پیچھے ہٹ گئی''۔

وہ مزید کہتے ہیں:

1983ء کی تحریک سندھی عوام کی جمہوریت سے وابستگی اور قومی حقوق کے حصول کے لیے جدوجہد کی عظیم مثال تھی۔

ظلم و ستم کے اس دور میں جمہوریت کی بحالی کی یہ کوشش عوام کے جمہوریت سے لگاؤ کی عکاس تھیں۔ پاکستان کے عوام خصوصاً سندھ کے عوام نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سندھ کے چھوٹے چھوٹے شہروں میں تحریک کی شدت زوروں پر تھی سندھ کے جمہوریت پسند عوام نے فوجی حکومت کو ناکوں چنے چبوائے۔ اس مرحلے پر

Marfat.com

ایسا محسوس ہونے لگا کہ تحریک اپنے مقاصد کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی، لیکن ایسا ممکن نہ ہو سکا۔

ایم آر ڈی کے سیکریٹری جنرل خواجہ خیر الدین اس حوالے سے کہتے ہیں: ایم آر ڈی کی تحریک نے سندھ میں کافی زور پکڑا۔ ہم سندھ کی بات اس لیے کرتے ہیں کہ وہاں جا سکتے تھے، وہاں کے عوام سے ہمارا رابطہ تھا۔ باقی صوبوں میں ہم نہیں جا سکتے تھے، اس لیے وہاں پر ہماری تحریک میں وہ جوش و خروش نہیں تھا، جو سندھ میں دیکھنے میں آیا۔ ہماری تحریک کا مقصد ملک میں جمہوریت کی بحالی تھا۔ ہمارا مقصد توڑ پھوڑ اور لوٹ مار نہ تھا۔ مہاتما گاندھی نے بھی تو پر امن لانگ مارچ کیا تھا۔ بہر حال ایم آر ڈی کافی بڑی تحریک تھی۔

وہ مزید کہتے ہیں:

سندھ کے متعدد حصوں میں عوام نے جوش و خروش اور ولولے کا مظاہرہ کیا اور قربانیاں دیں۔ لیکن باقی ملک ان کے تھکنے کا انتظار کرتا رہا۔ یہ سب سیاسی سوجھ بوجھ کی کمی کا نتیجہ تھا۔

اس حوالے سے سندھ کے سابق گورنر ایس ایم عباسی کہتے ہیں:

ایم آر ڈی کی تحریک اصل میں جمہوریت کی بحالی کی تحریک تھی، اور اس کا مقصد اپنے مطالبات منوانے کے لیے رضا کارانہ طور پر گرفتاریاں پیش کرنا تھا لیکن بعد میں توڑ پھوڑ اور تشدد کی کارروائیوں کا عنصر بھی اس میں شامل ہو گیا۔

بے نظیر بھٹو کے حوالے سے انہوں نے کہا:

کہ مس بے نظیر بھٹو کے ملک سے باہر جانے کا فیصلہ چھ ماہ قبل ہو چکا تھا۔ اگر ایم آر ڈی کی تحریک شروع نہ ہوتی تو بے نظیر بھٹو بہت پہلے ملک سے باہر چلی جاتیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایم آر ڈی تحریک کی وجہ سے ان کا بیرون ملک جانے کا پروگرام مؤخر ہوا۔

انہوں نے بیرون ملک جانے کے سلسلے میں بے نظیر کے حکومت کے ساتھ کسی بھی معاہدے کی تردید کی۔

تحریک کے عروج پر سندھ میں ہزاروں کارکنوں کو ظلم و ستم اور جبر و تشدد کے ذریعے

Marfat.com

موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ پنجاب سے ہزاروں افراد کو گرفتار کر کے جیلوں میں ڈال دیا گیا۔ سرحد میں بھی طاقت کے ذریعے سے تحریک کو دبا دیا گیا۔ اخبارات پر سنسر شپ کے باعث عوام کو تحریک کی شدت کا صحیح اندازہ نہ ہو سکا۔ حالانکہ اندرونِ سندھ صورت حال یہ تھی کہ بیشتر علاقوں میں حالات قانون نافذ کرنے والے اداروں کے بس سے باہر ہو گئے۔ کئی مواقع پر نہتے عوام کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ حد یہ ہے کہ عید کے روز بھی احتجاج کا سلسلہ جاری رہا' تحریک کی شدت کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

''مورو باندھی روڈ پر مورو سے چودہ میل کے فاصلے پر آبادکاروں کا ایک گاؤں موناڑو ہے' جسے گوٹھ جالندھیاں بھی کہا جاتا ہے۔ عید کے دن موناڑو کا گھیراؤ کیا گیا' اور قانون نافذ کرنے والے ادارے کے ایک رکن کا سر پھاڑ دیا گیا تھا' جو عید منانے کے لیے اپنے گاؤں آیا ہوا تھا۔ بعد میں گاؤں کے لوگوں نے فائرنگ کر کے شرپسندوں کو بھگا دیا تھا۔''

بدقسمتی سے اس طویل سیاسی جدوجہد کے ثمرات سے ملک صحیح طور پر بہرہ ور نہ ہو سکا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کا سب سے زیادہ نقصان پاکستان پیپلز پارٹی کو پہنچا کہ اس تحریک میں بڑا کردار اور عوامی حمایت پاکستان پیپلز پارٹی کو ہی حاصل تھی۔ فوجی حکومت کے ظلم و ستم بعض غیر جمہوری قوتوں کی حکومت کے لیے حمایت' اور سخت مارشل لائی ضابطوں نے تحریک کی شدت پر اثر ڈالا' لیکن حکومت پر یہ واضح ہو گیا کہ اب عوام کو حکومت میں شامل کیے بغیر چارہ نہیں۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لیے ''استصواب رائے' اور غیر جماعتی انتخابات کا ڈھونگ رچایا گیا۔

اس حوالے سے پروفیسر ساجد لکھتے ہیں:

1983ء کی تحریک یہ ظاہر کرتی تھی کہ سماج میں ایسی جمہوری قوتیں وجود میں آ گئی ہیں باوجود یہ کہ وہ طاقت کا توازن بدلنے کی پوزیشن میں نہیں' اور عوام میں جمود اور بے یقینی تھی لیکن اب فوجی جنتا کے لیے سویلین شرکت کو بڑھائے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ یہ بھی تبھی ممکن ہو سکا جب سیاست اور سیاسی جماعتوں پر مسلسل پابندیوں' دوسرے بلدیاتی انتخابات اور 83ء کی جمہوری تحریک کو پورے ملک کے عوام کو متحرک نہ کر سکنے کے باعث ناکامی کے بعد چیف آف آرمی سٹاف کو ایسے ریفرنڈم کا سہارا لینا پڑا' جس میں کل سات فی صد ووٹ

Marfat.com

پڑے اور اسلام کے نام پر جنرل ضیاء کے عہدہ صدارت کی توثیق کروائی گئی۔

ایم آر ڈی کے عروج کے زمانے میں حکومت نے اس اتحاد کو ناکام بنانے کے لیے آمرانہ مارشل لائی ضابطوں کا سہارا لیا۔ سندھ میں بڑی تعداد میں ہلاکتوں کے بعد قوم کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے لسانی اور گروہی معاملات کو ہوا دی گئی' اس دور میں سندھی' اردو' مہاجر اور زبان کے مسائل کو ابھارا گیا' اور مختلف گروپوں کے تعاون سے پیپلز پارٹی کو بدنام کرنے کی کوششیں کی گئیں' اور پیپلز پارٹی پر الزام عائد کیا گیا کہ وہ سندھی قومیت کو فروغ دے رہی ہے۔ حالانکہ یہ تمام تر پروپیگنڈا حکومتی ایجنٹوں کے ذریعے ہو رہا تھا۔ عبدالغفور اعوان ''منتخب وزرائے اعظم کی برطرفی'' میں لکھتے ہیں:

ایم آر ڈی کی تحریک کو غیر مؤثر بنانے کے لیے فوجی حکومت نے ملک کو درپیش خطرات کا وسیع پیمانے پر پروپیگنڈا کیا' تاکہ عوام کی توجہ اندرونی معاملات سے ہٹ جائے۔

وہ مزید کہتے ہیں:

اس تحریک نے سندھ کی سیاست پر منفی اثرات مرتب کیے' اور لسانی سیاست نے جنم لیا اور صوبائی تعصب کی جڑیں گہری ہوگئیں۔

فوجی حکومت نے تحریک کا راستہ روکنے کے لیے تشدد اور آمرانہ ہتھکنڈوں کا راستہ اپنایا۔ اخبارات پر سنسر شپ عائد کر دی گئی۔ حکومت کی مرضی کے بغیر خبر لگانا جرم قرار پایا' بڑی تعداد میں اخبارات و جرائد کو بند کر دیا گیا۔ سندھ میں ہونے والے پرتشدد واقعات کی تشہیر پر مکمل پابندی عائد کر دی گئی۔ حکومت کے خلاف پوسٹر پمفلٹ چھاپنے پر کئی پرنٹروں اور پبلشروں کو بھاری جرمانے کیے گئے اور چھاپے خانے بند کر دیے گئے۔ ایم آر ڈی کے رہنماؤں پر کڑی نگاہ رکھی جاتی تھی' اور ان کی نقل و حرکت کو محدود کر دیا گیا۔ بڑی تعداد میں کارکنان کو قید و بند کی سزائیں دی گئیں۔ ان سزاؤں کے خلاف کسی عدالت میں چارہ جوئی نہ ہوسکتی تھی اور نہ ہی اپیل کا موقع دیا گیا تھا' ایک مارشل لائی ضابطے کے تحت عدلیہ کے اختیارات محدود کر دیے گئے تھے۔ حکومتی جبر و تشدد کے ذریعے تحریک کو وقتی طور پر دبا لیا گیا' لیکن کسی نہ کسی طور پر تحریک جاری رہی' جس کے نتیجے میں ریفرنڈم اور پھر انتخابات کا ڈھونگ رچانا پڑا۔ اس حوالے سے عبدالغفور اعوان لکھتے ہیں:

Marfat.com

اگرچہ ایم آر ڈی کی تحریک آٹھ سالہ طویل جدوجہد کے دوران میں اپنے مقاصد واضح طور پر حاصل نہ کر سکی۔ تاہم یہ اس کی مسلسل کوششوں اور دباؤ کا نتیجہ تھا کہ صدر ضیاء کو اپنے اقتدار کو قانونی شکل دینے کے لیے 1984ء میں ریفرنڈم کروانا پڑا' پھر سول حکومت کے قیام کے لیے انہوں نے 1985ء میں غیر جماعتی انتخابات کروائے اور بعد ازاں آٹھویں ترمیم کے ساتھ 1973ء کا آئین بحال کیا۔

ایم آر ڈی کی تحریک اور عوامی دباؤ کے پیش نظر غیر جماعتی بنیادوں پر کروائے گئے انتخابات میں پیپلز پارٹی اور دیگر جمہوری قوتوں نے اصولی اختلافات کے پیش نظر انتخابات میں حصہ نہ لیا' جس کے نتیجے میں ایک غیر حقیقی پارلیمنٹ وجود میں آئی جس میں اکثریت صنعت کاروں' سرمایہ داروں' زمینداروں' جاگیرداروں اور بورژوا طبقے کی تھی اور سابق مجلس شوریٰ کے اراکین بھی بڑی تعداد میں شامل تھے۔ بدقسمتی سے ملک کی حقیقی عوامی طاقت کے نمائندے پارلیمنٹ میں موجود نہ تھے۔ پیپلز پارٹی غیر جمہوری طریقے سے منعقد کیے گئے کسی بھی انتخابی عمل میں حصہ لینے کو تیار نہ تھی' تاہم عوام کی اکثریت نے انتخابات میں حصہ لیا' جس کا نقصان پیپلز پارٹی جمہوری قوتوں کو پہنچا۔ اگرچہ انتخابات کا عمل جمہوری قوتوں کی مسلسل کوششوں کے باعث ممکن ہوسکا۔ لیکن اس سے بالواسطہ فائدہ حکومت کو پہنچا' کیوں کہ غیر جمہوری قوتیں جمہوریت کا لبادہ اوڑھ کر اسمبلی میں پہنچ گئیں۔ پروفیسر ساجد حسن اپنی کتاب میں رقمطراز ہیں:

> یوں سول لائزیشن کے عمل نے آٹھ سال کے خالص فوجی راج کے بعد ضیاء الحق کی نیو بونا پارٹسٹ آمرانہ حکومت کو ری پبلکن باز و فراہم کر دیا' جو پیدا بھی اس شرط پر ہوا تھا کہ آٹھویں ترمیم کے ناتے اپنے پروانہ موت پر دستخط کر دے۔

ایم آر ڈی اپنے مقاصد میں کس قدر کامیاب ہوئی' یہ کہنا مشکل ہے' کامیابی اور ناکامی کا فیصلہ حالات کے تناظر میں اور مقاصد کے اعتبار سے ہوتا ہے' اس سلسلے میں ایم آر ڈی کی حمایت اور مخالفت میں دونوں آرا موجود ہیں۔ نتائج کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ایم آر ڈی کو کامیاب تحریک قرار دینا مشکل ہے' لیکن اس امر میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ انتخابات 85ء کا ڈرامہ صرف اور صرف ایم آر ڈی کے دباؤ کا نتیجہ تھا' اس اعتبار سے ایم آر ڈی ایک کامیاب تحریک تھی' ''ایم آر ڈی (ناکامیاں کامیابیاں)'' میں الیاس شاکر کہتے ہیں:

Marfat.com

''ایم آر ڈی کی 14 اگست سے شروع ہونے والی سول نافرمانی کی تحریک کے بے مقصد ہو جانے پر مختلف الخیال دانشوروں اور سیاسی کارکنوں سے رابطہ قائم کیا گیا' تو انہوں نے متضاد اور مختلف اسباب بیان کیے۔ کچھ کا کہنا تھا کہ سول نافرمانی کی تحریک سرے سے تحریک ہی نہ تھی' اور اس کے چلانے والے تحریک چلانے کی صلاحیت کا بھرپور اظہار نہ کر سکے' جب کہ بعض افراد نے کہا کہ تحریک اپنے مقاصد کے اعتبار سے کامیاب رہی ہے' اور اس کے نتیجہ میں جمہوریت کی خواہش میں اضافہ ہوا' مارشل لاء کمزور ہوا اور عوام کو سوچ ملا' ایک پرجوش دانشور نے طویل تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ ایم آر ڈی کا جزو اعظم پی پی پی تھی' اور پی پی پی کے دوسرے نقاب کا نام ایم آر ڈی تھا''۔

وہ مزید لکھتے ہیں:

''اس کے برخلاف ایک تاجر نے کہا کہ انہوں نے ایم آر ڈی کی تحریک میں کوئی فعال کردار اس لیے ادا نہیں کیا کہ انہیں موجودہ حکومت سے کوئی شکایت نہیں تھی' جب کہ ایم آر ڈی کے ہم خیال افراد کا کہنا تھا کہ ایم آر ڈی نے ایک سوچ کو جنم دیا ہے' ایم آر ڈی نے کامیابی حاصل نہیں کی' بلکہ کامیابی کے دروازے تک قوم کی رہنمائی کر دی ہے''۔

ایم آر ڈی کی طویل جدوجہد میں پیپلز پارٹی کو کس قدر کامیابی ہوئی' یہ تو ایک علیحدہ سوال ہے۔ البتہ یہ طے ہے کہ ایم آر ڈی کی جدوجہد میں مرکزی کردار پاکستان پیپلز پارٹی اور بینظیر بھٹو کا رہا۔ بے نظیر سمیت ایم آر ڈی اور خصوصاً پیپلز پارٹی کی اعلیٰ قیادت اور لاکھوں کی تعداد میں کارکنان نے جیل کاٹی۔ اس مشکل دور میں بے نظیر نے چومکھی لڑائی لڑی۔ ایم آر ڈی میں شامل حکومتی ایجنٹوں اور کالی بھیڑوں کے ساتھ ساتھ انہیں حکومتی ہتھکنڈوں اور چیرہ دستیوں سے بھی مقابلہ کرنا تھا' اگرچہ اپنوں کی بے وفائیوں اور غیروں کی ریشہ دوانیوں کے باعث یہ اتحاد مکمل کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکا' تاہم ملک میں نیم سول حکومت کا قیام ایم آر ڈی کی طویل اور صبر آزما جدوجہد کا نتیجہ قرار پایا۔ قاضی عبدالغفار کی جانب سے دیے گئے ایک استقبالیے سے خطاب کرتے ہوئے محترمہ بے نظیر بھٹو نے فرمایا:

1977ء سے ہی پاکستان پیپلز پارٹی اور اس کی تحریک برائے بحالی جمہوریت ہر آن

Marfat.com

کوشش کرتی رہی کہ فوجی حکومت کا خاتمہ ہو اور پاکستان کے عوام کے لیے جمہوریت کا سورج پھر سے طلوع ہو مگر جب عوام کے صبر و تحمل کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور فوجی استحصالی حکومت ہر طرف بدنام ہوئی تو جنرل ضیا نے دھوکہ دینے کے لیے ایک غیر جمہوری حکومت کے قیام کا ڈھونگ رچایا' تا کہ جان بلب مریض کو صدارت کے لیے چند سال اور مل جائیں"۔

اس دور میں محترمہ بے نظیر بھٹو کی قائدانہ صلاحیتیں کھل کر سامنے آئیں' جدوجہد اور احتجاج کی سیاست نے عروج پایا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے ناتجربہ کاری کے باوجود تحریک کی کامیابی کے لیے انتھک جدوجہد کی' اور ایک مدبر' متحمل اور عوامی سیاست دان کے کردار کا مظاہرہ کرتے ہوئے ضیائی ہتھکنڈوں کا بڑی پامردی اور دلجمعی سے مقابلہ کیا۔ (بینظیر بیٹی سے قائد تک)

ایم آر ڈی نے عوامی حقوق' انتخابات اور آئین بحال کرانے سمیت جتنے بھی مطالبات کیے ضیاء الحق نے ہمیشہ فیصلے اس کے الٹ دیے مثلاً ایم آر ڈی نے مطالبہ کیا کہ ملک کے اندر پارلیمانی نظام حکومت عوامی نمائندوں کے ذریعے رائج کیا جائے۔ جس کے جواب میں ضیاء الحق نے اسلامی نظریاتی کونسل کی مدد سے صدارتی نظام حکومت کے حق میں فتویٰ حاصل کر لیا اور انہیں ایسے مولوی بھی مل گئے جنہوں نے ان کے مارشل لاء کو بھی اسلامی جواز فراہم کیا۔ ایم آر ڈی نے عام انتخابات کا مطالبہ کیا تو ضیاء الحق نے کہا: "اسمبلیاں میری جیب میں ہیں میں جب چاہوں گا انتخابات اسی وقت ہوں گے" ایم آر ڈی نے مطالبہ کیا کہ 1973ء کا آئین بحال کیا جائے تو ضیاء الحق نے کہا' کہ آئین چند صفحات کا پلندہ ہے اگر میں اسے پھاڑ دوں تو سیاستدان دم ہلاتے چلے آئیں۔ جب ایم آر ڈی نے جماعتی بنیادوں پر انتخابات کا مطالبہ کیا تو ضیاء الحق نے کہا انتخابات غیر جماعتی ہوں گے۔ جب ایم آر ڈی نے ضیاء الحق کو کہا کہ وردی اتارو تو ضیاء الحق نے کہا میری اصل طاقت وردی میں ہے۔ الغرض ضیاء الحق نے ہمیشہ عوامی مفادات کے خلاف فیصلے کیے اور عوام کو گمراہ کرنے کی کوششیں کیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایم آر ڈی ضیاء الحق کے مقابلہ میں ایک مکمل کامیابی حاصل نہیں کر سکی لیکن عوام کو کامیابی کی دہلیز تک لے آئی۔ اور یہ محترمہ بینظیر بھٹو شہید اور ان کے کارکنوں کی بدولت ممکن ہوا۔

Marfat.com

بینظیر بھٹو شہید کا بے نظیر استقبال

25 فروری 1985ء کو قومی اور 28 فروری 1985ء کو پورے ملک میں صوبائی انتخابات منعقد ہوئے جو غیر جماعتی کہلاتے ہیں۔ یہ غیر جماعتی انتخابات دراصل ضیاء الحق کی ایک سیاسی چال تھی' وہ پاکستان پیپلز پارٹی کو اقتدار سے باہر رکھنا چاہتا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ پاکستان پیپلز پارٹی عوام اور جمہور کی پارٹی ہے اگر جماعتی الیکشن کروائے گئے تو اس پارٹی کو ایوان سے باہر نہیں رکھا جاسکے گا کیونکہ عوام ووٹ کی قوت سے اپنی بات منوا لیں گے لہٰذا اس نے غیر جماعتی الیکشن کا ڈھونگ رچایا اور پاکستان پیپلز پارٹی نے اس الیکشن کا بائیکاٹ کر دیا کیونکہ یہ الیکشن بے چہرہ تھا اور جمہوریت کو بدنام کرنے کی ایک سازش تھی۔ ضیاء الحق کو جماعت اسلامی جیسی جماعتوں کی حمایت حاصل تھی' اس لیے وہ اسلام کا نام بھی لیتا تھا اور عوام کو ان کے حقوق سے محروم بھی کرتا تھا۔ الیکشن ہوئے تو ضیاء الحق کی کابینہ کے اکثر ارکان بری طرح ناکام ہوگئے اور کچھ نئے نام سامنے آئے۔ نئے انتخابات کے بعد سندھ کے محمد خاں جونیجو کو وزیراعظم بنایا گیا۔ ''بینظیر بیٹی سے قائد تک'' کے مصنف لکھتے ہیں:

85ء کے غیر جماعتی انتخابات کے بعد محمد خان جونیجو کو ملک کا وزیراعظم بنادیا گیا۔ مقام افسوس ہے کہ اپنے ہاتھ سے بنائے گئے اس کٹھ پتلی وزیراعظم کو بھی صدر پاکستان برداشت نہ کر سکے' اور تھوڑے عرصے بعد ان کو بھی معزول کر دیا' لیکن محمد خان جونیجو اپنی تمام تر مجبوریوں کے باوجود چند ایسے کام کر گئے جو ان کو تاریخ میں زندہ رکھیں گے۔ ان میں سے ایک کام محترمہ بے نظیر بھٹو کی وطن واپسی کا تھا' غالباً یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں ہونا چاہئے کہ محمد خان جونیجو کے دور کی دو اہم خبریں تھیں' ایک ان کی بطور وزیراعظم معزولی اور دوسری محترمہ بے نظیر بھٹو کی وطن واپسی۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کی واپسی کا اعلان کیا گیا تو عوام کو اس کا یقین ہی نہ آیا' کیونکہ وسیع طبقے کی رائے یہ تھی کہ بے نظیر بھٹو کو کم از کم ضیاء کی صدارت میں وطن واپس نہیں آنا چاہئے لیکن حالات کے تلخ تھپیڑوں اور جیل کی تلخیوں نے بے نظیر کو اتنا طاقتور بنا دیا تھا کہ وہ مارشل لائی ظلم وستم کو سہنے کے لیے ذہنی طور پر تیار ہوگئی تھیں' یا پھر دھرتی ماتا اپنی بیٹی کے لیے اداس ہوگئی تھی۔ محترمہ

Marfat.com

بے نظیر بھٹو اپنی واپسی کے پروگرام کا اظہار کرتے ہوئے کہتی ہیں:

''میں گھر واپس جانے کا سوچ رہی ہوں۔ میں نے جنوری 86ء میں باربیکن میں پی پی پی کے سرگرم کارکنوں کے اجتماع میں اظہارِ خیال کیا' جب میں فرانس سے واپس لندن پہنچی تو انہوں نے مجھے پر امید نگاہوں سے دیکھا' نہ جانتے ہوئے کہ میرے دل میں کیا ہے۔ میں شاید لاہور یا پشاور پہنچوں گی میں نے اپنی بات جاری رکھی' ان کے چہرے روشن ہو گئے گھر کا مطلب 70 کلفٹن نہیں تھا'' گھر'' کا مطلب پاکستان کا طول وعرض تھا۔ ضیا کے لیے پی پی پی کا چیلنج شروع ہونے والا تھا''۔

وہ مزید لکھتی ہیں:

ہم نے صحیح وقت کا انتخاب کیا تھا۔ ضیا کی مارشل لاء کے اٹھا لیے جانے کی لاف زنی کو دیکھتے ہوئے ہم حکومت کو مجبور کر سکتے تھے' اور نئی آزادی کے دعوؤں کی آزمائش بھی ہو سکتی تھی اگر ضیا نے واپسی پر مجھے گرفتار کیا تو اس کی جمہوریت کا بھانڈا بیچ چوراہے کے پھوٹ جائے گا اور اگر گرفتار نہ کیا تو پچھلے نو سالوں میں پہلی مرتبہ پی پی پی اپنا پیغام لوگوں تک پہنچانے میں کامیاب ہو گی۔ نفسیاتی طور پر بھی مجھے وہ وقت مبارک محسوس ہوتا تھا دو آمروں کو تازہ تازہ شکست کا سامنا تھا' ایک فلپائن کا مارکوس اور دوسرا ہیٹی کا پاپا ڈوک ڈووالیئر' تیسرے آمر کا وقت آ پہنچا تھا۔

بہر حال جب یہ بات واضح ہو گئی کہ محترمہ بے نظیر بھٹو وطن واپس آ رہی ہیں تو پاکستان کی تاریخ کے سب سے بڑے استقبال کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ یہ استقبال کسی سربراہ مملکت کا نہ تھا' بلکہ ایک نوجوان خاتون جلاوطن رہنما کا تھا جو ابھی رموزِ سیاست سے بھی صحیح طور پر آگاہ نہ تھی' اور جس نے ابھی اقتدار کے پھل کا مزہ بھی نہ چکھا تھا۔ حقیقت یہی ہے کہ پاکستان کی تاریخ میں کسی سربراہِ حکومت کا بھی اتنا بڑا استقبال نہیں ہوا' جس قدر محترمہ بے نظیر بھٹو کا' بلکہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہو گا کہ خود بھٹو کا بھی اتنا بڑا استقبال کسی موقع پر نہیں ہوا' جتنا مارشل لاء کے دور میں ان کی بیٹی کا۔

دوسری طرف جب حکومت کو اس امر کا اندازہ ہوا کہ محترمہ بے نظیر بھٹو جلاوطنی ختم کر کے وطن واپس آنے والی ہیں تو حکمرانوں نے پیپلز پارٹی اور بے نظیر بھٹو کے خلاف میڈیا میں

Marfat.com

باقاعدہ اور منظم مہم شروع کر دی۔ انہیں شاید اس امر کا اندازہ ہو گیا تھا کہ بے نظیر کی واپسی ان کے لیے مشکلات پیدا کرے گی۔ کردار کشی کی اس مہم میں پیپلز پارٹی اور خصوصاً بے نظیر کی ذاتی زندگی کو نشانہ بناتے ہوئے من گھڑت کہانیاں اخبارات و جرائد میں شائع کروائی گئیں۔ دوسری طرف بینظیر کو دھمکیاں ملنا شروع ہو گئیں۔ اپنی خونوشت میں بے نظیر بھٹو فرماتی ہیں:

''مجھے دھمکیاں ملنا بھی شروع ہو گئیں'' پیپلز پارٹی کے ایک حامی نے پاکستان سے سندھ میں متعین ایک فوجی افسر کا پیغام بھجوایا: اسے بتا دو ''وہ پاکستان نہ آئے'' پیغام کا متن تھا ''وہ اسے قتل کروا دیں گے''۔ میری زندگی پر فوری خطرے کی دھمکیاں پنجاب سے' سرحد سے' اور پورے ملک سے آنا شروع ہو گئیں۔ جیسا کہ آپ خود بھی جانتے ہیں' سیاست میں ایک عورت زیادہ غیر محفوظ ہے ''مت واپس آؤ'' میرے گھر کا ٹیلی فون وقت بے وقت بجنے لگا' کبھی صبح سویرے' کبھی بہت رات گئے' جب میں ریسور اٹھاتی تو کوئی آواز نہ ہوتی۔

وہ مزید فرماتی ہیں:

مجھے کچھ اندازہ نہ تھا کہ جب پاکستان واپس پہنچی تو زندہ رہوں گی یا ماری جاؤں گی۔ نہ ہی میں اس نہج پر کچھ سوچنا چاہتی تھی۔ جو کچھ خدا نے قسمت میں لکھا تھا وہ ہو کر رہے گا' خواہ میں کچھ بھی کروں یا کہیں بھی جاؤں۔ تاہم میں اپنی ذمہ داری کو نبھانا چاہتی تھی جو میں نے اپنے والد سے ان کے نام پر عمرہ ادا کرنے کے وقت سنبھالی تھی

وہ رقمطراز ہیں:

25 مارچ کو میں نے پیغام بھیج دیا: میں 10 اپریل کو پاکستان واپس پہنچوں گی۔ بین الاقوامی پریس کے نمائندے پیشگی ہی لندن پہنچنا شروع ہو گئے۔ اخبارات نے اسے ایک نوجوان خاتون اور ایک فوجی آمر ڈیوڈ اور گولیتھ کے ایک جدید اور نسوانی کرداروں میں ایک ڈرامائی اور تیز و تند مقابلہ کی شکل میں پیش کر دیا۔ امریکہ میں سی بی ایس نے اپنے پروگرام 60 منٹ میں مجھے فلمایا۔ جریدہ وینٹی فیئر نے اپنے سرورق کی تصویر کے لیے لارڈ سنوڈن کو خصوصی طور پر میری پورٹریٹ بنانے کے لیے متعین کیا۔

Marfat.com

لندن سے ٹیلی ویژن پر صبح کی نشریات میں مجھے دکھایا گیا' اور اسی طرح نیویارک میں بذریعہ سیٹلائٹ ٹیلی ویژن دکھایا گیا۔ بی بی سی نے اپنی عالمی سروس کی نشریات کے لیے میرا انٹرویو انگریزی میں ریکارڈ کیا' اور اردو سروس میں نشر کرنے کے لیے اردو میں ریکارڈ کیا۔ اسی طرح انئ بہجت کے فلیٹ میں ایسوسی ایٹڈ پریس' یو پی آئی' چینل فور اور برطانوی پریس نے میرے انٹرویو ریکارڈ کیے۔

وہ مزید کہتی ہیں:

ہم نے اپنی واپسی کا اعلان کر کے اپنے لیے ایک راہ متعین کر لی تھی۔ پوری دنیا دیکھ رہی تھی'' کتنے لوگ لاہور میں ہمارے استقبال کے لیے آئیں گے''۔ میں نے پنجاب پی پی پی کے صدر جہانگیر بدر سے پوچھا' جو ہم سے پہلے لاہور پہنچنے والا تھا۔

''پانچ لاکھ'' اس نے جواب دیا'

''یہ تو بہت بڑی تعداد ہے''۔ میں نے جہانگیر کو محتاط کیا۔

لیکن کم از کم پانچ لاکھ ضرور ہوں گے۔ اس نے احتجاجاً کہا'' آپ ابھی لندن سے روانہ بھی نہیں ہوئیں اور ہمیں رپورٹ ملی ہے کہ لوگ پہلے سے لاہور پہنچنا شروع ہو گئے ہیں''۔

جب محترمہ بے نظیر بھٹو کی پاکستان آمد کنفرم ہو گئی تو استقبال کی تیاریاں بھی عروج پر پہنچ گئیں۔ کارکنان اور لیڈروں کا جوش دیدنی تھا۔ بے نظیر کی آمد سے ایک روز قبل ہی پورے لاہور میں میلے کا سماں تھا۔ شہر میں جگہ جگہ کھانے پینے کے عارضی سٹال بھی لگ گئے تھے' نوجوانوں کی ٹولیاں گاڑیوں' موٹر سائیکلوں' سائیکلوں پر اور پیدل پورے شہر میں رونق افروز رہی تھیں پورا شہر گاڑیوں کے سٹینڈ کا روپ دھار چکا تھا۔ ہر طرف ایک ہی نعرہ تھا'' آج تے ہو گئی بھٹو بھٹو'' ایئرپورٹ سے شہر تک طویل قافلہ تھا جو مزدوروں' مڈل کلاس' دکانداروں' تاجروں اور مزارعوں پر مشتمل تھا۔ سندھ' سرحد اور بلوچستان سے بڑی تعداد میں کارکنان اور رہنما اپنے محبوب لیڈر کے استقبال کے لیے اکٹھے ہوئے تھے۔ عوام جوش و خروش سے بھرے ہوئے تھے۔ جلوس کے سارے راستے میں (اور جلوس پورے شہر میں تھا) جگہ جگہ پارٹی پرچم نظر آ رہے تھے۔ بڑی تعداد میں کارکنان نے پارٹی پرچم سے لباس تیار کروا رکھے تھے۔ بھٹو کے نعروں' بے نظیر کی تصاویر' پیپلز

Marfat.com

پارٹی کے گیتوں اور بھٹو' بے نظیر کی تقاریر کے ریکارڈز کی بے شمار دکانیں کھل چکی تھیں' جہاں پارٹی پرچم اور بے نظیر بھٹو اور بھٹو کی تصاویر فروخت ہو رہی تھیں۔ بڑی تعداد میں پارٹی پرچم اور ٹوپیاں کارکنان اور رہنماؤں نے اپنی طرف سے مفت تقسیم کیں۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کے بے نظیر استقبال سے حکومتی ایوانوں پر یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی کہ عوام کے سیل رواں کو روکنا ممکن نہیں۔ حکومتی اہلکاروں نے استقبال کو ناکام بنانے کے لیے باقاعدہ طور پر مختلف سیل تشکیل دیے اور انہیں عوام سے ملنے سے روکنے کے منصوبے ترتیب دیے جانے لگے۔ اس حوالے سے اکرم شیخ اپنی کتاب ''آصف علی زرداری کا مقدمہ'' میں لکھتے ہیں:

''محترمہ بے نظیر بھٹو کی جس ''ہنگامہ خیز'' طریقے سے پذیرائی ہوئی۔ اس نے ایوانِ اقتدار کی غلام گردشوں میں نقل و حرکت کو مزید تیز کر دیا' اور مستقبل کی نئی منصوبہ بندی ہونے لگی' اور پھر اخبارات میں بھٹو اور بے نظیر کی سیاست' بھٹو اور بے نظیر میں فرق' اور عورت کی قیادت کے مباحث جنم دیے گئے۔ جس میں اخباری حلقوں' دانشوروں' وکلاء نے بھی شرکت اختیار کر لی' اور یوں ملک اور قوم کے جمہوری مستقبل' مارشل لاء کے اثرات' غیر جماعتی جمہوریت کے نقصانات کے بجائے ایسے مباحث کو جنم دیا گیا جو آئین اور قانون کے منافی تھے۔

اپنے استقبال کے بارے میں محترمہ بے نظیر بھٹو فرماتی ہیں:

جب میں جلاوطنی سے واپس آئی تو مجھے بڑے استقبال کی توقع تھی' لیکن جو کچھ ہوا' وہ میرے بے پایاں تصورات سے بھی بڑھ کر تھا۔ عوام کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا کسی نے اتنے ہجوم کی پیش بینی نہیں کی ہوگی۔ انتظامات مکمل طور پر ناکام تھے جب میں چھوٹی تھی تو سیڑھیاں چڑھنے کے بارے میں بھیانک خواب دیکھتی تھی' اچانک میرے خوابوں کی سیڑھی میرے سامنے تھی' ہزاروں لوگ تھے اور مجھے ان سے گزر کر سڑک تک پہنچنا تھا۔ یہ معجزہ ہی تھا کہ میں پلیٹ فارم تک پہنچ گئی۔ میرا دل خوشی سے گنگنا رہا تھا۔ میں سوچ رہی تھی: یہ میرے والد کی سرفرازی ہے' جنہوں نے ملک کے لیے جان دے دی۔ سارے ظلم و ستم و انتشار و آمریت کے تاریک اندھیروں کے

Marfat.com

باوجود عوام موجود ہیں' جوان کا احترام کرر ہے ہیں' اعتراف کرر ہے ہیں۔ ہر ایک کہتا ہے کہ عوام کا حافظہ کمزور ہوتا ہے لیکن آج عوام پوری شدت سے جئے بھٹو کا نعرہ لگا کر اسے غلط ثابت کرر ہے تھے۔

نفیس صدیقی اپنی کتاب ''بھٹو سے بھٹو'' تک میں رقمطراز ہیں:

محترمہ بے نظیر بھٹو کی وطن واپسی کا جائزہ لیا جائے تو سب سے پہلے 10 اپریل 86ء کا دن آنکھوں کے سامنے آتا ہے جس روز لاہور میں دختر مشرق کے لیے محنت کش عوام کا ایک طوفان امنڈ آیا تھا' اور مڈل کلاس جو محض اس جلوس کا نظارہ کرنے آئی تھی' اس طوفان کے بہاؤ میں بہہ گئی۔ اس جلوس کو جن لوگوں نے انتہا پسندانہ انداز میں دیکھا' انہوں نے تو یہ سمجھا کہ بے نظیر بھٹو اس جلوس کی مدد سے کوٹھیوں' صنعتوں اور سرکاری دفاتر کو آگ لگا دیں گی' اور جنرل ضیا کو مزید دس سال تک مارشل لاء لگانے کا موقع مل جائے گا لیکن کسی بھی دشمن کو اندازہ نہ تھا کہ شہید بھٹو کی بیٹی کتنی عقل و دانش کی مالک ہے۔ بے نظیر کو پوری طرح احساس تھا کہ پیپلز پارٹی کے جلوس میں شامل ان لاکھوں لوگوں کو آگ لگانے اور انتہا پسندی جیسی احمقانہ حرکتوں میں استعمال کرنے کا کام جنرل ضیاء الحق جیسے لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ کوئی بھی جمہوری لیڈر اس قسم کی حرکتیں پسند نہیں کرتا' اس لیے انہوں نے جلوس کے بعد کانفرنس میں یہ بات کہہ دی کہ وہ آگ لگانے اور انتہا پسندی کرنے کے لیے نہیں آئیں بلکہ جمہوری جدوجہد کرنے آئی ہیں۔

وطن واپسی پر محترمہ بے نظیر بھٹو کا جس قدر فقید المثال استقبال ہوا' اس کا اندازہ خود محترمہ کو بھی نہ تھا (جیسا کہ انہوں نے اظہار کیا) وہ اس استقبال کے حوالے سے فرماتی ہیں:

''زندگی میں ایسے لمحات بھی آتے ہیں' جنہیں الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں' میری واپسی انہی میں سے ایک ہے۔ انسانوں کا سمندر جو سڑکوں کے ساتھ ساتھ استادہ تھا' گھروں کی بالکنیوں اور چھتوں پر موجود تھا۔ درختوں میں اور بجلی کے کھمبوں پر پھنسا ہوا تھا' سڑک کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا اور دور تک کھمبوں میں پھیلا ہوا انسانوں

Marfat.com

کا بے کراں سمندر تھا۔ ایئرپورٹ سے اقبال پارک (مینار پاکستان) تک کا آٹھ میل کا فاصلہ عموماً پندرہ منٹ میں طے ہو جاتا ہے۔ 10 اپریل 1986ء کے ناقابل یقین دن میں ہمیں وہاں پہنچتے تک 10 گھنٹے لگے۔ ایئرپورٹ پر دس لاکھ انسانوں کی تعداد مینارِ پاکستان تک پہنچتے پہنچتے بیس لاکھ تھی' پھر تیس لاکھ کا جم غفیر و بے کنار تھا''۔

وہ مزید فرماتی ہیں:

''پاکستان پیپلز پارٹی کے سیاہ' سبز اور سرخ رنگوں کے سوا اس دن لاہور میں اور کوئی رنگ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ پی پی کے پرچم اور جھنڈے خشک گرم ہوا میں لہراتے ہوئے ایک مستقل اور متواتر سائبان کی شکل اختیار کر گئے تھے' لوگوں نے سرخ' سبز اور سیاہ جیکٹیں دوپٹے شلواریں اور قمیصیں پہن رکھی تھیں' بڑے بڑے اشتہاروں پر میرے والد' میری والدہ' میرے بھائیوں کی اور میری تصاویر' انہی رنگوں کے فریموں میں سجائی گئی تھیں''۔

''جیوے' جیوے' بھٹو جیوے' ہجوم پنجاب میں زوردار نعرے بلند کر رہا تھا۔ ایک جذبے کا اظہار' جس کے لیے تین ماہ قبل قید بہ مشقت اور کوڑوں کی سزائیں سنا دی جاتی تھیں ''منجھے بہن' منجھے بہن' بے نظیر میری بہن' میری بہن بے نظیر دوسرے سندھی میں الاپ رہے تھے۔ اردو میں' پشتو میں' پاکستان کی ہر علاقائی زبان میں نعرے لگ رہے تھے۔ بے نظیر آئے گی' انقلاب لائے گی''۔

غالباً ضیا کے اقتدار سنبھالنے کے بعد یہ پہلا موقع تھا جب پاکستان کے عوام نے کھل کر اپنی محبوب رہنما کا استقبال کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے استقبال کے منظر کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ عوام کا ایک جم غفیر تھا' جو ایئرپورٹ سے لے کر مینارِ پاکستان اور شہر کی ہر سمت تک پھیلا ہوا تھا۔ ایئرپورٹ سے مینارِ پاکستان تک کوئی ایسی عمارت' درخت' دیوار یا کھمبا نظر نہ آتا تھا' جس پر عوام اپنے محبوب رہنما کے استقبال کے لیے اکٹھے نہ ہوئے تھے' اور پھر چاروں طرف سے عوام کا ہجوم مینارِ پاکستان کے سایے تلے اکٹھا ہوا کہ مینارِ پاکستان کا وسیع و عریض میدان بھی کم محسوس ہونے لگا۔ عوام کے ازدھام کا یہ عالم تھا کہ رش کے باعث لیڈروں کا دم گھٹنے لگا۔ پیپلز پارٹی

Marfat.com

پنجاب کے صدر شدید تھکاوٹ کے باعث سٹیج پر گر گئے۔ مینار پاکستان سے آزادی چوک تک' سامنے بادشاہی مسجد اور شاہی قلعے تک لوگوں کا ایک وسیع وعریض سمندر تھا جو اپنی محترمہ قائد کی آواز سننے کے لیے بے تاب تھا۔ محترمہ بے نظیر نے پاکستان کی تاریخ کے سب سے بڑے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اگرچہ مجھے سیاست چھوڑنے اور بھائی اور باپ کے انجام سے ڈرانے کی کوشش کی گئی ہے لیکن میں عوام کی خدمت کروں گی۔ انہوں نے پاکستان کی تعمیر کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ لوگوں کے حقوق کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گی۔ انہوں نے مزید کہا کہ میں عوام کی خدمت کے لیے آئی ہوں' نہ کہ انتقام کی آگ بجھانے کے لیے۔ انہوں نے کہا کہ میں انتقام ختم کرتی ہوں۔

وطن واپسی پر عوام نے محترمہ بے نظیر بھٹو کا جس قدر فقید المثال استقبال کیا' پاکستان کی تاریخ میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ اس استقبال کو اگر کچھ لوگ رہبر انقلاب آیت اللہ خمینی کے استقبال سے تشبیہ دیتے ہیں تو ایسا کچھ غلط بھی نہیں ہے۔ اس استقبال نے جہاں ''ضیائی حکومت'' کی آنکھیں کھول دیں' وہاں محترمہ بے نظیر بھٹو کی ذمہ داریوں میں بھی اضافہ ہو گیا' جمہوریت کی بحالی کے لیے ان کی کوششیں ایک نئے دور میں داخل ہو گئیں' انہیں اس امر کا اندازہ ہو گیا کہ عوام جمہوریت سے کم کسی مطالبے پر رضامند نہ ہوں گے' چنانچہ لاہور کے دورے کے بعد محترمہ بے نظیر بھٹو نے پنجاب کے دیگر شہروں کے دورے کا پروگرام بھی بنایا۔ گوجرانوالہ' جہلم' فیصل آباد' راولپنڈی اور بعد ازاں سرحد' بلوچستان میں پاکستان کی تاریخ کے عظیم ترین جلسوں سے خطاب کیا۔ جلسوں میں عوام کا جوش و خروش اور ولولہ اتنا زیادہ تھا کہ غیر ملکی میڈیا نے بھی اس کو ناقابل یقین قرار دیا لیکن صد حیف ہے جمہوریت کے ان علمبرداروں پر' جنہوں نے محترمہ کے ان وسیع و عریض جلسوں کو مطلقاً کوریج نہ دی' اور جن اخبارات و جرائد نے مناسب کوریج دینے کی جرأت کی ان کو وارننگ دی گئی۔ محترمہ نے وطن کے طول و عرض میں جلسوں کا ایک طویل پروگرام بنایا' تا کہ حقیقی جمہوریت کی بحالی کے لیے حکومت پر دباؤ ڈالا جا سکے۔ یہی وہ وقت تھا جب محترمہ بے نظیر بھٹو کی ''بطور قائد'' صلاحیتیں کھل کر سامنے آئیں' وہ جہاں بھی جاتیں عوام کا جم غفیر ان کے ساتھ ہوتا' جلسوں میں عوام کا سمندر شامل ہوتا۔ بے نظیر جس بھی شہر جاتیں' وہاں ٹریفک جام ہوتی اور کاروباری سرگرمیاں معطل ہو جاتیں۔

Marfat.com

محترمہ نے اپنے جلسوں اور جلوسوں میں 73ء کے آئین کے تحت جماعتی بنیادوں پر منصفانہ انتخابات کے مطالبے کو اولیت دی' اور حکومتی ایوانوں کو باور کروایا کہ عوام حقیقی جمہوریت سے کم کسی مطالبے پر راضی نہ ہوں گے۔ بے نظیر کے کامیاب جلسوں نے حکومتی ایوانوں میں زلزلہ برپا کر دیا۔ جنرل ضیا اس حق میں نہ تھا کہ بے نظیر کو رابطہ عوام مہم کی اجازت دی جائے' لیکن مسٹر جونیجو بنیادی طور پر متحمل مزاج اور صلح جو سیاست دان تھے' چنانچہ انہوں نے محترمہ بے نظیر کا راستہ روکنے کی کوشش نہ کی' جو بعد ازاں محمد خاں جونیجو کی وزارت عظمیٰ سے معزولی کی وجہ بنی۔

یہاں ایک دلچسپ حقیقت کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا کہ عام طور پر پاکستان پیپلز پارٹی کے مخالف عناصر یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ پی پی پی کے کارکنان میں ''ڈسپلن'' نام کی کوئی چیز نہیں ہے اور یہ کہ پیپلز پارٹی میں ان پڑھ طبقے کی اکثریت ہے۔ ایسے لوگوں سے میرا صرف اتنا سوال ہے کہ ملینز کے مجمعے میں پورے دن میں کوئی ایک واقعہ بھی بدنظمی کا' تشدد کا پیش آیا؟ اگر اس وقت بے نظیر چاہتیں تو تمام حکومتی اداروں پر قبضہ کر کے حکومت کا تختہ الٹا جا سکتا تھا' لیکن محترمہ بے نظیر بھٹو نے ایسی کسی بھی حرکت سے اجتناب کیا۔ یہ بھی ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ جب حکومتی حلقے تمام تر کوششوں اور پروپیگنڈے کے باوجود استقبال کو ناکام بنانے میں کامیاب نہ ہوئے اور عوام کو اپنی رہنما سے الگ کرنے کی تمام حکومتی کوششیں ناکام ہو گئیں' تو یہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ حکومت بے نظیر کو فری ہینڈ دے رہی ہے۔ واقفانِ حال جانتے ہیں کہ استقبال کے فوراً بعد بے نظیر کو کس کس طریقے سے ڈرایا دھمکایا گیا۔

(بینظیر بیٹی سے قائد تک)

محترمہ بے نظیر بھٹو نے 6 اپریل 1986ء کو ایک غیر ملکی اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں پاکستان پہنچ کر کوری اکینو جیسا کردار ادا کروں گی اور ایک آمر سے عوام کی آزادی کو یقینی بناؤں گی۔ جونیجو صاحب نے بے نظیر بھٹو کے دورے سے قبل موچی دروازے میں ایک جلسہ عام میں غریب عوام اور بے گھر خاندانوں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے کچی آبادی کے مکینوں کو مالکانہ حقوق دینے کا اعلان کیا لیکن ان کا یہ اعلان عوام کو محترمہ بینظیر بھٹو سے بے پرواہ اور بے نیاز نہ کر سکا۔ 10 اپریل 1986ء کو جب محرمہ لاہور پہنچیں تو عوام کا سمندر ان کے استقبال کے لیے موجود تھا۔

Marfat.com

1988ء کے عام انتخابات اور بے نظیر بھٹو کی کامیابی

الیکشن 88ء پاکستان کا ایک روشن باب ہیں۔ یہ انتخابات جماعتی طور پر منعقد کروائے گئے جن میں سیاسی جماعتوں نے بھرپور شرکت کی۔ الیکن 85ء جو غیر جماعتی طور پر منعقد کرائے گئے اگرچہ ان انتخابات میں مضبوط دھڑے بندیوں میں منسلک سیاسی افراد نے موثر طور پر شرکت کی تھی مگر ایم آر ڈی میں شامل جماعتوں نے انتخابی عمل کا بائیکاٹ کیا تھا۔ لیکن اس بار سیاسی جماعتوں نے ملک میں عوام کی نمائندگی کے حصول کے لیے نہ صرف پر جوش شرکت کی بلکہ انتخابی نتائج برآمد ہونے کے بعد اکثریتی جماعتوں کو اقتدار بھی منتقل کر دیا گیا۔

29 مئی 1988ء جب اچانک قومی اسمبلی جیسے ادارے کو توڑ دیا گیا اور غیر جماعتی انتخابات کے نتیجے میں برسر اقتدار آنے والے وزیراعظم جونیجو اور ان کی کابینہ کو برطرف کر دیا گیا۔ اس وقت سیاسی ادراک رکھنے والے عناصر کے ذہن میں بھی نہیں تھا کہ اس سال کے آخر میں ملک کو آمریت کی طرف دھکیلنے کی کوشش ناکام ہو جائیں گی اور وطن عزیز میں جمہوریت کا سورج طلوع ہو کر رہے گا۔ قومی اسمبلی کو کالعدم قرار دینے اور وزیراعظم جونیجو کی برطرفی ایک ایسا واقعہ تھا جس سے سیاسی طبقے ان خدشات میں مبتلا نظر آتے تھے کہ اگر صدر ضیاء الحق کو مسٹر جونیجو جیسے وزیراعظم کا وجود گوارہ نہیں تو کیا وہ پاکستان کے وزیراعظم کی کرسی پر بے نظیر بھٹو یا ایئر مارشل اصغر خان اور غلام مصطفیٰ جتوئی کو برداشت کریں گے۔ 29 مئی کا الیکشن جن حالات میں ہوا۔ اس کے پس منظر میں ہونے والے واقعات کو بڑی حد تک منظر عام پر لایا جا چکا ہے۔ تاہم ابھی کچھ ایسے واقعات بھی ہیں جن کو تاریخ کے صفحات میں محفوظ کیا جانا باقی ہے۔ 1986ء کا سورج طلوع ہونے سے 29 مئی 1988ء تک جو واقعات پیش آئے ان سے واضح ہوتا تھا کہ پاکستان میں جمہوریت کی راہیں ہموار کرنے کی سعی کی جا رہی ہیں۔ عوام میں جمہوری اقدار کے فروغ کے لیے اعتماد پیدا کیا جا رہا ہے۔ سیاسی جماعتوں کو کام کرنے کی آزادی ملی ہے۔ عوام کو ان کے بنیادی حقوق لوٹا دیے گئے ہیں۔ ایمرجنسی ختم ہو گئی ہے۔ وزیراعظم جونیجو اور ان کے حامی اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ

Marfat.com

آئندہ انتخابات جماعتی بنیادوں پر ہی منعقد کرائے جائیں گے۔وزیراعظم جونیجو عام اجتماعات اور مختلف پلیٹ فارموں سے اعلان کرتے رہے کہ آئندہ عام انتخابات میں اکثریتی جماعت کو اقتدار منتقل کردیا جائے گا۔اگرچہ مسٹر جونیجو کو جب وزیراعظم کی ذمہ داریاں سونپی گئی تھیں تو انہیں مخالف سیاسی قائدین ہدف تنقید بناتے رہے تھے اور انہیں صدر ضیاء الحق کا ساتھی قرار دے کر عوامی حلقوں کو یہ تاثر بھی دیتے رہے تھے کہ صدر ضیاء الحق جیسے طاقتور حکمران کے سامنے مسٹر جونیجو ایک کمزور وزیراعظم ہیں۔مگر یہی سیاسی قائدین اس بات کا بھی اعتراف کرنے لگے کہ مسٹر جونیجو جس برق رفتاری سے جمہوریت کی خاطر بڑے بڑے اقدامات اٹھا رہے ہیں بالآخر صدر ضیاء الحق ان کے سامنے بے بس ہو جائیں گے اور آئندہ انتخابات جماعتی بنیادوں پر ہی منعقد ہو سکتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ جنیوا مذاکرات سے قبل مسٹر جونیجو نے اپنے دو وفاقی وزراء چوہدری شجاعت حسین اور قاضی عبدالمجید عابد کے ذریعے ملک کی تمام قابل ذکر اور موثر سیاسی جماعتوں کو اسلام آباد آنے کی دعوت دی۔قاضی عبدالمجید عابد نے پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن بیگم بے نظیر بھٹو سے ابتدائی مذاکرات کیے اور بیگم بے نظیر بھٹو نے ان مذاکرات کے انعقاد کے سلسلے میں جن خدشات کا اظہار بھی کیا انہیں دور کردیا گیا۔اس طرح چوہدری شجاعت حسین نے نوابزادہ نصر اللہ سمیت ان سیاسی رہنماؤں سے بات چیت کی جن کے ساتھ ان کے ذاتی مراسم تھے۔جمہوریت کے احیا کے لیے مسٹر جونیجو نے عوامی حلقوں میں جو اعتماد پیدا کیا تھا اسی کے پیش نظر سیاسی قائدین نے وزیراعظم جونیجو کی دعوت کو قبول کرلیا۔پاکستان ٹیلی ویژن کے ذریعے قومی پروگراموں اور نیوز بلیٹن میں اس آل پارٹیز کانفرنس کی تصویری جھلکیاں عوام کو بھی دکھائی گئیں۔بیگم بے نظیر بھٹو جس وقار سے ان مذاکرات میں شریک ہوئیں ان سے پتہ چلتا تھا کہ وہ محسوس کررہی ہیں کہ پاکستان میں جمہوریت کے گاڑی کو اب ریورس گیئر لگانا بہت مشکل کام ہے۔انہوں نے پرائم منسٹر ہاؤس کی جھلک دیکھی اور ان کی نظروں کے سامنے ان کے والد کی وزارت اعظمی کا وہ زمانہ گھومتا رہا جو پاکستان کی تاریخ کا ایک اہم باب بن گیا۔ان مذاکرات میں وہ وفاقی وزراء بھی شامل تھے جو وزیراعظم جونیجو سے کہیں زیادہ صدر ضیاء الحق کے وفادار ثابت ہوئے۔مذاکرات کے دوران مولانا شاہ احمد نورانی نے اپنے مخصوص طنز سے صدر ضیاء الحق کو جب نشانہ بنایا تو وفاقی کابینہ کے ایک معمر رکن مسٹر محمد اسلم

Marfat.com

خٹک سے ان کی ہلکی نوک جھوک بھی ہوئی۔صدر ضیاء الحق نے انہی مذاکرات کے بعد محسوس کر لیا کہ اب زیادہ عرصے تک وہ اپنے ہی نامزد کردہ وزیر اعظم کو برداشت نہیں کر سکتے۔1988ء میں 10 اپریل کو اوجڑی کیمپ کا حادثہ پیش آیا۔اس واقعہ کے باعث راولپنڈی اور اسلام آباد کے جڑواں شہروں میں خوفناک دھماکوں سے یہ دن روز قیامت کا ہولناک منظر پیش کرنے لگا۔غیر ملکی اخبارات کے ذریعے پتہ چلا کہ اوجڑی کیمپ "جہاد افغانستان" کے لیے مجاہدین کے اسلحہ کا سپلائی ڈپو تھا۔سانحہ اوجڑی کے باعث سینکڑوں افراد ہلاک وزخمی ہوگئے۔کروڑوں روپے کی املاک تباہ ہوئیں۔وزیر اعظم جونیجو نے اس علاقے کو کور کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل عمران اللہ کی زیر قیادت ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی تاکہ وہ سانحہ اوجڑی کیمپ کے بارے میں ایک اپنی رپورٹ تیار کرے۔جنرل عمران اللہ کی تیار کردہ رپورٹ پر وفاقی کابینہ کی پانچ رکنی کمیٹی مقرر کی گئی۔جس کا سربراہ وزیر مواصلات و ریلوے مسٹر محمد اسلم خٹک کو بنایا گیا۔اس کمیٹی کے ذمے یہ کام سونپا گیا کہ وہ جنرل عمران اللہ رپورٹ کا مطالعہ کر کے اپنی جامع رپورٹ تیار کرے۔وفاقی کابینہ کی پانچ رکنی کمیٹی نے جو رپورٹ تیار کی اس میں واضح ہوگیا کہ صدر اور وزیر اعظم کے مابین اختلافات کی خلیج موجود ہے اور ان کی راہیں جدا ہونے والی ہیں۔اوجڑی کیمپ کے سانحہ کے بعد راولپنڈی میں شہریوں سے ایک فوجی افسر کی معمولی تکرار نے بہت بڑے افسوس ناک تصادم کی شکل اختیار کر لی اور اس واقعہ میں ایک ایم پی اے کو بھی ملوث ہونا پڑا۔سانحہ اوجڑی کیمپ اور چوہڑ ہڑپال کے واقعات کے بعد صدر ضیاء الحق کو ساتھی جرنیلوں اور وفاقی کابینہ میں اپنے معتمد ارکان کی آرا کے پیش نظر 29 مئی کو قومی اسمبلی توڑنے اور وزیر اعظم اور ان کی کابینہ کی برطرفی کا اعلان کر دیا۔یہ اعلان اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھا کہ سیاسی حلقے پریشان ہوگئے۔اگر چہ بظاہر بیگم بے نظیر بھٹو نے نئے انتخابات کے انعقاد کے اعلان کا خیر مقدم کیا مگر سیاست دانوں کی اکثریت ان خدشات میں مبتلا ہوگئی کہ ملک میں جمہوریت کی جو جھلک نظر آرہی تھی وہ 29 مئی کے ایکشن کے بعد ختم ہوگئی۔بعض ہارڈ لائیرز نے کہا کہ ہم تو پہلے ہی صدر ضیاء الحق کے ارادوں اور رویوں سے واقف تھے اور ہم محسوس کرتے تھے کہ صدر ضیاء الحق کی موجودگی میں جمہوریت کے احیا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔جس شخص نے مطلق العنان حکمران کی حیثیت سے جمہوری اقدار کا گلا گھونٹ دیا اس سے

Marfat.com

جمہوریت کی توقع رکھنا احمقوں کی جنت میں رہنے کے مترادف ہے۔ ایک جلاوطن بلوچ رہنما سردار عطاء اللہ مینگل نے لندن میں کہا کہ ''مسٹر جونیجو خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ وہ سچ مچ کے وزیراعظم ہیں مگر وہ اس حقیقت سے ناواقف رہے کہ پاکستان کی اصل حکمرانی کا تاج تو ضیاء الحق نے اپنے سر پر سجا رکھا ہے''۔

29 مئی کا ایکشن ایک ایسا اقدام تھا جس پر مجموعی طور پر پوری قوم نے اظہار تاسف کیا۔ قومی اسمبلی کو توڑنے کے فوراً بعد ہی صدر ضیاء الحق کو احساس ہو گیا کہ انہوں نے اپنے دور اقتدار میں سب سے بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ انہوں نے اس غلطی کی تلافی کے لئے ملک میں اسلامی نظام نافذ کرنے کا اعلان بھی کر دیا۔ مگر رائے عامہ کو مطمئن کرنے میں ناکام رہے۔ چونکہ انہوں نے عام انتخابات کرانے کا وعدہ کیا تھا اس لئے سینٹ کے ادارہ کو برقرار رکھا گیا۔ قومی اسمبلی کے بعد ملک کی چاروں صوبائی اسمبلیاں بھی توڑ دی گئیں۔ انہوں نے نگران وفاقی کابینہ تشکیل دی۔ صوبائی نگران وزارتیں بنائی گئیں اور وزارتوں میں انہوں نے وفاداروں کو شامل کیا۔ آئین کے مطابق نگران وزیراعظم بنانے کی ضرورت کو نظرانداز کر دیا گیا اور انہوں نے تمام اختیارات کو اپنی ذات میں مرتکز کرنے کی پالیسی اپناتے ہوئے مسٹر اسلم خٹک کو سینئر وفاقی وزیر بنا دیا۔ چاروں صوبوں میں پنجاب کے وزیر مسٹر نواز شریف پر ہی اعتماد کیا گیا اور انہیں نگران وزیراعلیٰ پنجاب بنایا گیا۔ مگر باقی تینوں صوبوں کے وزرائے اعلیٰ کو فارغ کر دیا گیا۔ سندھ میں انہوں نے اپنے سمدھی اور بلوچستان کے سابق گورنر جنرل رحیم الدین کو بااختیار گورنر بنا دیا اور وزیراعلیٰ مسٹر اختر علی جی قاضی کو گورنر کی کابینہ کا سینئر وزیر مقرر کیا گیا۔ سرحد میں انہوں نے وزیراعلیٰ ارباب محمد جہانگیر کو نظرانداز کر دیا اور ان کی جگہ سابق گورنر اور سینٹ کے رکن جنرل فضل حق کو صوبہ سرحد کا نگران وزیراعلیٰ بنا دیا۔

بلوچستان میں جام غلام قادر بھی فارغ کر دیئے گئے اور ان کی جگہ میر ظفر اللہ خاں جمالی کو بلوچستان کا نگران وزیراعلیٰ نامزد کر دیا گیا۔ یہ ایسے اقدامات تھے جن سے واضح ہوتا تھا کہ صدر ضیاء الحق کے اپنے پروگرام ہیں، جن سے اس ملک کا کوئی شخص بھی واقف نہیں۔ اگر انہوں نے وفاقی مجلس شوریٰ جیسا نامزد ادارہ تشکیل دیا تھا تو یہ بھی ان کی اپنی ضرورت تھی۔ اگر انہوں نے

Marfat.com

صدارتی ریفرنڈم کرایا تھا تو یہ قدم بھی انہوں نے اپنے ہی ذہن سے تیار کردہ پالیسیوں کے تحت اٹھایا تھا۔ 1985ء میں غیر جماعتی انتخابات کرانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ صدر ضیاء الحق کچھ لوگوں کو شریک اقتدار تو کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ مگر ان کے لئے یہ بات نا قابل برداشت تھی کہ ان کی مطلق العنان حکمرانی کو اقتدار کے ایوانوں میں چیلنج کر دیا جائے۔ انہوں نے مسٹر محمد خاں جونیجو جیسے منکسر المزاج شخص کو اس لئے وزیراعظم بنایا تھا کہ وہ اپنی ان مخصوص پالیسیوں پر عمل پیرا تھے جن کے ذریعے وہ اپنے اختیارات کو کم کرنے کے لئے تیار تھے۔ 1986ء میں مارشل لا بھی اٹھا دیا گیا ایمرجنسی بھی ختم ہو گئی مگر وہ فوج کی قیادت سے دستبردار ہونے کے لئے آمادہ نہ ہوئے۔ چیف آف آرمی سٹاف کے عہدے سے وہ ریٹائر نہ ہوئے اور ان پر طنز بھی کی جاتی رہی کہ وہ اگرچہ صدر کے منصب پر فائز ہونے کے باعث ملک کی سب سے بڑی شخصیت ہیں مگر چیف آف آرمی سٹاف کے عہدے کو برقرار رکھنے سے وہ وزیراعظم و وزیر دفاع کے ماتحت ہیں۔ لیکن وہ برملا اس بات کا اظہار کرتے رہے کہ ان کا حلقہ انتخاب فوج ہے اور وہ ہرگز فوجی وردی اتارنے کے موڈ میں نہیں ہیں۔ غالباً ان کے سامنے سابق صدر ایوب خاں کا تجربہ تھا کہ جب سابق صدر کمانڈر انچیف کے عہدے سے ریٹائر ہو کر فیلڈ مارشل بنے تو فوج پر ان کی گرفت کمزور پڑ گئی اور بالآخر انہیں یحییٰ خاں کی ہوس اقتدار کے باعث اپنے اقتدار سے محروم ہونا پڑا۔ جنرل ضیاء الحق چیف آف آرمی سٹاف کا عہدہ چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ ان کی سوچ سے واضح ہوتا تھا کہ ان کی پالیسی یہ تھی کہ وہ جب تک اس عہدے پر فائز رہیں گے وہ اپنے فوجی عہدے سے ہرگز دستبردار نہیں ہوں گے۔

29 مئی کے اقدام کے خلاف جونیجو کا ردعمل بہت کمزور اور بودا تھا۔ انہیں ضیاء کی زندگی میں اس اقدام کو چیلنج کرنے کی ہمت نہ ہو سکی۔ 17 اگست 88ء کے ہوائی حادثے نے جب ملک کا سیاسی نقشہ ہی بدل ڈالا تو ستمبر میں ہائی کورٹ میں 29 مئی کے اقدام کو چیلنج کیا گیا حاجی سیف اللہ کیس کا فیصلہ سناتے ہوئے 27 ستمبر 1988ء کو لاہور ہائی کورٹ کے فل بینچ نے کہا کہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کی برطرفی کے لئے جو وجوہات دی گئی ہیں وہ اس قدر خلاف عقل، بودی اور کمزور ہیں کہ قانون کی نظر میں یہ اقدام سراسر بلا جواز ہے۔ آئین اس بات کی اجازت

Marfat.com

نہیں دیتا کہ صدر جب چاہے اسمبلی کو برطرف کردے۔ اس تاریخی فیصلے میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ الیکشن کروائے جائیں۔ کیونکہ عوام کا فیصلہ اٹل ہے اور اس فیصلے کی راہ مسدود نہیں کی جا سکتی۔

ادھر ہوائی حادثے میں صدر ضیاء الحق کی ہلاکت کے بعد صدر غلام اسحٰق خان نے ملک کی صدارت سنبھالی۔ انہوں نے یہ ذمہ داری سنبھالتے ہی اعلان کیا کہ وہ سابقہ اعلان شدہ شیڈول کے مطابق نومبر میں انتخابات کروائیں گے اور یہ انتخابات آزادانہ اور منصفانہ ہوں گے۔ انہوں نے جنرل ضیاء الحق کے سابقہ اعلان کے علی الرغم جماعتی بنیادوں پر انتخابات کرانے کا اعلان کیا اور یہ بلاوا۔ بلہ طور پر سپریم کورٹ کے اس حکم کی تعمیل تھی جس میں کہا گیا تھا کہ ''غیر جماعتی انتخابات آئین کی روح کے مطابق نہیں ہے۔''

اس اعلان کے ساتھ ہی ملک میں سیاسی سرگرمیاں بہتر ہونے لگیں۔ لیکن اس عرصے میں پنجاب کو بدترین سیلاب نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ستمبر کے اواخر میں حیدر آباد اور کراچی میں خوفناک فسادات کی لہر اٹھ کھڑی ہوئی۔ جس میں 250 سے زائد افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ خدشہ یہ تھا کہ بدامنی کی وجہ سے انتخابات کے لئے ماحول سازگار نہیں رہے گا۔ لیکن قائم مقام صدر نے اس قسم کے خدشات کو بے بنیاد قرار دیا اور انتخابات معینہ وقت پر کرانے کا یقین دلایا۔

انتخابی مہم کے دوران ہی اندازہ ہو چکا تھا کہ انتخابات کا فیصلہ پاکستان پیپلز پارٹی کے حق میں ہوگا۔ بے نظیر بھٹو نے پارٹی کے سینئر ارکان پر انحصار کرنے کی بجائے ایک نئی اور جواں ٹیم اپنے ساتھ ملائی۔ پورے ملک کا طوفانی دورہ کیا اور بھٹو کی بیٹی ہونے کے علاوہ عورت ہونے کا حربہ سیاسی انداز میں خوب استعمال کیا۔ چنانچہ انہوں نے ملک کی سیاسی فضا کو اپنے حق میں بدلنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

مسلم لیگ حکومت نے مقبولیت کی اس رو کو روکنے کی پوری کوشش کی اور گمان غالب ہے کہ یہ ادراک بھی کر لیا گیا کہ ایک متحدہ محاذ کے بغیر انتخابات میں پی پی پی کو شکست دینا ممکن نہیں ہوگا۔ چنانچہ اب ایک متحدہ انتخابی محاذ بنانے کی کوششیں شروع کر دی گئیں۔ مرکز کی قیادت اگرچہ محمد خان جونیجو کے پاس تھی لیکن اتحاد استوار کرنے میں پنجاب کے وزیر اعلیٰ محمد نواز شریف

Marfat.com

پیش پیش تھے اور وجہ یہ تھی کہ ان کی اپنی نگاہ بلندی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ وزیر اعلیٰ کی کرسی سے مستقبل کے وزیر اعظم کا روشن خواب دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے قاضی حسین احمد، سید فخر امام، غلام مصطفیٰ جتوئی، آقائے مرتضیٰ پویا، مولانا معین الدین لکھوی اور مولانا محمد اجمل سے رابطہ قائم کیا اور 15 اکتوبر 1988ء کو آٹھ سیاسی جماعتوں اور گروپوں پر مشتمل اسلامی جمہوری اتحاد (I.J.I) قائم کر لیا۔ محمد نواز شریف نے اپنی فراست سے کام لیکر غلام مصطفیٰ جتوئی کو اس اتحاد کا سربراہ اور پروفیسر عبدالغفور کو اتحاد کا مرکزی سیکرٹری جنرل بنا دیا۔ ایک اور اتحاد اصغر خان، مولانا نورانی اور محمد خان جونیجو کے درمیان طے پا گیا۔ اسے پاکستان عوامی اتحاد کا نام دیا گیا۔ اس عرصے میں دو حصوں میں بٹی ہوئی مسلم لیگ کو جوڑنے کی کوشش جاری رہی۔ بالآخر 14 اکتوبر 1988ء کو یہ کوشش کامیاب ہوگئی۔

پیپلز پارٹی بحالی جمہوریت کی تحریک (M.R.D) میں شامل تھی۔ اس نے اس کی جدوجہد میں بھی سرگرم حصہ لیا تھا۔ لیکن اب عوام میں جلسے جلوسوں میں اپنی مقبولیت دیکھ کر اس پارٹی نے اپنی انفرادی حیثیت کو قائم رکھا اور انتخابات میں آزادانہ حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ 1988ء کے انتخابات میں پیپلز پارٹی نسبتاً زیادہ مقبول اور جاذب نظر تھی۔ لیکن اس کے اشتراکی مزاج اور عوام دوستی میں اب تبدیلی آ گئی تھی۔ اس وقت پیپلز پارٹی میں سینئرز اور جونیئرز کے درمیان تصادم کی صورت پیدا ہو چکی تھی۔ اس کی ایک مثال جہانگیر بدر کا مرکزی وائس چیئرمین محمد شیخ رشید سے ٹکراؤ تھا۔ ملک معراج خالد، غلام مصطفیٰ کھر، راؤ عبدالرشید، میاں احسان الحق اور افضل سندھو جیسے ارکان پی پی کے اصولوں کی دہائی دے رہے تھے۔ کوشش یہ ہو رہی تھی کہ پنجاب سے زیادہ با اثر لوگوں کو پیپلز پارٹی میں شامل کر لیا جائے۔ اس دور میں متعدد لوگ اپنی سابقہ وفاداریاں تبدیل کر کے پیپلز پارٹی کی مقبولیت کے انعامات اور ثمرات حاصل کرنے کے لئے اس جماعت میں آئے اور ''لوٹے'' کہلائے۔ چیئرپرسن بیگم نصرت بھٹو کے بیان کے مطابق 18 ہزار افراد نے پی پی کا ٹکٹ حاصل کرنے کے لئے درخواست دی اور ناقابل واپسی زر ضمانت جمع کرایا۔ اس پارٹی کو انتخابی دنگل کے لئے کروڑوں روپے حاصل ہو گئے۔ لیکن ٹکٹ ان لوگوں کو دیئے گئے جن کا پی پی کی سیاسی جدوجہد میں کوئی

Marfat.com

حصہ نہیں تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض امیدواروں نے اپنی آزادانہ حیثیت میں یہ انتخابات لڑا اور بعض نے زرِ ضمانت واپس نہ ملنے کا ملال اٹھایا۔

ٹکٹوں کی تقسیم میں اسلامی جمہوری اتحاد نے بھی خاصی بدنظمی کا ثبوت دیا۔ آخری لمحوں پر دو مسلم لیگوں کے انضمام نے بھی اس اتحاد کی مشکلات میں اضافہ کیا۔ اس جماعت میں قومی مفاد کے بجائے ذاتی مفاد زیادہ پیش نظر رکھا گیا۔ دوسری طرف رکن جماعتوں کی نمائندگی قائم رکھنے کے لئے بڑی جماعتوں کے اہم امیدوار ٹکٹ سے محروم رہ گئے۔ اس اتحاد نے بھی زیادہ تر بااثر افراد ہی کو نوازا۔ سوائے جماعت اسلامی کے کوئی سیاسی جماعت منظم اور اصولوں کی پابند نظر نہیں آتی تھی۔ چنانچہ جب انتخابی مہم میں کنویسنگ شروع ہوئی تو ضابطہ اخلاق دھرے کا دھرا رہ گیا اور امیدواروں نے ایک دوسرے کی کردارکشی کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی بالائی سطح پر صرف دو لیڈر توجہ حاصل کر رہے تھے۔ ایک نواز شریف' دوسرے بے نظیر۔ محمد خان جونیجو اپنے حلقہ انتخاب کے اسیر ہو کر رہ گئے اور وہ آئی جے آئی کے لئے کسی طرح مفید ثابت نہ ہوئے۔ جماعت اسلامی نے اپنے اصول وضوابط کے مدار میں کنویسنگ کی۔ قاضی حسین احمد کی آواز توجہ اور غور سے سنی گئی۔ حتیٰ کہ ان کی پذیرائی میں پیپلز پارٹی کے کارکن بھی پیش پیش نظر آتے تھے۔

1988ء کے عام انتخابات میں 27 سیاسی جماعتوں نے قومی اسمبلی میں اپنے امیدوار نامزد کئے۔ 705 امیدواروں نے آزادنہ حیثیت سے انتخاب میں لڑا۔ اسمبلی کی کل 207 نشستوں کے لئے 1202 امیدواروں نے کاغذات نامزدگی داخل کئے۔ اگرچہ انتخابات جماعتی بنیادوں پر لڑے جا رہے تھے۔ لیکن امیدواروں میں جماعتی نظم ونسق اور اتحاد کا شدید فقدان تھا۔ ہر امیدوار اپنی ذاتی کامیابی کو یقینی بنانے کے لئے کوشاں تھا۔ چنانچہ پارٹی ٹکٹ لیکر انتخابات میں شرکت کرنے کے باوجود مصنوعی طور پر یہ ایک غیر جماعتی انتخابات ہی تھا۔ اس میں دولت فراوانی سے استعمال ہوئی۔ ذات برادری کا اثر ورسوخ کام آیا۔ صرف جماعت اسلامی مرتکز نظر آئی تھی۔ اس نے انتخابی مہم کو سائنسی انداز میں آراستہ کیا۔

قومی اسمبلی کے انتخابات 16 نومبر 1988ء کو منعقد ہوئے۔ انتخابات کے نتائج اسی شب ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر آنے شروع ہو گئے۔ مختلف جماعتوں کی حاصل شدہ نشستوں کا

Marfat.com

گوشوارہ حسب ذیل تھا۔

کل اراکین اسمبلی کی تعداد:	207
پیپلز پارٹی کی حاصل کردہ نشستیں	93
اسلامی جمہوری اتحاد کی حاصل شدہ نشستیں:	54
جمعیت العلمائے اسلام (فضل الرحمٰن گروپ):	7
پاکستان عوامی اتحاد:	3
عوامی نیشنل پارٹی:	2
نیشنل پیپلز پارٹی (کھر گروپ):	1
جمعیت العلمائے اسلام (درخواستی):	1
پاکستان ڈیموکریٹک پارٹی:	1
آزاد اور ایم کیو ایم:	40
میزان:	204

دو نشستوں پر امیدواروں کی فوتیدگی کی وجہ سے انتخابات ملتوی کر دیئے گئے جب کہ ایک نشست کے نتائج کا اعلان روک دیا گیا۔ انتخابات کے فوراً بعد حکومت سازی کی جدوجہد شروع ہوگئی۔ زیادہ نشستیں چونکہ پی پی پی کو ملی تھیں اس لئے انتخابات میں دھاندلی اور بدعنوانی کے زیادہ الزامات سامنے نہیں آئے اور انتخابات کو مجموعی طور پر آزادانہ اور منصفانہ قرار دیا گیا اس کی ایک وجہ بڑے بڑے لیڈروں کی شکست بھی قرار دی جا سکتی ہے چنانچہ ان انتخابات میں مسلم لیگ کے سربراہ جناب محمد خان جونیجو، فنکشنل لیگ کے سربراہ پیر پگاڑا، نیشنل عوامی پارٹی کے صدر غلام مصطفیٰ جتوئی، تحریک استقلال کے اصغر خان، جنرل فضل الحق، مولانا کوہر رحمان، سید افتخاب گیلانی، راجہ ظفر الحق، کرنل حبیب، سید غوث علی شاہ، اختر علی قاضی، ممتاز علی بھٹو، عنایت علی تالپور، الٰہی بخش سومرو اور متعدد بڑے بڑے سیاسی ستون گر گئے اور انہیں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

1988ء کے انتخابات کے بعد ملک میں تیسرے جمہوری دور کا آغاز ہوا۔ اور نتائج سے اندازہ لگایا گیا کہ عوام نے دو جماعتی نظام کو قبول کر لیا ہے۔ لیکن یہ بات بھی واضح تھی کہ ان

Marfat.com

جماعتوں کے سربراہ واضح اکثریت حاصل کرنے اور جیتی ہوئی نشستوں کی اساس پر حکومت بنانے سے قاصر تھے۔ بے نظیر بھٹو کا انتخابات پر یہ تبصرہ بڑا معنی خیز تھا:۔

''دونوں وزیراعظم شکست کھا گئے''۔

اس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ عوام نے دونوں کو قبول نہیں کیا۔ افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ بے نظیر بھٹو اور نواز شریف کے درمیان انتخابی مہم نے ایسی وسیع خلیج حائل کر دی تھی کہ انتخابی معرکہ ذاتی دشمنی میں تبدیل ہو گیا۔ چنانچہ جب وزارت عظمیٰ کے لئے نواز شریف کا نام لیا گیا تو بے نظیر نے ایم کیو ایم سے مفاہمت کرنے میں تاخیر نہ کی اور وزارت عظمیٰ پر اپنے حق کو اسی طرح بلند کیا۔ جس طرح 1970ء کے انتخابات کے بعد ان کے والد ذوالفقار علی بھٹو نے اچھالا تھا۔ چنانچہ صدر غلام محمد اسحٰق خان نے ان کو وزیراعظم نامزد کر دیا۔ اب نواز شریف نے اپنی توجہ صوبہ پنجاب کی طرف کی۔ جہاں ان کی پارٹی آئی جے آئی کو 240 میں سے 110 اور پی پی پی کو 93 نشستیں ملی تھیں۔ کامیاب آزاد امیدوار 31 تھے۔ آئی جے آئی گروپ نے منتخب آزاد اراکین کے علاوہ سات اقلیتی اراکین کا تعاون بھی حاصل کر لیا اور یوں پنجاب میں آئی جے آئی کی حکومت بن گئی جسے مضبوط بنانے کے لئے نواز شریف نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ مرکز میں بے نظیر کی حکومت نے حلف اٹھایا۔ پنجاب میں آئی جے آئی کی حکومت بنی۔ جس کے سربراہ میاں نواز شریف تھے۔ سندھ میں قائم علی شاہ (پی پی پی)، بلوچستان میں نواب اکبر بگٹی (مخلوط) اور صوبہ سرحد میں آفتاب احمد شیرپاؤ (پی پی پی) نے حکومت بنائی۔

Marfat.com

1993ء کے عام انتخابات اور بے نظیر بھٹو کی کامیابی

1990ء کے عام انتخابات میں اسلامی جمہوری اتحاد نے بھرپور کامیابی حاصل کی تھی۔ پاکستان کی تاریخ میں کسی بھی جماعت یا اتحاد کو اس قدر عوامی مینڈیٹ حاصل نہیں ہوا تھا امید تھی کہ بھرپور مینڈیٹ ہونے کے سبب یہ حکومت اپنے پانچ سال پورے کرے گی۔ مگر دو ہی سال بعد صدر مملکت اور وزیراعظم کے مابین اختلافات کی خبریں آنا شروع ہوگئیں۔ اور پھر ان اختلافات نے باقاعدہ ایک سرد جنگ کی شکل اختیار کرلی جو 18 اپریل 1993ء کو قومی اسمبلی کی تحلیل پر منتج ہوئی۔

قومی اسمبلی کے اسپیکر جناب گوہر ایوب خان نے صدر کے اس اقدام کو سپریم کورٹ آف پاکستان میں چیلنج کردیا۔ جس نے فقط 38 دن بعد صدر مملکت کے اقدام کو غیر آئینی اور بدنیتی پر مبنی قرار دیتے ہوئے قومی اسمبلی کو بحال کردیا۔

صدر غلام اسحٰق نے سپریم کورٹ کے اس فیصلے کے آگے بظاہر سر جھکا دیا مگر وزیراعظم نواز شریف سے ان کی کدورت ختم نہ ہوسکی اور وہ مسلسل انہیں وزیراعظم ہاؤس سے باہر نکالنے کی کوششوں میں مصروف رہے۔ ملک ایک ایسے بحران کی طرف بڑھنے لگا جس سے آگے تباہی کا راستہ تھا۔ چنانچہ فوج کی مداخلت سے صدر غلام اسحٰق خاں اور وزیراعظم نواز شریف دونوں کے استعفوں کے بعد نگران حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ جس کی اولین ذمہ داری قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کا انعقاد قرار پایا۔

یہ انتخابات 6 اور 9 اکتوبر 1993ء کو منعقد ہوئے۔ ملک کی تیسری بڑی سیاسی جماعت مہاجر قومی موومنٹ نے قومی اسمبلی کے انتخابات کا بائیکاٹ کیا۔ ان انتخابات کے نتیجے میں جو صورتحال سامنے آئی وہ 1988ء کے عام انتخابات کے نتائج سے پیدا ہونے والی صورتحال سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔

ان انتخابات میں جو 201 نشستوں پر منعقد ہوئے تھے مختلف سیاسی پارٹیوں کی پارٹی

Marfat.com

پوزیشن حسب ذیل رہی:۔

پاکستان پیپلز پارٹی:	86
مسلم لیگ (نواز شریف گروپ):	72
مسلم لیگ (جونیجو گروپ):	3
اسلامک فرنٹ:	3
پختون خواہ ملی اتحاد پارٹی	3
عوامی نیشنل پارٹی:	3
اسلامی جمہوری محاذ:	4
جمہوری وطن پارٹی:	2
نیشنل پیپلز پارٹی:	1
نیشنل ڈیموکریٹک الائنس:	1
متحدہ دینی محاذ:	2
پختون خواہ قومی پارٹی:	1
بی این ایم (حئی گروپ):	1
بی این ایم (مینگل گروپ):	1
آزاد:	15
میزان:	201

Marfat.com

بے نظیر بھٹو شہید بطور وزیر اعظم

(پہلا دور)

2 دسمبر 1988ء تا 6 اگست 1990ء

16 نومبر کو انتخابات کے نتیجہ میں بے نظیر بھٹو برسر اقتدار آئیں۔ انہوں نے 2 دسمبر 1988ء کو وزیر اعظم کے عہدہ کا حلف اٹھایا۔

1988ء کے انتخابات کے بعد اقتدار کی منتقلی سے پہلے فوج اور پی پی پی کے درمیان باقاعدہ ایک معاہدہ طے پایا جس کے نتیجے میں بے نظیر بھٹو نے غلام اسحاق خان کو صدارت کے امیدوار کے طور پر قبول کیا اور صاحب زادہ یعقوب خاں کو وزیر خارجہ کے طور پر اپنی کابینہ میں شامل کیا اس کے علاوہ فوج اور پی پی پی کے درمیان اس معاہدے کے بعض نقاط یہ بھی تھے:

1- فوج کے معاملات میں مداخلت نہیں کی جائے گی۔

2- مسلح افواج کے افسروں سے کسی قسم کا کوئی انتقام نہیں لیا جائے گا۔

3- مشورہ کے طور پر بعض نصیحتیں جن میں مخلوط حکومت بنانے کا مشورہ بھی شامل تھا جسے نظر انداز کر دیا گیا۔

دوسری طرف پاکستان کے بڑے صوبے پنجاب کی اسمبلی میں وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے میاں نواز شریف نے حلف اٹھایا۔ میاں نواز شریف وزیر اعلیٰ کے عہدے سے پہلے ہی لطف اندوز ہو چکے تھے اب کی باران کی نظر وزارت عظمیٰ کی کرسی پر تھی لیکن بدقسمتی سے وہ وزارت عظمیٰ کی کرسی سے محروم رہے لیکن وہ اس اہم کرسی کو حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔ پنجاب اسمبلی رولز میں دوسری ترمیم کر کے ''شو آف ہینڈ'' کا طریقہ اپنایا گیا تھا تا کہ ''نمک خوار'' کھل کر اپنی وفاداری کا اظہار کر سکیں۔ چنانچہ اس طرح دو اہم اور ممتاز جگہوں پر مخالف حکومتیں تشکیل پا گئیں۔ جس سے خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ گیارہ سالہ آمریت سے نجات حاصل کرنے کے بعد جمہوری سفر

Marfat.com

اشتراکِ عمل کے فقدان کا شکار ہو جائے گا۔ حالانکہ جمہوری عمل کی حفاظت کرنا دونوں حکومتوں کا اولین مقصد ہونا چاہیے تھا۔ لیکن افسوس کہ ملکی مفاد کو پس پشت ڈال دیا گیا اور مرکز پنجاب چپقلش زور پکڑتی رہی اور ایک دوسرے پر الزامات دونوں سطح کی بیوروکریسی کا روزمرہ کا معمول بن گیا۔ انتقامی کاروائیوں کا سلسلہ دراز ہوتا گیا۔ وفاقی حکومت پر بدعنوانیوں کے الزامات لگائے گئے۔ دوسری طرف متحدہ حزب اختلاف وحدت فکر و عمل کے فقدان سے دوچار تھی۔ کچھ ناتجربہ کار وفاقی وزراء کا رویہ حالات کو بگاڑنے کا ذمہ دار تھا اور انہوں نے پاکستان پیپلز پارٹی کے لیے مشکلات پیدا کیں اور کچھ صوبائی حکومت میں شامل ناعاقبت اندیش مشورہ سازوں نے حالات مزید خراب کیے۔ کبھی ایک فریق نے مثبت قدم اٹھایا تو دوسری طرف سے منفی رویہ اختیار کیا گیا۔ چنانچہ حالات کو بگاڑنے میں دونوں فریق ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہراتے رہے۔ الغرض فریقین کو اپنی اپنی حکومتیں بچانے سے زیادہ فریق مخالف کی حکومت گرانے سے دلچسپی تھی۔ تلخی میں شدت اس وقت پیدا ہو گئی جب جلد بازی سے کام لیتے ہوئے پیپلز پارٹی نے پنجاب اسمبلی میں وزیر اعلیٰ کے خلاف عدم اعتماد کا نوٹس دیا۔ جس کے نتیجے میں میاں نواز شریف اکثریت کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور اپنی توانائیاں ترقیاتی کاموں پر صرف کرنے کے بجائے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے پر صرف کرنے لگے۔ اسی دوران صدر اور وزیر اعظم کے درمیان اختلافات بھی منظر عام پر آئے۔ ایڈمرل افتخار سروہی کی ریٹائرمنٹ سے لے کر اعلیٰ عدالتوں میں ججوں کی تقرری کے صدر کے صوابدیدی اختیارات صورتحال کو متنازعہ بناتے رہے۔

حزب اختلاف کی طرف سے پہلے سال کے اختتام پر حکومت کو جس سب سے بڑے بحران کا سامنا کرنا پڑا وہ تحریک عدم اعتماد تھی۔ پیپلز پارٹی کیلئے صورت حال اس لئے بھی خطرناک تھی کہ پیپلز پارٹی قومی اسمبلی میں سادہ اکثریت کی حامل جماعت تھی۔ حکومت مہاجر قومی موومنٹ کے ساتھ ایک معاہدے کے تحت اور فاٹا کے ممبران کے اشتراک تعاون سے تشکیل پائی تھی اور دوسری طرف دائیں بازو کی چھوٹی جماعتوں کا وہ اتحاد تھا جو بھٹو دشمنی کے مشترک مفاد کے تحت وجود میں آیا تھا۔ اس میں وہ مذہبی جماعتیں بھی تھیں جو عورت کی سربراہی کو تسلیم کرنے سے انکار کرتی تھیں اور وہ بھی جو ضیاء الحق ازم کے سائے تلے پروان چڑھی تھی اور جو ضیاء الحق کو بحالی جمہوریت سے باز رہنے کا جواز فراہم کرتی رہی تھیں اور ابھی بحالی جمہوریت کی امید افزائی کو

Marfat.com

جمہوریت سے باز رہنے کا جواز فراہم کرتی رہی تھیں اور ابھی بحالی جمہوریت کی امید افزائی کو سبوتاژ کرنے کے درپے تھیں۔

تحریک عدم اعتماد کے دوران سیاست دانوں کی خرید و فروخت کے ہولناک واقعات رونما ہوئے۔ جس طریقے سے وسیع پیمانے پر ہورس ٹریڈنگ ہوئی اس کی مثال نہ پہلے موجود تھی نہ بعد میں دیکھنے میں آئی۔ ممبران اسمبلی کو مری اور منگورہ لے جا کر خوشگوار حراست میں رکھا جا رہا تھا۔ مہاجر قومی موومنٹ' جو پہلے ہی اپنے ناپسندانہ رویئے کی وجہ سے ناقابل اعتماد ہو چکی تھی' نے اس نازک موڑ پر پیپلز پارٹی کا ساتھ چھوڑ دیا۔

تحریک عدم اعتماد لانے میں پیپلز پارٹی کے دشمن اور سازشی عناصر کا ہاتھ تھا۔ اس کے علاوہ جن دیگر عوامل نے جواز فراہم کیا وہ یہ ہیں:

ا۔ 1990ء نئے انتخابات کا سال ہے۔ یہ بات امریکی نائب وزیر خارجہ چند روز پیشتر کہہ چکے تھے۔ آئی جے آئی سمجھتی تھی کہ انتخابات کے وقت پیپلز پارٹی کو حکومت سے باہر ہونا چاہئے اور انتخابات اس عبوری انتظامیہ کے تحت ہونے چاہئیں جو سابق آمریت کے دور کی پروردہ ہو جبکہ پیپلز پارٹی حالیہ دور میں بھی اس قوت سے چھٹکارہ حاصل کرنے کی خواہشمند تھی۔

۲۔ جنرل ضیاء الحق اور محمد خان جونیجو کے دور میں سینکڑوں افراد کو جو قرضے مہیا کئے گئے تھے اور معاف بھی کئے گئے تھے بینظیر بھٹو یہ قرضے ہر حال میں واپس لینا چاہتی تھی اور اس کی زد میں وہی مارشل لاء کی پروردہ قوت آتی تھی جو آئی جے آئی کی شکل میں موجود تھی۔

۳۔ پیپلز پارٹی کی حکومت تاجروں سے ٹیکس وصول کرنے کے لئے ایک بھرپور مہم چلانا چاہتی تھی لیکن تاجر برادری آئی جے آئی کی باا ثر قوت تھی جس نے حکومت کو ختم کرنے کے لئے بھرپور کوشش کی۔

۴۔ صدر کے اسمبلی تحلیل کرنے کے اختیارات مارچ 1990ء کو ختم ہونے کے امکانات تھے جس کے بعد وزیر اعظم کا عہدہ با اختیار ہو جاتا لہٰذا آئی جے آئی نے فیصلہ کیا کہ صدر کے اختیار کے ختم ہونے سے پہلے پہلے پیپلز پارٹی حکومت کو ختم کر دیا جائے۔

تحریک عدم اعتماد پیش کرنا اپوزیشن کا آئینی حق ہے لیکن اپوزیشن کو بھی چاہئے کہ وہ ایسے آئینی حقوق کا استعمال ملک اور قوم کے وسیع تر مفاد میں کرے نہ کہ اپنی انا کی تسکین کے لئے۔

Marfat.com

پیپلز پارٹی اس تحریک کو ناکام بنانے میں کامیاب ہوگئی لیکن اس دور میں قومی اسمبلی میں آئی جے آئی کے حامیوں کی تعداد میں اضافہ ہوا جو حکومت کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھا۔ اب یہ ضروری ہوگیا تھا کہ صوبائی اور مرکزی حکومتیں اپنی اپنی حدود کا تعین کر کے مفاہمانہ رویہ کے ساتھ قومی ترقی میں اپنا اپنا کردار ادا کریں۔

1990ء کا سال محاذ آرائی میں مزید شدت لے کر آیا۔ اس وقت تک سیاست کی بساط پر صدر غلام اسحٰق خان ایک تیسرے فریق کی حیثیت سے سرگرم تھے۔ مبصرین کا خیال تھا کہ فوج اور نوکر شاہی میں چند مخصوص حلقے فریقین کو عدم تعاون پر اکسا رہے تھے تاکہ ملک میں اضطرابی کیفیت جاری رہے اور عوام کو یہ باور کرایا جائے کہ ملک میں صرف مارشل لاء حکومت ہی کامیابی سے چلائی جاسکتی ہے۔

پھر ایک وقت ایسا بھی آیا جب فریقین کے رویہ میں واضح تبدیلی آئی اور مفاہمت کی راہ اختیار کرنا وقت کی اہم ضرورت سمجھا گیا۔ چنانچہ بینظیر بھٹو کی طرف سے اپریل کے آخر میں پنجاب حکومت سے مفاہمت کے سلسلہ میں مذاکرات کی تجویز پیش کی گئی۔ 3 مئی کو چوہدری شجاعت حسین اور غلام حیدر وائیں نے مرکز اور پنجاب کے درمیان مجوزہ مذاکرات کے سلسلہ میں میاں نواز شریف سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں مرکزی حکومت کی جانب سے بات چیت کی تجویز کا خیر مقدم کیا گیا۔ اس موقع پر غلام حیدر وائیں نے کہا کہ مرکز اور صوبے کے درمیان مذاکرات اور مفاہمت نہایت سنجیدہ مسئلہ ہے۔ دونوں جانب سے اس مسئلہ کو سنجیدگی سے لیا جانا چاہئے اور اخبارات میں مفاہمت کے منافی بیانات بند ہونے چاہئیں۔ اسی روز اس مقصد کے لئے وفاقی کابینہ کی خصوصی کمیٹی نے (جو بینظیر کی طرف سے قائم کی گئی تھی) پنجاب حکومت سے ابتدائی رابطہ قائم کیا۔ مذاکرات کے دوران کئی مرتبہ اتار چڑھاؤ آئے۔ ایک مرتبہ تو مفاہمت کو بالکل ہی خارج از امکان قرار دے دیا گیا لیکن اس کے باوجود امید کی جاتی رہی کہ دونوں جماعتوں کے درمیان مفاہمت کی راہ نکل آئے گی۔

12 مئی کو بینظیر بھٹو کی طرف سے قائم کردہ قومی مصلحت کمیٹی کے رکن وفاقی وزیر ہاؤسنگ وتعمیرات یوسف رضا گیلانی نے نواز شریف سے ماڈل ٹاؤن میں ملاقات کی جو ڈیڑھ

Marfat.com

گھنٹہ جاری رہی ۔انہوں نے نواز شریف کو وزیر اعظم کا پیغام دیا۔ یوسف رضا گیلانی کے مطابق نواز شریف ورکنگ ریلیشن شپ قائم کرنے میں مخلص تھے۔

16 مئی کو نواز شریف نے مذاکرات کے لئے تین رکنی کمیٹی تشکیل دی جس میں سپیکر پنجاب اسمبلی میاں منظور احمد وٹو قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کے لیڈر غلام حیدر وائیں اور ملک نعیم شامل تھے۔اس کمیٹی کا کام قومی سیاسی معاملات پر مرکزی حکومت سے مذاکرات کرانا تھا۔

15 مئی کو صدر غلام اسحق خاں نے اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ حالات میں قومی مفاہمت وقت کی اہم ضرورت ہے کیونکہ اسی میں مسائل کا حل ہے۔ وفاق اور پنجاب کو مل کر معاملات طے کر لینے چاہئیں۔انہوں نے کہا کہ سرحدوں کی موجودہ صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے سیاست دانوں کو اپنے اختلافات ختم کر لینے چاہئیں۔انہوں نے مزید کہا کہ عنقریب سیاستدانوں کے لئے ایک ضابطہ اخلاق تشکیل دیا جا رہا ہے۔ جس کے بعد ہاؤس ٹریڈنگ اور فلور کراسنگ ختم ہو جائے گی۔صدر نے دونوں حکومتوں کے درمیان مذاکرات کے امکانات کا خیر مقدم کیا۔

22 مئی کو پاکستان مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل ایم این اے غلام حیدر وائیں نے یوسف رضا گیلانی کو فون کر کے مذاکرات کے پہلے دور کی دعوت دی اس کے بعد نواز شریف نے بھی گیلانی کو فون کر کے دعوت کی توثیق کی۔

ایک طرف مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے درمیان تعلقات کی بحالی کیلئے کوششیں ہو رہی تھی تو دوسری طرف متحدہ اپوزیشن کی جماعتوں نے ایک قومی کنونشن منعقد کر دیا۔ یہ متحدہ حزب اختلاف کے زیر اہتمام منتخب نمائندوں کا پہلا قومی پارلیمانی کنونشن تھا۔ جس میں تمام پارٹیوں کے ارکان اسمبلی سینٹروں میونسپل کارپوریشنوں کے میئر ڈسٹرکٹ کونسلوں اور میونسپل کمیٹیوں کے چیئرمینوں بلدیاتی کونسلروں نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

قومی کنونشن میں حکومت کی مبینہ بدعنوانیوں' اقرباء پروری' مالی بے ضابطگیوں اور دیگر بدانتظامیوں کی دستاویزی چارج شیٹ جاری کی گئی۔ یہ کنونشن غلام مصطفیٰ جتوئی کی زیر صدارت منعقد ہوا۔جس میں حکومت کے خلاف سنگین الزامات لگانے کے علاوہ قوم کی بہتری

Marfat.com

نے لئے صدر سے راست اقدام کا مطالبہ کیا گیا۔

اسی روز 29 مئی 1990ء کو مرکز اور صوبے کی مصالحتی کمیٹیوں کے درمیان باضابطہ مذاکرات شروع ہوئے۔ تین گھنٹے جاری رہنے والے ان مذاکرات میں فیصلہ کیا گیا کہ وفاقی اور صوبائی دونوں حکومتیں ایسے بیانات جاری کرنے سے گریز کریں گی جس سے ایک دوسرے کو ملعون کرنے یا ایک دوسرے کی کردارکشی کا پہلو غالب ہو۔ دوسرے روز کے اجلاس میں مرکزی حکومت کی مذاکراتی کمیٹی نے 16 نکاتی مصالحتی ایجنڈا پیش کیا۔

30 مئی کو ہونے والے اس اجلاس میں مرکز پنجاب مصالحتی کمیٹی میں مختلف مالیاتی امور پر اتفاق رائے ہوا۔ اجلاس میں مرکز کی جانب سے صوبوں کو سالانہ ترقیاتی پروگرام کے لئے فراہم کئے جانے والے فنڈز میں اضافہ پر قومی مالیاتی کمیشن کا اجلاس بلانے اور چھ ماہ کے اندر اس کے ایوارڈ کا اعلان کرنے پر بھی اتفاق کیا گیا۔

مرکزی کمیٹی کی جانب سے پیش کئے گئے ایجنڈے کے نکات حسب ذیل ہیں:

۱۔ مصالحتی عمل کیلئے ضروری ہے کہ مناسب فضا پیدا ہو۔ وفاقی حکومت وزیراعظم اور ان کے خاندان وفاقی وزراء اور وفاق کے متعلق بیانات کا سلسلہ بند کیا جائے اس کے جواب میں پنجاب حکومت یا وزیراعلیٰ اور ان کے خاندان کے خلاف وفاقی حکومت یا ان سے متعلقہ افراد بیانات جاری نہیں کریں گے۔

۲۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے حامیوں اور دیگر عوامی نمائندوں کے خلاف سیاسی انتقام کے طور پر بنائے گئے کیس غیر مشروط طور پر واپس لئے جائیں۔

۳۔ پیپلز پارٹی کے قومی وصوبائی اسمبلی کے ارکان یا جو ارکان مرکزی حکومت کی حمایت کرتے ہیں ان کے خلاف جو انتظامی کاروائیاں کی گئی ہیں ان کو مناسب معاوضہ دیا جائے۔

۴۔ وفاقی افسران کو نہ تو ہراساں کیا جائے نہ ہی ان کے خلاف جھوٹے مقدمات بنائے جائیں۔ حال ہی میں پاکستان بینکنگ کونسل کے ایک سینئر رکن کے خلاف جو ہیروئن کیس بنایا گیا ہے وہ فوری طور پر واپس لیا جائے اس طرح کے اور کیس بھی واپس لئے جائیں۔

۵۔ وفاقی حکومت کی رٹ کو تسلیم کیا جائے اس سمت قدم بڑھاتے ہوئے فیڈرل کیڈر

Marfat.com

پوسٹوں کو صوبے میں جگہ دیں ماضی کی روایت اور مرکزی حکومت کی ہدایت کے مطابق۔

۶۔ ایسی تمام کاروائیوں کو روکا جائے جس سے وفاق کی حیثیت کو نقصان پہنچے یا کم ہو مثلاً پنجاب بینک، پنجاب ٹی وی۔ صوبائی واپڈا کے قیام اور قیمتوں میں اضافے پر ہڑتالوں کا سلسلہ بند کیا جائے۔

۷۔ عالمی مالیاتی فنڈ نے بجٹ کے سلسلے میں جو شرائط رکھی ہیں اس پر سختی سے عملدرآمد کیا جائے۔ شرائط کے تحت اخراجات کو وسائل تک محدود رکھا جائے غیر ضروری اخراجات کیلئے کرنٹ اکاؤنٹ سے رقم نہ نکلوائی جائے۔

۸۔ صوبائی حکومتوں پر جو آئینی حدود لاگو ہوتی ہیں ان پر سختی سے عملدرآمد کیا جائے خصوصاً خارجہ پالیسی دوسرے ممالک کے سربراہوں سے تعلقات میں کسی طرح کی مداخلت نہ کی جائے اگر کوئی رابطہ ضروری ہو تو ایسا فارن آفس کے ذریعے کیا جائے۔

۹۔ پنجاب میں کسی دوسرے صوبے کے جرائم پیشہ افراد کو پناہ نہ دی جائے۔

۱۰۔ غیر ملکی حکومتوں کے سربراہوں اور دوسری شخصیات کو شکار کے لئے جگہ صرف وفاقی حکومت دے۔

۱۱۔ پنجاب اسمبلی میں پیپلز پارٹی کے ارکان کو صوبے کے سالانہ ترقیاتی پروگرام میں حصہ دیا جائے۔

۱۲۔ انتظامیہ اور پولیس کے افسران کو صرف سنیارٹی اور کارکردگی کی بنیاد پر تعینات کیا جائے۔

۱۳۔ وفاقی کابینہ کے ارکان اور وفاقی افسروں کو قواعد کے مطابق مناسب پروٹوکول دیا جائے۔

۱۴۔ پنجاب حکومت کی سرکاری مشینری کو وفاقی حکومت کے خلاف پراپیگنڈہ کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔

۱۵۔ وفاقی حکومت کی طرف سے برطرف یا ریٹائر کئے گئے افسروں کو صوبے میں کسی قسم کی ملازمت نہ دی جائے حتیٰ کہ معمول کے مطابق ریٹائر ہونے والے افسران کو بھی قواعد کے مطابق ملازمت دینے سے قبل مرکزی حکومت سے اجازت لی جائے۔

Marfat.com

صوبائی حکومت کے ایجنڈے کے نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان کی فلور کراسنگ کے خلاف ایک مشترکہ معاہدہ کیا جائے تاکہ اس معاہدے کے تحت 2 دسمبر 1988ء سے فلور کراسنگ کے بارے میں آئینی ترمیم کی جائے جو کہ نقائص سے پاک ہو۔

۲۔ ارکان قومی اسمبلی وصوبائی اسمبلی کے خلاف بدعنوانیوں کی شکایات کا جائزہ لینے کے لئے ایک اعلیٰ سطحی کمیشن قائم کیا جائے۔

۳۔ پیپلز ورکس پروگرام کے تحت ترقیاتی فنڈ قومی وصوبائی اسمبلی کے ارکان اور سینٹرز کو بلا اختیار پارٹی سے وابستگی کے دیئے جائیں اور اس پروگرام پر عملدرآمد بنیادی طور پر صوبائی حکومتوں اور لوکل کونسلروں کی وساطت سے کیا جائے۔

۴۔ دیہاتوں میں بجلی کی فراہمی کے لئے دیہاتوں کی نشاندہی کا کام صوبائی حکومت کی ذمہ داری ہو۔

۵۔ شہری اور دیہاتی علاقوں میں گیس کی فراہمی کا جو فارمولا طے ہے اس پر سختی سے عملدرآمد کیا جائے۔

۶۔ وفاق اور صوبوں کے درمیان سالانہ ترقیاتی پروگرام کی تقسیم کا فارمولا:

الف۔ صوبوں کا حصہ بڑھا دیا جائے۔

ب۔ تقسیم مجموعی وسائل کی بنیاد پر ہو بیرونی امداد کو اس میں سے خارج نہ کیا جائے۔

۷۔ قومی مالیاتی کمیشن کا اجلاس فوری طور پر بلایا جائے۔ اس کمیشن کے ایوارڈ کا اعلان تین ماہ میں کیا جائے تاکہ معاملات کو طے کیا جائے۔

۸۔ مشترکہ مفادات کی کونسل کا اجلاس فوری طور پر بلایا جائے تاکہ ایک مشترکہ ایجنڈے پر متفق ہوا جا سکے۔

۹۔ زکوۃ اور عشر کی تقسیم کا پرانا فارمولا بحال کیا جائے۔

۱۰۔ زرعی قرضوں کیلئے پنجاب کو کوآپریٹو بنک کی طرف سے مناسب فنڈ ز دیئے جائیں۔

Marfat.com

۱۱۔ صوبہ پنجاب کے لئے فیڈرل ورکرز ویلفیئر کے فنڈ سے رقم فراہم کی جائے۔

۱۲۔ منفی پالیسی پر مناسب طور پر عملدرآمد کیا جائے اور پراجیکٹس کے لئے میرٹ کی بنیاد پر قرضے فراہم کے لئے صوبوں سے رابطہ رکھا جائے۔

۱۳۔ مرکز اور صوبوں کے درمیان امن وامان کی بہتری کیلئے تعاون اور غیر معقول مجرمان کی رہائی کا معالہ زیر غور لانا۔

۱۴۔ الیکٹرانک اور دوسرے میڈیا سے یک طرفہ پراپیگنڈہ بند کیا جائے اور اس میں توازن پیدا کیا جائے۔ اس میں صوبوں اور اپوزیشن کو بھی مناسب حصہ دیا جائے۔

۱۵۔ ایک مخصوص مدت میں پانی کی تقسیم کے فیصلے کے لئے عدالتی کمیشن کا قیام اور کالا باغ ڈیم کی تعمیر کی یقین دہانی۔

۱۶۔ پنجاب حکومت کی سفارشات کے مطابق وولر بیراج کی تعمیر پر گفت وشنید

کراچی اور حیدرآباد کی صورتحال انتہائی خراب ہو چکی تھی۔ دہشت گردی قتل وغارت روزمرہ کا معمول بن چکا تھا۔ پچھلے چند مہینوں میں سینکڑوں بے گناہ لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ مرکزی حکومت کا خیال تھا کہ دہشت گردی کی وارداتوں میں جیئے سندھ اور ایم کیو ایم کے لوگ ملوث ہیں جبکہ پنجاب حکومت ایم کیو ایم کی حمایت کر رہی تھی۔ کراچی اور حیدرآباد میں بم دھماکے بھی تسلسل کے ساتھ ہو رہے تھے اور سندھ کی سول حکومت دہشت گردوں سے نپٹنے میں ناکام ہو چکی تھی۔

سندھ کی حکومت اپنی مدد کے لئے فوج کو بلانا چاہتی تھی لیکن مرکزی حکومت اس کی منظوری دیتے ہوئے شش وپنج میں پڑی ہوئی تھی۔ یکم جولائی 1990ء کو چیف آف دی آرمی سٹاف جنرل اسلم بیگ نے ایک بیان میں کہا کہ قانونی اختیارات ملنے پر فوج سندھ میں فوری امن بحال کرسکتی ہے۔ بی بی سی نے جنرل بیگ کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ بے نظیر حکومت کی طرف سے ملنے والی یقین دہانیوں کے باوجود سندھ کی صورتحال پر وزیراعظم اور فوج کے درمیان کش مکش جاری ہے۔ نسلی فسادات دہشت گردی اور ڈاکوؤں کے خاتمہ کے لئے جو کاروائیاں کی جارہی تھیں وہ ابھی تک کوئی واضح صورت اختیار نہیں کرسکیں۔ بی بی سی کے مطابق

Marfat.com

فوج آئین کی دفعہ 245 کے تحت غیر معمولی اختیارات کا مطالبہ کر رہی ہے۔ متذکرہ آئینی شق کے تحت فوج کے اس مطالبے کا مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ عدالتوں کے اختیارات معطل کر دیئے جائیں گے اور ان کی جگہ امن بحال کرنے والی فوج کو دہشت گردوں پر مقدمات چلانے کا اختیار مل جائے گا۔ اسلام آباد اور سندھ میں فوج کے اس مطالبے کے بارے میں شکوک وشبہات پائے جاتے ہیں کیونکہ ان کا خیال ہے کہ فوج کو عدالتی اختیارات دینے سے ملک میں جمہوری حکومت کی بدنامی ہوگی بلکہ حکمران جماعت پاکستان پیپلز پارٹی کے لئے اس کے اپنے صوبے میں منفی نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے امریکہ نے دھمکی دی کہ اگر فوج نے اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کی تو وہ پاکستان کے لئے امداد بند کر دے گا۔ اگر پاکستان جمہوریت کی طرف گامزن رہا تو امریکی حمایت بھی جاری رہے گی۔ اس وقت امریکہ اور روس کی افغان پالیسی میں بھی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں اور وہ دونوں ممالک افغان مسئلے سے اپنی جان چھڑانے کی کوشش کر رہے تھے۔ پاکستان کے ذریعے افغان مہاجرین کو دی جانے والی اربوں ڈالر کی فوجی اور مالی امداد میں بھی کمی کر دی گئی تھی۔ اس امداد میں کمی کی وجہ سے امریکہ بھارت تعلقات میں بہتری پیدا ہو رہی تھی اور پاکستان میں جمہوریت کے استحکام کے معاملے پر امریکی پالیسی سازوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی تھی۔ ادھر پاک بھارت تعلقات میں زبردست کشیدگی پائی جاتی تھی اور پاکستان ایک اسلامی ملک ہونے کے حوالے سے ایران سے اپنے تعلقات مستحکم کر رہا تھا اور ان دنوں میں پاکستان میں بے نظیر کے لئے امریکی حمایت کو خاصا اہم سمجھا جا رہا تھا۔

7 جولائی کو صدر غلام اسحٰق خان نے ایک بیان میں کہا کہ سندھ کا مسئلہ سیاسی مسئلہ ہے اور اس کا سیاسی حل کے علاوہ اور کوئی حل نہیں سب کو جان لینا چاہئے کہ جمہوری نظام میں طاقت کا استعمال مسئلہ کا حل نہیں ہوتا۔

پنجاب کے وزیر اعلیٰ میاں نواز شریف بھی فوج کو اختیارات دینے کے لئے متعدد بیان دے چکے تھے۔

11 جولائی کو وزیر داخلہ چوہدری اعتزاز احسن نے بھی ایک بیان دیتے ہوئے کہا کہ

Marfat.com

فوج کو عدالتی اختیارات دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وفاقی حکومت سندھ میں امن وامان کی بحالی کے لئے ایسا کوئی طریقہ اختیار کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی جس سے اعلیٰ عدالتوں کے اختیارات میں مداخلت ہوتی ہو۔ انہوں نے واضح کیا کہ 1985ء کا آئین بحال ہونے کے بعد صوبہ سندھ میں سول انتظامیہ نے متعدد مرتبہ فوج کو بلایا۔ تین مواقع پر سندھ میں زبردست آرمی ایکشن ہوئے۔ لیکن اس دور میں آئین کے آرٹیکل 245 اور 147 کا معاملہ بالکل نہ اٹھایا گیا اور سندھ ہائی کورٹ نے بھی آزادانہ کام کیا۔

17 جولائی کو بے نظیر نے وزیر داخلہ کے فیصلہ کی توثیق کرتے ہوئے کہا کہ فوج کو سندھ میں آرٹیکل 245 کے اختیارات نہیں ملیں گے۔ سندھ حکومت نے فوج کو مدد کے لئے بلایا ہے اس لئے فوج کو آرٹیکل 147 کے اختیارات حاصل ہوں گے اور اگر مرکزی حکومت فوج کو مدد کے لئے بلاتی تو آرٹیکل 245 کے اختیارات ملتے۔ لیکن چونکہ آرٹیکل 245 کے تحت بنیادی حقوق معطل ہوتے ہیں اس لئے ہم اس کے مخالف ہیں۔

مرکزی حکومت کو جن متعدد بحرانوں کا سامنا تھا ان میں ایک شریعت بل کا مسئلہ بھی تھا۔ جو 13 مئی 1990ء کو آٹھ ترامیم کے ساتھ متفقہ طور پر سینٹ میں منظور کر لیا گیا۔ اس بل پر پارلیمنٹ سے اندر اور باہر گزشتہ پانچ سال سے بحث جاری تھی۔ یہ بل 13 جولائی 1985ء کو سینٹ میں پیش کیا گیا لیکن اس وقت کے وزیر اعظم محمد خان جونیجو اور ان کی مسلم لیگ اسے منظور کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتی تھی۔ اب وہی مسلم لیگ جو آئی جے آئی میں شامل اور جن کی سینٹ میں اکثریت تھی اس بل کو پاس کر چکی تھی۔ یہ بل اب قومی اسمبلی میں پیش کیا جائے گا۔ اس بل کا مقصد قرارداد مقاصد اور 1973ء کے آئین میں پیش کردہ مقصد کے مطابق ملک میں اسلامی شریعت کی بالادستی قائم کرنا تھا اور یہ کہ ملک میں عدالتی نظام، قومی معیشت، ذرائع ابلاغ اور تعلیم وغیرہ کے شعبوں کو اسلامی قوانین میں ڈھالنا وغیرہ شامل تھا۔

شریعت بل میں کہا گیا تھا کہ روزمرہ زندگی کے ہر پہلو کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالا جائے۔ اگر یہ بل قانون کی شکل میں پورے طور پر لاگو ہو جاتا تو اس کا اثر عدلیہ ''معیشت'' ابلاغ عامہ اور زندگی کے ہر شعبہ پر پڑتا۔ اس کے تحت وفاقی شرعی عدالت کو یہ اختیار حاصل ہو جاتا کہ وہ

Marfat.com

اگر کسی عدالت کے فیصلے کو غیر اسلامی سمجھے تو اسے کالعدم قرار دے دے۔

شریعت بل کی دہائی دراصل بے نظیر بھٹو حکومت کیلئے پریشانیاں پیدا کرنے کے لئے دی جا رہی تھی۔ ان کے لئے یہ بل کڑی آزمائش کا درجہ رکھتا تھا۔ اگر وہ اس کی حمایت کرتیں تو ان کا عہدہ خطرے میں پڑ جاتا اور اس بل کی مخالفت سے ان پر اسلام دشمن ہونے کا الزام لگتا۔

19 جولائی کو بے نظیر نے لاہور ایئرپورٹ پر اخبار نویسوں کے سوالوں کے جواب دیتے ہوئے کہا ہم پارلیمنٹ کی بالادستی قائم رکھیں گے ویسے بھی ہم انسانوں کے ہاتھ کان کاٹنا مناسب نہیں سمجھتے۔

بے نظیر کے اس بیان پر بعض علماء نے تنقید کی بعض نے شریعت بل کے نقصان دہ پہلوؤں کی نشان دہی کی۔ اب قارئین کی دلچسپی کیلئے مرکزی حکومت اور فوج کے درمیان تنازعہ پیدا کرنے والی شقوں کا متن پیش کیا جاتا ہے۔

آرٹیکل۔ 147

صوبوں کا وفاق کو کارہائے منصبی سپرد کرنے کا اختیار

دستور میں شامل کسی امر کے باوجود کسی صوبے کی حکومت' وفاقی حکومت کی رضامندی سے کسی ایسے معاملے سے متعلق جو صوبے کے عاملانہ اختیار کے دائرہ میں آتا ہو کارہائے منصب' یا تو مشروط یا غیر مشروط طور پر' وفاقی حکومت یا اس کے عہدیداروں کے سپرد کر سکے گی۔

آرٹیکل۔ 148

صوبوں اور وفاق کی ذمہ داری

۱۔ ہر صوبے کا عاملانہ اختیار اس طرح استعمال کیا جائے گا کہ اس سے ان وفاقی قوانین کی تعمیل کی ضمانت ملے جو اس صوبے میں اطلاق پذیر ہوں۔

۲۔ اس باب کے کسی دوسرے حکم پر اثر انداز ہوئے بغیر' کسی صوبے میں وفاق کے عاملانہ اختیار کو استعمال کرنے میں اس صوبے کے مفادات کا لحاظ رکھا جائے گا۔

۳۔ وفاق کا یہ فرض ہوگا کہ ہر صوبے کو بیرونی جارحیت اور اندرونی خلفشار سے محفوظ رکھے اور اس بات کو یقینی بنائے کہ ہر صوبے کی حکومت دستور کے احکام کے مطابق چلائی جائے۔

Marfat.com

آرٹیکل۔245

مسلح افواج کے کارہائے منصبی

۱۔ مسلح افواج، وفاقی حکومت کی ہدایات کے تحت، بیرونی جارحیت جنگ کے خطرے کے خلاف پاکستان کا دفاع کریں گی اور قانون کے تابع، شہری حکام کی امداد میں، جب ایسا کرنے کے لئے طلب کی جائیں کام کریں گی۔

۲۔ شق (1) کے تحت وفاقی حکومت کی طرف سے جاری شدہ کسی ہدایت کے جواز کو کسی عدالت میں زیر اعتراض نہیں لایا جائے گا۔

۳۔ کوئی عدالت عالیہ کسی ایسے علاقے میں جس میں پاکستان کی مسلح افواج، فی الوقت، آرٹیکل 245 کی تعمیل میں شہری حکام کی مدد کے لئے کام کر رہی ہوں، آرٹیکل 199 کے تحت کوئی اختیار جماعت استعمال نہیں کرے گی۔

مگر شرط یہ ہے کہ اس شق کا اس دن سے عین قبل جس پر مسلح افواج نے شہری حکام کی مدد کے لئے کام کرنا شروع کیا ہو کسی زیر سماعت کاروائی سے متعلق عدالت عالیہ کے اختیار سماعت کو متاثر کرنا مقصود نہیں ہوگا۔

۴۔ شق نمبر 3 میں حوالہ علاقہ سے متعلق کوئی کاروائی جسے اس دن یا اس کے بعد دائر کیا گیا ہو جبکہ مسلح افواج نے شہری حکام کی مدد کے لئے کام شروع کیا ہو اور جو کسی عدالت عالیہ میں زیر سماعت ہو اس عرصے کے لئے معطل رہے گی جس کے دوران مسلح افواج یا میں طور کام کر رہی ہوں۔

27 جولائی کو کور کمانڈروں کا ایک اہم اجلاس تین روز تک حالات واقعات کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد ختم ہو گیا۔ اس اجلاس میں ملکی سلامتی سے تعلق رکھنے والے بہت سے معاملات پر غور کیا گیا۔ اس سے اگلے روز بری فوج کے سربراہ جنرل مرزا اسلم بیگ نے وزیراعظم ہاؤس میں وزیراعظم بے نظیر بھٹو سے ملاقات کی۔ دفاع کے وزیر مملکت کرنل ریٹائر غلام سرور چیمہ بھی اس موقع پر موجود تھے۔ وزیراعظم اور فوج کے سربراہ کے درمیان سندھ میں امن وامان کی صورتحال کے تناظر میں فوج کے آئینی کردار اور دہشت گردی کے خلاف آپریشن کو کامیاب بنانے کے لئے

Marfat.com

فوج اور سول انتظامیہ کے درمیان تعاون کی حکمت عملی طور پر تفصیلی تبادلہ خیال ہوا۔ جنرل مرزا اسلم بیگ نے بے نظیر کو گذشتہ روز ہونے والے کور کمانڈروں کے اجلاس کی تفصیلات سے بھی آگاہ کیا۔
اس ملاقات میں سندھ کی صورتحال کے حوالے سے مختلف آئینی پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا اور اس بات پر اتفاق کیا گیا کہ فوج کو آئین کے تحت مناسب اختیارات دیتے ہوئے اس بات کو یقینی بنایا جائے گا کہ دہشت گردی کے خلاف آپریشن مکمل کامیابی سے ہمکنار ہو جائے۔

اس سلسلے میں غلام مصطفیٰ جتوئی کا ایک بیان بڑی اہمیت کا حامل ہے جو یہ کہ
''وزیراعظم کو ہٹانے کا پورا پروگرام ہے لیکن حکمت عملی کا انکشاف نہیں کروں گا۔''

پاکستان کی تازہ ترین صورتحال پر برطانوی اخبار ''انڈی پینڈنٹ'' نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ بے نظیر بھٹو اور فوج کے درمیان صوبہ سندھ میں پالیسی پر اختلافات اب بڑھ کر قومی اور خارجہ پالیسی کے تمام پہلوؤں پر تصادم کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ بے نظیر بھٹو کی پارٹی کے کئی ارکان بغاوت کر رہے ہیں اور انہیں آنے والے دنوں میں متعدد امور کا سامنا کرنا پڑے گا۔
بے نظیر بھٹو فوج کے اس مطالبے کو ماننے سے انکار کر رہی ہیں کہ سندھ میں نسلی تشدد کے خاتمہ کے لئے فوج کو لامحدود اختیارات دے دیئے جائیں۔ کشمیر پر بھارت اور پاکستان کے درمیان کشیدگی کے تناظر میں بے نظیر حکومت بے تابی سے اس بات کے لئے کوشاں تھی کہ پاکستان سرحدوں پر متعین بھارت کی ساڑھے تین لاکھ فوج کو واپس بلا لیا جائے لیکن پاکستانی فوج کو اعتماد ہے کہ وہ بھارت کی جارحانہ صلاحیت کا مقابلہ کر سکتی ہے اس لئے فوج کو اصرار تھی کہ حکومت بھارتی مطالبات کے سامنے نہ جھکے اور نہ ہی اس کی شرارت کے سامنے ہتھیار ڈالے۔
بے نظیر حکومت کو اس پر بھی گہری تشویش تھی کہ سات ماہ سے فوج کو چوکس رکھنے پر ہونے والے اخراجات نے ملک میں معاشی حالات بہتر بنانے کی امیدوں کو بکھیر کر رکھ دیا تھا۔ ادھر عالمی طاقتیں جوں جوں افغان مسئلہ کے حل کے قریب پہنچ رہی تھیں بے نظیر بھٹو یہ کوشش کر رہی تھیں کہ پاکستان کی فارن پالیسی بنانے کے معاملے کو فوج سے واپس لے کر وہ دوبارہ حکومت اور وزارت خارجہ کے ہاتھوں میں دے دیا جائے۔
فوج اس کی مزاحمت کر رہی تھی اور اس کا اصرار تھا کہ فرسودہ جنگ کے ذریعے بالآخر

Marfat.com

فوج اس کی مزاحمت کر رہی تھی اور اس کا اصرار تھا کہ فرسودہ جنگ کے ذریعے بالآخر افغانستان کے صدر نجیب اللہ کا تختہ الٹ دیا جائے گا۔ بھارت اور افغانستان دونوں مسائل پر بے نظیر بھٹو کو امریکہ کی حمایت حاصل تھی لیکن امریکی سفیر رابرٹ اوکلے کے ذریعے بے نظیر بھٹو کو امریکہ میں جو اثر ورسوخ حاصل تھا اس نے فوج کو مزید ناراض کر دیا تھا۔ امریکہ کو اس بات پر سخت پریشانی ہے کہ پاکستانی فوج کا ایران کے ساتھ فوجی تعلقات میں اضافہ ہو رہا ہے اور ایران بھارت کے خلاف کشمیری حریت پسندوں کی حمایت کر رہا ہے۔ بے نظیر حکومت کے سینئر وزراء فوج پر الزام لگا رہے تھے کہ وہ جان بوجھ کر حکومت کو غیر مستحکم کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور حکمران پیپلز پارٹی میں اختلافات سے ناجائز فائدہ اٹھا رہی ہے۔ پنجاب میں پیپلز پارٹی کے ایک سرکردہ رہنما غلام مصطفیٰ کھر نے بے نظیر بھٹو سے تعلق توڑ لیا اور حکومت پر الزام لگایا کہ وہ نا اہل اور بدعنوان ہے۔ ایک دوسرے بااثر سندھی لیڈر مخدوم خلیق الزمان بھی کھل کر بے نظیر بھٹو کو تنقید کا نشانہ بنا رہے تھے۔ غلام مصطفیٰ کھر اور مخدوم خلیق الزماں مل کر پیپلز پارٹی کا ایک باغی گروپ بنا رہے تھے جو پیپلز پارٹی کا نیا لیڈر مقرر کرنے پر زور دے گا آئندہ چند ہفتوں میں بے نظیر بھٹو کو اپوزیشن پارٹیوں سے کئی مقابلے کرنے پڑیں گے اپوزیشن پارٹیاں گزشتہ اٹھارہ ماہ سے کوشاں تھیں کہ بے نظیر بھٹو کو ہٹانے کے لیے انہیں فوج کی حمایت حاصل ہو جائے۔ قومی اسمبلی کے اگلے اجلاس میں شریعت بل زیر بحث آئے گا بے نظیر بھٹو کی حکومت نے شدت سے اس بل کی مخالفت کی کیونکہ اس کا کہنا تھا کہ بل کے نفاذ سے فرقہ واریت میں اضافہ ہوگا۔

اگر اپوزیشن کے مطالبے کے مطابق قومی اسمبلی اور سینٹ کا مشترکہ اجلاس طلب کیا گیا تو اس بل پر پیپلز پارٹی کو شکست ہو جائے گی۔ 17 اگست کو جنرل ضیاء الحق کی دوسری برسی پر ان کے بیٹے اسلام آباد میں جنرل ضیاء کی قبر پر ایک بڑے اجتماع کا اہتمام کر رہے تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ وہ جلوس کی شکل میں قومی اسمبلی جائیں گے اور شریعت بل کی منظوری کا مطالبہ کریں گے۔ دریں اثناء محرم الحرام کے ان دنوں میں سنی اور شیعہ مسلمانوں میں فرقہ وارانہ فسادات کا خدشہ بڑھ گیا تھا۔ فوج کو جسے پہلے پورے سندھ میں متعین کیا جا چکا تھا اب پنجاب میں فیصل آباد اور جھنگ میں امن قائم کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو اور مسلح افواج میں مصالحت کی بے حد کم امید تھی اور یہ واضح نظر آتا تھا کہ ان کی حکومت کو جان بوجھ کر غیر مستحکم کیا جا رہا ہے۔ فوجی حکام

Marfat.com

کا کہنا تھا کہ بے نظیر حکومت کے اندر نا اہلیت کی وجہ سے پاکستان کے قومی مفادات کو نقصان پہنچ رہا ہے گو کہ فوج کے سربراہوں نے اعلان کیا کہ وہ مارشل لاء کے مخالف ہیں اور جمہوریت کو لازمی طور پر جاری رہنا چاہیے لیکن بہت سے لوگ سوچ رہے تھے کہ فوج اب یا مستقبل میں کسی سویلین قیادت سے تعاون کر سکتی ہے۔

ادھر برطانوی اخبار ٹائمز نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ فوج کو سندھ میں نسلی بدامنی پر قابو پانے کے لیے نئے اختیارات دیے جا رہے ہیں جن پر علاقہ میں فوج کے بڑھتے ہوئے کردار کے متعلق اعتراضات کیے جا رہے ہیں۔ حکومت کی جانب سے اختیارات دینے سے انکار پر فوج کھل کر تلملا رہی ہے۔ وزیراعظم بے نظیر بھٹو نے فوج کے اس مطالبے کو سختی سے مسترد کر دیا ہے کہ فوج کو سندھ میں نظم و نسق کی مجموعی ذمہ داری سونپ دی جائے لیکن ان کی حکومت نے اب صدر سے کہا ہے کہ وہ فوج کے اختیارات میں اضافہ کر دیں۔

حکومت سندھ کا کہنا تھا کہ لامحدود اختیارات کے استعمال کے سلسلے میں فوج پر اعتماد کیا جا سکتا ہے کیونکہ لوگوں کو یاد ہے فوج نے 1983ء میں سندھ میں مارشل لاء کے خلاف تحریک کو جس بے رحمانہ طریقے سے کچلا تھا۔ جون میں صوبائی حکومت کی درخواست پر سندھ میں فوج کو متعین کیا گیا۔ اس کے بعد فوج نے اپنی تعداد میں کافی اضافہ کر لیا اور اب وہ صوبے میں زیادہ بڑا کردار ادا کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ صرف کراچی میں پانچ ہزار فوج اور دس ہزار پیراملٹری فورسز کو متعین کیا گیا۔ اس سے کئی ہزار زیادہ فوجی حیدرآباد میں متعین تھے۔ کچھ عرصہ سے فوج اصرار کر رہی تھی کہ سندھ میں پولیس اور عدالتیں موجود حالات سے نہیں نمٹ سکتیں۔

اس ساری صورتحال میں نمایاں اہمیت اس آرڈی نینس کو حاصل تھی جس پر کئی روز گزرنے کے باوجود صدر نے مہر تصدیق ثبت کر کے اسے باقاعدہ قانونی شکل نہیں دی تھی اور صدر نے 5 اگست کے مسودہ قانون حکومت کو بغیر دستخط کیے واپس بھجوا دیا۔ اس آرڈیننس کے اجراء کا مقصد ضابطہ فوجداری کی دفعہ 131 اے میں ترمیم کر کے شہری انتظامیہ کی مدد کے لیے طلب کردہ مسلح افواج کے دستوں کو پولیس کے اختیارات دینا تھا۔ اس کام میں شریک حکام دہشت گردی اور تخریب کاری کے مقدمات درج کرنے کے مجاز قرار پائے۔ حکومت اور اپوزیشن

Marfat.com

کے آئینی ماہرین اس بارے میں متضاد تاویلیں پیش کر رہے تھے۔ اپوزیشن سندھ میں فوج کو آئین کے آرٹیکل 245 کے تحت مکمل اختیارات دینے کا مطالبہ کرتی رہی تھی۔ پیپلز پارٹی کے آئینی ماہرین کا اعتراض تھا کہ آرٹیکل 245 کے تحت ایسے اختیارات سے بنیادی حقوق متاثر ہوں گے جبکہ اپوزیشن کا کہنا تھا کہ اس آرٹیکل کے تحت فوج کو اختیارات سے صرف ہائی کورٹ کا دائرہ اختیار ختم ہوگا۔ جبکہ سپریم کورٹ کے دائرہ اختیار میں کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

فوجداری ضابطہ 124 کے تحت پہلے بھی مسلح افواج کو یہ اختیار حاصل تھا کہ کوئی بھی فوجی کمانڈر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدم موجودگی میں کسی غیر قانونی اجتماع کو منتشر کرنے کے لیے کارروائی کرسکتا ہے تاہم اسے اپنی اس کارروائی کا اولین وقت میں مجسٹریٹ کو جواز پیش کرنا ہوگا۔ تاہم دفعہ 131 اے کے تحت فوج کو تخریب کاری اور دہشت گردی میں ملوث کسی شخص کے خلاف مقدمہ کرنے کا اختیار نہیں تھا تاکہ کسی فرد کو قانونی کارروائی کے بغیر نہ چھوڑا جا سکے۔

آئینی ذمہ داریوں کی یہ بحث اس وقت دھری کی دھری رہ گئی جب مقتدر قوتوں نے اسمبلیوں کی تحلیل کا فیصلہ کرلیا اور سیاسی عمل تعطل کا شکار ہونے کو جا رہا تھا۔

آخری وقت پر صدر مملکت کے اس اقدام کا توڑ کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی اور اسمبلیوں کو توڑنے کا حتمی فیصلہ کیا جا چکا تھا۔ 6 اگست کو جب وزیراعظم بیگم بے نظیر بھٹو کو اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ صدر مملکت کوئی انتہائی قدم اٹھانے والے ہیں تو انہوں نے ایوانِ صدر سے رابطہ قائم کیا لیکن وہاں سے ملنے والے جواب کے مطابق صورتحال معمول کے مطابق تھی۔ تشویش کی کوئی بات نہ تھی۔ بے نظیر نے اس روز اسلام آباد میں موجود تمام وفاقی وزراء وزرائے مملکت اور دیگر ساتھیوں کو وزیراعظم ہاؤس طلب کیا اور موجودہ صورتحال پر تفصیلی تبادلہ خیال کیا۔ وفاقی وزیر پارلیمانی امور خواجہ طارق رحیم اور وزیر قانون افتخار گیلانی کی اس تجویز پر سب نے اتفاق کیا کہ صدر مملکت سے وزیراعظم کی جانب سے قومی اسمبلی کا اجلاس 8 اگست کو طلب کرنے کی درخواست کی جائے۔ اور ان سے کہا جائے کہ اس سلسلے میں فوری طور پر نوٹیفکیشن پر دستخط کردیں اگر صدر کی جانب سے ایسا کردیا گیا تو اس کا واضح مطلب ہوگا کہ صدر نے اسمبلیوں کو نہیں توڑا اور نہ ہی کوئی بڑی تبدیلی آنے والی ہے لیکن اس سلسلے میں وزیراعظم اور ان

Marfat.com

رفقاء کو بڑی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا جب ایوان صدر کی جانب سے نوٹیفکیشن پر دستخط کرنے کے سلسلے میں ٹال مٹول سے کام لیا گیا۔ برسراقتدار پارٹی کے لیڈروں کو یقین ہو گیا کہ اب کوئی تبدیلی آنے والی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ان کے اقتدار کا سورج غروب ہونے والا تھا۔ اس موقع پر وزیراعظم کو یہ مشورہ دیا گیا کہ اب صورتحال کو سنبھالنے کا ایک ہی طریقہ رہ گیا ہے کہ بے نظیر بھٹو اور میاں نواز شریف کے درمیان صلح کرادی جائے اور دونوں لیڈر فوری طور پر صدر اسحاق خان سے ملاقات کر کے انہیں یہ خبر دیں کہ ان کے درمیان موجود تنازعات پر سمجھوتہ ہو گیا ہے اور دونوں نے صلح کر لی ہے۔ چنانچہ اس اہم کام کے لیے وزیراعظم بے نظیر کے قریبی ساتھی اور ان کے ''گشتی مشیر'' مسٹر پپی مینوالہ کا انتخاب کیا گیا۔

چنانچہ سب سے پہلے پپی مینوالہ نے اس سلسلے میں صدر مملکت سے ملاقات کی اور ان سے حالات کے بارے میں تبادلہ خیال کیا لیکن حسب سابق صدر مملکت نے ان کے اس خدشہ کی تائید نہیں کی کہ اسمبلیاں توڑی جا رہی ہیں اور یہ کہ غلام اسحٰق خان نے ان سے کہا کہ حالات بہت خراب ہو چکے ہیں ان کی اصلاح کی تدبیر کرنی چاہیئے۔

صدر مملکت غلام اسحٰق خان سے ملاقات کے بعد بے نظیر بھٹو اور ان کے قریبی رفقاء نے ایک مرتبہ پھر سر جوڑ کر صلاح مشورے کئے اور طے پایا کہ پپی مینوالہ وزیراعلیٰ میاں نواز شریف سے ملاقات کر کے انہیں تفصیلات سے آگاہ کریں۔ میاں نواز شریف اور پپی مینوالہ کے درمیان پہلے ہی میل ملاقات تھی۔ چنانچہ دوپہر کو پپی مینوالہ وزیراعظم کے خصوصی طیارے کے ذریعے اسلام آباد سے لاہور پہنچے اور ایئر پورٹ پر اترتے ہی سیدھے وزیراعلیٰ ہاؤس گئے۔ نواز شریف کو ان کی آمد کی اطلاع پہلے ہی مل چکی تھی۔ پپی مینوالہ نے میاں نواز شریف کو اسلام آباد میں ہونے والی سرگرمیوں کے بارے میں تفصیل سے آگاہ کیا۔ اور آپس کے اختلافات دُور کرنے کیلئے اصرار کیا۔

پپی مینوالہ نے میاں نواز شریف سے کہا کہ وہ بے نظیر سے ملاقات کر کے صلح صفائی کر لیں انہوں نے استدعا کی کہ میاں نواز شریف اسی وقت ان کے ساتھ اسلام آباد چلیں کیونکہ شام چھ بجے بے نظیر صدر اسحٰق خان سے ملاقات کرنے والی ہیں اور وہ بھی صدر اسحٰق سے ملیں اور

Marfat.com

دونوں مل کر انہیں بتائیں کہ آپ کے آپس کے جھگڑے طے ہو گئے ہیں اور یہ کہ اسمبلیوں کو ٹوٹنے سے بچانے کیلئے یہی ایک صورت رہ گئی ہے لیکن میاں نواز شریف نے ان سے کہا کہ اب اس میں بہت دیر ہو چکی ہے۔

انہوں نے مسٹر مینوالہ کو گواہ بنا کر کہا کہ ان کی جانب سے ہمیشہ صلح صفائی کی کوشش کی گئی اور صوبہ کی طرف سے ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ جمہوری ادارے قائم رہیں اور مستحکم ہوں لیکن مرکز کی طرف سے کبھی بھی مثبت جواب نہیں دیا گیا اور صوبہ کے مسائل میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔

اسلامی جمہوری اتحاد کے صدر میاں نواز شریف نے مسٹر مینوالہ پر یہ بات واضح کر دی تھی کہ اگر جمہوری اداروں اور جمہوری سسٹم کو نقصان پہنچا تو اس کی ذمہ داری صرف اور صرف حکمران پیپلز پارٹی پر عائد ہو گی۔ میاں نواز شریف نے کہا کہ ہم نے تو ہمیشہ آپس میں ''تعلقات کار'' قائم کرنے اور عوام کو مینڈیٹ کو تسلیم کرنے کی بات کی ہے۔ مگر بدقسمتی سے اوپر سے کبھی بھی بہتر رویہ اختیار نہیں کیا گیا۔

اسمبلیوں کو 7 اگست کو توڑنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ حکمران جماعت کو معلومات بھی اس بات کی تصدیق کر چکی تھیں چنانچہ یہی مینوالہ میاں نواز شریف سے یہ کہہ کر واپس اسلام آباد چلے گئے کہ وہ بے نظیر اور صدر اسحٰق خان کے درمیان شام کو ہونے والی ملاقات کے بعد کی صورتحال سے ان کو آگاہ کریں گے اور آپس میں ہونے والی دوطرفہ بات چیت کو آگے بڑھایا جائے گا۔

بے نظیر بھٹو اور میاں نواز شریف کے درمیان رابطے کے علاوہ اور بھی سطحوں پر رابطے قائم کر کے اس بات پر زور دیا گیا کہ بے نظیر بھٹو اور میاں نواز شریف پر اپنی اپنی سطح سے دباؤ ڈالا جائے تا کہ کم از کم مرکز اور صوبوں کے درمیان تعلقات بحال کئے جا سکیں اور اتفاق رائے قائم کیا جا سکے۔ اس طرح یقینی طور پر مرکز اور صوبوں کے درمیان مفاہمت کی فضا ہموار ہو گی اور دو چار روز میں بات مزید آگے بڑھے گی۔ لیکن مبصرین کا خیال تھا کہ اگر دونوں لیڈروں کے درمیان مفاہمت ہو بھی جاتی تو صدر اسحٰق اور ان کے ساتھیوں کے طے شدہ پروگرام میں کوئی تبدیلی نہ آتی کیونکہ وہ اسمبلی توڑنے کا مکمل اور قطعی فیصلہ کر چکے تھے۔ چنانچہ 6 اگست 1990ء کو صدر اسحٰق خان نے آئین کی دفعہ 28(2) بی کا استعمال کرتے ہوئے بے نظیر حکومت کو برطرف

Marfat.com

کر دیا اور قومی اسمبلی توڑ دی۔ بعد ازاں صوبائی گورنروں نے صوبائی اسمبلیاں بھی توڑ دیں۔ برطرف حکومت کے خلاف صدر غلام اسحٰق خان نے جو چارج شیٹ جاری کی اس کے خاص نقاط یہ تھے:

۱۔ وفاقی حکومت آئینی تقاضوں کے مطابق نہیں چلائی جا رہی تھی اور رائے دہندگان سے رجوع کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

۲۔ سیاسی وفاداریوں کی کھلے بندوں خرید و فروخت ہو رہی تھی۔

۳۔ وفاقی حکومت کے اداروں میں کرپشن اقرباء پروری اور رشوت ستانی اس حد تک بڑھ گئی کہ عوام کا حکومت سے اعتماد اٹھ گیا۔

۴۔ اعلیٰ عدالتوں کی آزادی سلب اور سینٹ کی تضحیک کی گئی حالانکہ سینٹ وفاق پاکستان کے اتحاد کا مظہر ہوتا ہے۔

۵۔ پیپلز ورکس پروگرام کے تحت صوبائی حکومتوں کے اختیارات میں مداخلت کی گئی۔

۶۔ وفاقی حکومت سندھ میں امن و امان قائم کرنے میں ناکام رہی۔

Marfat.com

بے نظیر بھٹو شہید بطور وزیر اعظم

(دوسرا دور)

6 اکتوبر 1993ء کو ہونے والے انتخابات کے نتیجے میں 19 اکتوبر کو بے نظیر بھٹو نے دوسری مرتبہ وزیر اعظم پاکستان کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ اس مرتبہ بے نظیر بھٹو پہلے کی نسبت زیادہ تجربہ کار اور بااعتماد سیاستدان کے طور پر سامنے آئیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس مرتبہ انہیں ایسے لوگوں کی حمایت میسر آ گئی جو ان کے پہلے دور حکومت میں ان کے خلاف تھے یعنی بیوروکریسی اور فوجی جرنیل۔

وزیر اعظم بن جانے اور اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ لینے کے بعد بے نظیر بھٹو نے اعلان کیا کہ آٹھویں ترمیم جمہوریت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور جب تک آئین میں 58(2) بی کی شق موجود ہے۔ اس وقت تک ملک میں جمہوریت کو فروغ حاصل نہیں ہوسکتا۔ انہوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ وہ جمہوریت کی قاتل اس آئینی شق کی تنسیخ کیلئے بہت جلد اسمبلی میں ایک بل پیش کریں گی۔

اسمبلیوں کے انتخاب کے بعد اگلا مرحلہ نئے صدر کے انتخاب کا تھا۔ بے نظیر بھٹو نے اپنی پارٹی کے پرانے وفادار سردار فاروق احمد خان لغاری کو صدارتی امیدوار نامزد کر دیا۔ مسلم لیگ نے نامزد امیدوار قائم مقام صدر وسیم سجاد تھے۔ صدر منتخب ہونے سے پہلے سردار فاروق احمد خان لغاری نے بے نظیر کو یہ باور کرانا شروع کر دیا کہ وہ حکومتی امور میں مداخلت کرنے کے بجائے سابق صدر چوہدری فضل الٰہی کی طرح علامتی صدر رہنا قبول کریں گے۔

Marfat.com

صدر منتخب ہونے کے بعد بھی سردار فاروق احمد خان لغاری یہ سمجھتے تھے کہ جمہوریت کے فروغ کیلئے آٹھویں آئینی ترمیم کی تنسیخ ضروری ہے۔ اس مقصد کے لئے بے نظیر بھٹو نے دسمبر 1993ء میں ایک کمیٹی تشکیل دی جس میں اعتزاز احسن' اقبال احمد خان' خواجہ طارق رحیم' فخرالدین جی ابراہیم شامل تھے۔ کمیٹی اپنا کام جاری نہ رکھ سکی کیونکہ حزب اختلاف کے ایک اہم رکن نے اعتراض کیا تھا کہ یہ کمیٹی پورے ایوان کی نمائندگی نہیں کرتی کیونکہ اس میں اپوزیشن کا کوئی رکن شامل نہیں تھا۔ اس کے بعد بے نظیر نے اس طرف کوئی خاص توجہ نہ دی کیونکہ وہ اپنے منتخب کیے ہوئے صدر پر مکمل اعتماد کرتی تھیں۔

بے نظیر بھٹو کے دور میں امن عامہ کی صورتحال کو خراب کرنے کے لیے کوئی خفیہ ہاتھ سرگرم تھے۔ پولیس نے نوجوانوں سے رشوت لینا شروع کردی اور جو رشوت نہ دے پاتے انہیں دہشت گرد قرار دے کر قتل کر دیا جاتا۔ وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر نے اپریشن کلین اپ کے دوران بہت سے دہشت گردوں کو پکڑا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کراچی میں امن وامان تو بحال ہو گیا لیکن حکومت کے خلاف ایک منظم گروہ سرگرم ہو گیا جسے بھارتی انٹیلی جینس RAW کی حمایت بھی حاصل تھی۔

ایسی صورتحال میں فوجی بغاوت نے بے نظیر کو مشکل میں ڈال دیا اگر یہ بغاوت کامیاب ہو جاتی تو میجر جنرل ظہیر اسلام عباسی کئی سینئر جرنیلوں سمیت بے نظیر کے خاندان کو ہلاک کر سکتے تھے۔

مہنگائی کا اژدہا عوام کو زندہ درگور کیے ہوئے تھا۔ خاص طور پر کاروباری طبقے میں خاصی بے چینی پائی جاتی تھی۔ حکومت کے خلاف الزامات کے واقعات نے حالات کی سنگینی میں مزید اضافہ کر دیا۔ اپوزیشن نے بے نظیر بھٹو اور آصف زرداری کے خلاف سپیکر اسمبلی کو ریفرنس بھیجا جس میں دونوں کی رکنیت اسمبلی ختم کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ ان پر لندن میں خفیہ طور پر لاکھوں پاؤنڈ کی جائیداد خریدنے اور آئینی دفعات (63,62) کی خلاف ورزی کا الزام لگایا گیا تھا۔ اپوزیشن کی طرف سے صدر سے اپیلیں کی جانے لگیں اور صدر اپنا آئینی اختیار استعمال کرتے ہوئے اسمبلی توڑ کر بے نظیر کو گھر بھیج دیں۔

Marfat.com

جنرل عبدالوحید جوحتی الامکان سیاسی معاملات سے دور رہنے کی کوشش کرتے رہے اپنی مدت ملازمت پوری ہونے پر خاموشی سے ریٹائر ہوگئے ان کی جگہ جنرل جہانگیر کرامت نے اپنے فرائض سنبھال لئے۔اس کے بعد 6 جنوری 1996ء کو امریکہ نے پاکستان میں اپنے نئے سفیر تھامس سائمنز (Thomos Symons) کا تقرر کردیا۔ اس کے بعد 16 فروری کو میاں نواز شریف ایک بین الاقوامی سیمینار میں شرکت کیلئے امریکہ گئے جہاں انہوں نے امریکی محکمہ خارجہ کی ایک خاتون آفیسر رابن رافیل سے ملاقات کی جو امریکی سی آئی اے کے مقتدر طبقوں کے ساتھ خصوصی مراسم رکھتی تھی۔ جب میاں نواز شریف وطن واپس لوٹے تو انہوں نے اپنے رفقاء کو بتایا کہ اب انتخابات کا انعقاد زیادہ دور کی بات نہیں۔

دوسری طرف بے نظیر بھٹو نے امریکہ کی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے چین سے ایٹمی پاور پلانٹ کی تنصیب کے لئے جدید ترین ٹیکنالوجی حاصل کرلی۔ امریکہ کو اطلاع ملی کہ پاکستانی سائنس دان ایٹمی دھماکے کی تیاری کے سلسلے میں بلوچستان میں چاغی کے مقام پر موجود پہاڑوں کو کھوکھلا کررہے ہیں۔

20 مارچ 1996ء کو سید سجاد علی شاہ کی سربراہی میں سپریم کورٹ کے فل بنچ نے ججوں کی تقرری کے سلسلے میں حکومت کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ جس کے بعد بے نظیر حکومت کی بیک وقت عدلیہ' صدر اور فوج کے ساتھ محاذ آرائی کا آغاز ہوگیا۔ یہ تنازعہ بے نظیر حکومت کے زوال کا نقطۂ آغاز ثابت ہوا۔

ہوا یہ کہ 20 مارچ 1996ء کو عدلیہ نے اپنے تاریخی فیصلے میں قرار دیا کہ صدر مملکت ججوں کا تقرر سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے مشورے کے بغیر نہیں کرسکتے اور یہ کہ کسی امیدوار کی سیاسی وابستگی امیدوار کے لئے نااہلی نہیں ہوسکتی۔ 25 مارچ کو بے نظیر بھٹو نے کہا کہ ججوں کی تقرری کے بارے میں سپریم کورٹ کا فیصلہ حکومت کے خلاف نہیں بلکہ عدلیہ نے اپنے بعض ایسے ارکان کے خلاف دیا ہے جنہوں نے پہلے ایڈہاک جج مانگے جنہوں نے پہلے ایڈیشنل جج رکھے یہ عدلیہ کا عدلیہ کے خلاف فیصلہ ہے۔ ہم نے کوشش کی کہ روشن خیال جج لگائے جائیں۔ جن کی سوچ جمہوری اور آئینی ہو۔ بے نظیر نے مزید کہا کہ ہمارے پاس سپریم کورٹ کے اس فیصلے پر نظر ثانی کی

Marfat.com

پٹیشن کی آپشن موجود ہے۔ ان دنوں نواز شریف نے چیف جسٹس سید سجاد علی شاہ کی بھرپور حمایت کی اور 24 مارچ کو تحریک نجات کا دوسرا مرحلہ شروع کرنے کا اعلان کیا اور کہا کہ میں مر مٹنے والا کردار ادا کروں گا۔ اس روز وزیراعظم ہاؤس میں بھی عدالتی فیصلے کے حوالے سے دن بھر صلاح مشورے جاری رہے۔

سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد جس بحث کا آغاز ہوا تھا اس بات کا خدشہ موجود تھا کہ یہ کہیں بڑے بحران کی شکل نہ اختیار کر لے کیونکہ حکومتی ارکان اس فیصلے پر مسلسل بیان دے رہے تھے اور ان میں سے بعض کی زبان بہت ہی سخت تھی۔ اپوزیشن اس فیصلے کو اپنی کامیابی سمجھ رہی تھی پاکستان بار کونسل نے عدالت کے فیصلے کو تاریخی قرار دیتے ہوئے کہا کہ عدالت نے آئین کی تشریح کر کے وہ قانونی اصلاحات کر دی ہیں جن کا طویل عرصہ سے انتظار تھا۔

26 مارچ کو وزیراعظم بے نظیر بھٹو اور اپوزیشن کے وفد نے صدر مملکت فاروق لغاری سے الگ الگ ملاقاتیں کر کے اپنے اپنے نقطہ نظر سے آگاہ کیا۔ وفد نے صدر سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنا آئینی کردار ادا کرتے ہوئے حکومت کو سپریم کورٹ کے فیصلے پر عمل کرنے پر آمادہ کریں وفد نے صدر کو نواز شریف کا ایک خط بھی دیا۔ اس موقع پر صدر نے حکومت اور اپوزیشن کے درمیان ثالث کا کردار ادا کرنے کی پیشکش کی جسے قبول کر لیا گیا۔ اس کے بعد فوری ردعمل کے طور پر اپوزیشن کے مختلف ارکان قومی و صوبائی اسمبلی کے خلاف گوشواروں میں جائیدادیں چھپانے' غیر قانونی قرضے لینے اور ٹیکسوں میں گھپلوں کی تحقیقات جو آخری مرحلے میں تھی روک دی گئی۔

اگلے روز وزیراعظم نے صدر لغاری سے تیسری مرتبہ ملاقات کی۔ صدر نے وزیراعظم بے نظیر بھٹو کو میاں نواز شریف کے خط کے مندرجہ جات سے آگاہ کیا۔ خط کا متن اس طرح تھا:

جناب صدر!

21 مارچ کو ہم نے ایوان صدر سے جاری کردہ اخباری بیان تحسین کے احساس کے ساتھ پڑھا جس میں ججوں کی تقرری کے بارے میں سپریم کورٹ کے فیصلے کا خیر مقدم کیا گیا تھا لیکن بدقسمتی سے حکومتی ترجمانوں کی طرف سے جاری کئے گئے بیانات صاف صاف بتا رہے ہیں کہ حکومت اس تاریخی فیصلہ کو خیر سگالی کے جذبے اور خلوص کے ساتھ نافذ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں

Marfat.com

رکھتی۔ وزیراعظم کا 24 مارچ کا یہ اخباری بیان نہایت افسوسناک ہے کہ "فیصلے سے آئین کے متعدد پہلوؤں سے خلاف ورزی ہوئی ہے" کیونکہ اعلیٰ عدالتوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ آئین کی تعمیر و تاویل کریں۔ عدلیہ کے اس کردار کو نقصان پہنچانے کی کسی بھی کوشش کے نہایت سنگین نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔"

۲۔ جیسا کہ بلاشبہ آپ آگاہ ہیں اس مختصر حکم کا عملدرآمد کے حوالے سے موثر حصہ نہ صرف واضح اور اپنی ذات میں مکمل ہے بلکہ آئینی اعتبار سے حکومت کو اس پر عملدرآمد کا پابند بھی بناتا ہے کوئی بھی اس بنیاد پر اس پر عملدرآمد سے قانوناً انکار نہیں کر سکتا کہ مفصل فیصلہ جس میں کہ عملدرآمد کے حوالے سے موثر حصے کے حق میں دلائل دیئے گئے ہوں گے ابھی میسر نہیں ہے۔ مثلاً سپریم کورٹ کے 26 مئی 1993ء کے فیصلے پر بھی فوراً مختصر فیصلے کی بنیاد پر ہی عملدرآمد کیا گیا تھا اگر حکومت نظر ثانی کی درخواست بھی کرے تو بھی فیصلے پر اس میں دی گئی مدت کے دوران عمل درآمد قانون کے تحت لازمی ہے بشرطیکہ سپریم کورٹ خود ہی اپنا فیصلہ معطل نہ کر دے۔

۳۔ اب جبکہ حکومت سپریم کورٹ کے فیصلے پر عملدرآمد نہیں کر رہی ہے میرے لئے ناگزیر ہو گیا ہے کہ میں آپ کی توجہ آئین کے آرٹیکل 190 کی طرف مبذول کراؤں جس کے تحت انتظامیہ کا یہ فرض ہے کہ وہ سپریم کورٹ کی معاونت میں کاروائی کرے۔ اس آئینی فرض کی ادائیگی میں ناکامی کے معنی یہ ہوں گے ہ انتظامیہ ریاست پر غیر آئینی حکومت کر رہی ہے۔ اس صورتحال کو برقرار رہنے کی اجازت دی گئی تو اس کے نتیجے میں دوررس آئینی بحران پیدا ہو جائے گا چنانچہ میں آپ پر زور دوں گا کہ آپ اپنی آئینی ذمہ داری کے تحت اس امر کو یقینی بنائیں کہ ملک پر آئین کے مطابق حکومت کی جائے۔

۴۔ میں آپ کی توجہ پوری قوم کی طرف سے محسوس کی جانے والی اس تشویش اور اضطراب کی جانب مبذول کرانا چاہتا تھا جو اس خبر سے پیدا ہوئی کہ ججوں کی تقرری سے متعلق سپریم کورٹ کا فیصلہ سنائے جانے کے موقع پر 19 مارچ رات گئے سترہ ججوں کی تقرری کو مستقل کر کے اس فیصلہ کو آنے سے پہلے غیر موثر بنانے کی کوشش کی گئی شاید آپ کو یہ مشورہ نہیں دیا گیا کہ آئینی طور پر آپ کے دائرہ اختیار میں ہے کہ آپ حکومت سے اس غیر دانشمندانہ اور جلد بازی پر مبنی فیصلہ پر

Marfat.com

دوبارہ غور کیلئے کہہ سکتے ہیں تاہم حکومت کی بدنیتی پر مبنی کوشش کامیاب نہیں ہوگی کیونکہ سپریم کورٹ نے 20 مارچ کو جو فیصلہ دیا اس نے تمام تقرریوں کو کالعدم قرار دیدیا۔

وزیراعظم بے نظیر بھٹو نے صدر لغاری کو بتایا کہ حکومت تفصیلی فیصلے کا انتظار کر رہی ہے تاہم انہوں نے واضح کیا کہ ملک میں کوئی آئینی بحران نہیں ہے اور نہ ہی حکومت آئین کی خلاف ورزی کی مرتکب ہو رہی ہے۔ وزیراعظم نے صدر مملکت کو گذشتہ روز چاروں گورنروں اور وزرائے اعلیٰ حکومتی موقف کی تائید کرتے ہیں کہ سپریم کورٹ کو فیصلہ دینے کا اختیار نہیں تھا۔ انہوں نے صدر کو بتایا کہ ان کی حکومت اپوزیشن سے خوشگوار تعلقات کار کے قیام کیلئے ہمیشہ کوشاں رہی مگر اس نے ہمیشہ منفی ردعمل ظاہر کیا۔ صدر نے وزیراعظم سے کہا کہ حکومت سپریم کورٹ کے فیصلہ پر مثبت رویہ اختیار کرے۔

بے نظیر بھٹو نے 28 مارچ 1996ء کو قومی اسمبلی میں سپریم کورٹ کے فیصلے پر پالیسی بیان دیتے ہوئے کہا کہ سپریم کورٹ کا فیصلہ آئین کے خلاف ہے۔ قائم مقام چیف جسٹس مقرر کرتے وقت چیف جسٹس سے تحریری رائے مانگی گئی تھی انہوں نے مخالفت نہیں کی۔ آئین میں قائم مقام چیف جسٹس کو چیف جسٹس تسلیم کیا گیا ہے۔ بے نظیر بھٹو نے اپنی تقریر میں جولب و لہجہ اختیار کیا اور جس طرح عدلیہ کے کردار کی حدود کے بارے میں آئین کی شقوں کے حوالے دیئے اس سے واضح ہو گیا کہ حکومت سپریم کورٹ کے فیصلے پر اپنے موقف سے پیچھے ہٹنے پر آمادہ نہیں۔ جس پر میاں نواز شریف نے اپنی جوابی تقریر میں کہا کہ حزب اختلاف حکومت کو عدلیہ کے خلاف کام کرنے کی اجازت نہیں دے گی۔ آخر کار بے نظیر بھٹو عدلیہ کے فیصلے پر عملدرآمد کرانے پر مجبور ہو گئیں۔

بے نظیر کو اطلاع مل گئی تھی کہ آنے والے دنوں میں پنجاب میں دہشت گردی کی ایک نئی لہر اٹھنے والی ہے 14 اپریل کو شوکت خانم کینسر ہسپتال میں بم دھماکہ ہوا جس میں آٹھ افراد ہلاک ہوئے۔ اس دھماکے کے ذریعہ بے نظیر کو بدنام کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کے بعد لاہور سے پتوکی جانے والی بس میں پھولنگر کے قریب خوفناک دھماکہ ہوا جس میں 70 افراد زندہ جل کر راکھ ہو گئے۔ اس قسم کے بعض اور واقعات نے بے نظیر حکومت کی جڑیں ہلا کر رکھ دیں۔

Marfat.com

جس پر ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے بےنظیر نے کہا ''بعض لوگ مجھے گھر بھیجنا چاہتے ہیں۔''

25 اپریل 1996ء کو عمران خان باقاعدہ سیاست میں آ گئے اور انہوں نے تحریک انصاف کے نام سے ایک نئی سیاسی جماعت قائم کر لی۔ 5 مئی کو بےنظیر بھٹو نے پارلیمانی پارٹی کا اجلاس طلب کر کے ارکان اسمبلی کو کہا کہ وہ یہ ڈر دل سے نکال دیں کہ اسمبلی ٹوٹ جائے گی۔ کیونکہ صدارت کا عہدہ حاصل کرنے سے پہلے فاروق لغاری نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسمبلیوں کی قاتل آئینی شق 58(2) بی کا استعمال نہیں کریں گے۔

حکومت اور اپوزیشن کے درمیان محاذ آرائی میں اس وقت شدت پیدا ہوئی جب اپوزیشن لیڈر میاں نواز شریف نے بےنظیر بھٹو پر الزام لگایا کہ انہوں نے انگلینڈ میں سرے کے مقام پر کروڑوں روپے کی جاگیر خریدی ہے۔

20 جون کو صدر نے دبے لفظوں سے حکومت پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ حکمران اپنا معیار زندگی قومی وسائل کے مطابق بنانے کو تیار نہیں انہوں نے یہ بھی کہا کہ حکومت اپوزیشن کشیدگی جمہوریت کیلئے مشکلات پیدا کر سکتی ہے۔ 23 جون کو اپوزیشن کی اپیل پر بجٹ کے خلاف ملک گیر ہڑتال ہوئی 24 جون کو قاضی حسین احمد نے اسلام آباد میں دھرنا دیا پولیس کی تمام ناکہ بندیوں اور رکاوٹوں کے باوجود جماعت اسلامی کے قافلے لیاقت باغ اور اسلام آباد پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ مختلف مقامات پر پولیس اور مظاہرین میں جھڑپیں ہوئیں۔ مری روڈ پر فائرنگ کے واقعہ میں چار افراد ہلاک ہو گئے۔ اس سے اگلے روز اتحادوں کی سیاست کرنے والے بزرگ لیڈر نواب زادہ نصر اللہ خان ایک نئے اتحاد کے ساتھ میدان میں آ گئے۔ نصر اللہ خان، غلام مصطفیٰ جتوئی۔ فضل الرحمٰن میر بلخ شیر مزاری اور محمود اچکزئی نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے پارلیمنٹ کے اندر محدود مقاصد کے حصول اور غیر جانبدارانہ کردار ادا کرنے کے لئے اتحاد قائم کرنے کا اعلان کیا۔ انہوں نے بےنظیر بھٹو کو لکھے گئے ایک مشترکہ خط کی نقول بھی تقسیم کیں۔ جس میں بجٹ کی اصلاح و ترمیم کے بارے میں تجاویز پیش کی گئی تھیں۔

نواز شریف نے یکم جون کو احتساب کمیشن کے قیام کیلئے اور 17 جون کو عدلیہ کا فیصلہ سبوتاژ ہونے سے بچانے کیلئے دو خط لکھے تھے جس کے جواب میں صدر نے واضح کہا کہ انہوں

Marfat.com

نے دونوں خط وزیراعظم کو بھجوادیئے ہیں تاکہ وہ ان پر حکومت کی رائے دے سکیں اس طرح صدر لغاری نے اپوزیشن کے رابطوں پر پہلی مرتبہ مثبت ردعمل ظاہر کیا۔ جس کے بعد 28 جون کو ملک کی چھ دینی جماعتوں نے حکومت کے خلاف بھرپور جدوجہد کرنے کا اعلان کردیا۔ قاضی حسین احمد نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ صدر کے پاس ایک ماہ میں حکومت کو چھٹی کرانے کے سوا کوئی راستہ نہیں۔ اگر کسی نے مارشل لاء لگانے کی کوشش کی تو ہم مخالفت کریں گے۔

3 جولائی کو جماعت اسلامی نے پورے ملک میں پرامن دھرنا دیا۔ جس میں مسلم لیگ (ن) اور دیگر جماعتوں کے کارکنوں اور قائدین نے بھی شرکت کی۔ 20 جولائی کو قاضی حسین احمد نے ٹرین مارچ شروع کردیا۔ 22 جولائی کو لاہور ایئرپورٹ پر زبردست دھماکہ ہوا جس کے نتیجے میں چھ افراد ہلاک ہوگئے۔ یہ دھماکے بے نظیر حکومت کو کمزور کرنے کے سلسلے کی ایک کڑی تھے۔ جس پر ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے بے نظیر نے ایک مرتبہ پھر اس بات کا اعادہ کیا کہ لغاری اسمبلی نہیں توڑ سکتے کیونکہ ہم دونوں 1993ء کے تجربے کے بعد آئے ہیں۔ لغاری ایسے شخص ہیں جنہوں نے پوری زندگی آرٹیکل 58(2) بی کے خلاف آواز بلند کی وہ آئین کی بالادستی اور پارلیمانی طرز حکومت پر یقین رکھتے ہیں۔

اگلے روز اپوزیشن کی 14 جماعتوں نے حکومت ہٹاؤ مہم کے سلسلے میں مشترکہ جدوجہد کرنے کا فیصلہ کرلیا اور اس مقصد کیلئے 15 رکنی ایکشن کمیٹی قائم کردی۔ سربراہی اجلاس میں شریک رہنماؤں نے کہا پاکستان میں جمہوری نظام، پاکستانی عوام اور ملک کی دینی اسلامی اقدار کی بقاء اور تحفظ کیلئے موجودہ حکومت کو اقتدار سے ہٹانا ضروری ہوگیا ہے کیونکہ حکومت ریاست کے جمہوری اور عدلیہ جیسے بنیادی اداروں اور عوام کے خلاف جنگ میں مصروف ہے۔

13 اگست کی اپوزیشن کی 16 جماعتوں کے سربراہی اجلاس نے حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلانے کا اعلان کردیا۔ قائد حزب اختلاف میاں نواز شریف نے مطالبہ کیا کہ حکومت فی الفور مستعفی ہوجائے۔ 21 اگست کو بے نظیر بھٹو نے اوکاڑہ میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے اپوزیشن لیڈروں پر زبردست تنقید کی انہوں نے کہا کہ قاضی کرپشن کے خلاف جہاد سے پہلے اپنے دامن کے داغ دیکھیں جب ضیاء الحق نے افغان جہاد کا پیسہ دونوں

Marfat.com

ہاتھوں سے لوٹا تو آپ خاموش کیوں رہے' ضیاء الحق کی باقیات جمہوری نظام کے خلاف مسلسل سازشیں کر رہی ہے۔ نواز شریف کا خلافت راشدہ کا نعرہ جھوٹا ہے وہ بنیاد پرستوں کو گود میں لینے کیلئے یہ نعرہ لگا رہے ہیں غریبوں کا مال لوٹنے والے خلافت راشدہ کا نظام کیسے لا سکتے ہیں۔

6 ستمبر کو ایک امریکی وزیر نے اسلام آباد میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کرپشن پر قابو پائے اس کی کوئی حد ہونی چاہئے۔ بے نظیر حکومت اس وقت تک ایک نازک موڑ تک آ پہنچی تھی۔ چنانچہ بے نظیر نے نواز شریف سے صلاح کی کوششیں شروع کر دیں۔ بے نظیر نے قومی اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے کہا بڑے قرض نادھندگان نوے فیصد غیر سیاسی لوگ ہیں لیکن بدنام سیاستدان ہو رہے ہیں اپوزیشن والے یہ سازش ناکام بنانے کیلئے میری حکومت کا ساتھ دیں۔ انہوں نے اسمبلی میں تقریر کے دوران پہلی مرتبہ میاں نواز شریف کی تعریف کی اور کہا کہ جمہوریت کے خلاف مہم جوئی سے انہیں اور نواز شریف دونوں کا نقصان پہنچے گا۔ لیکن میاں نواز شریف نے بے نظیر کی پیشکش کا مثبت جواب نہ دیا انہوں نے 8 ستمبر کو قومی اسمبلی کے اجلاس سے خطاب میں کہ وزیر اعظم قوم کا اعتماد کھو چکی ہیں اس لئے انہیں فوراً انتخابات کا اعلان کرنا چاہئے۔ جس کے جواب میں بے نظیر نے کہا کہ نہ میں جا رہی ہوں نہ مڈٹرم انتخابات ہوں گے۔ میں اسی ایوان میں 1998ء میں انتخابات کا اعلان کروں گی تاہم انہوں نے یہ بھی کہا کہ میری وجہ سے قائد حزب اختلاف کو جو دکھ پہنچے ہیں میں اس پر نادم ہوں اور میں ان سے معافی کی خواستگار ہوں۔

نواز شریف کا خیال تھا کہ آئندہ انتخابات کے نتیجے میں اقتدار مسلم لیگ کو ہی ملے گا۔ اس لئے اگر اس وقت وہ حکومت کو چھٹی کراتے کراتے سسٹم ہی سے ہاتھ دھو بیٹھتے تو سب سے زیادہ نقصان انہیں کو پہنچے گا۔ مسلم لیگ کی اس سیاسی اور جمہوری بے چارگی کو بے نظیر سمجھتی تھیں جس کا وہ بھرپور فائدہ اٹھا رہی تھیں۔ دونوں کو نازک صورتحال کا احساس تھا اور دونوں نہیں چاہتے تھے کہ کوئی تیسرا آ جائے۔ جب نواز شریف نے یہ کہا کہ ہم غیر آئینی اقدام کی مخالفت کریں گے۔ تو بے نظیر نے بے ساختہ اور پرجوش انداز میں ڈیسک بجایا۔ یہ ایسا موقع تھا جب حکومتی اور اپوزیشن ارکان دونوں خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔

Marfat.com

20 ستمبر 1996ء کو پیپلز پارٹی ایک عظیم صدمے سے دوچار ہو گئی۔ میر مرتضیٰ بھٹو پولیس فائرنگ سے ہلاک ہو گئے۔ ابھی مرتضیٰ بھٹو کی رسم قل ادا نہ ہوئی تھی کہ فاروق لغاری نے ججوں کی تقرری کے مسئلے پر وزیراعظم کے ساتھ اختلافات کا اعتراف کر لیا اور انہوں نے سپریم کورٹ سے کہا کہ وہ اپنے مشاورتی دائرہ اختیار کو بروئے کار لاتے ہوئے یہ رائے دے کہ آیا صدر اعلیٰ عدالتوں میں تقرریوں کے معاملے میں وزیراعظم کے مشورے کے پابند ہیں یا نہیں۔

23 ستمبر کو صدر نے آئین کے آرٹیکل 56(2) کے تحت حاصل اختیارات استعمال میں لاتے ہوئے بیک وقت سینٹ اور قومی اسمبلی کو مراسلے بھیجے جن میں کہا گیا تھا کہ احتساب کے عمل کو یقینی بنانے کیلئے پارلیمنٹ کے دونوں ایوان باقی تمام امور چھوڑ کر فوری طور پر قانون سازی کریں۔ یہ مراسلے قائد حزب اختلاف کے ساتھ خط و کتابت کی روشنی میں بھیجے گئے تھے۔ 26 ستمبر کو میاں نواز شریف نے صدر مملکت سے تین گھنٹے تک ملاقات کی اور صدر سے حکومت کی فوری برطرفی کا مطالبہ کیا۔ صدر نے کہا کہ اگر قومی مفاد میں ضروری ہوا تو وہ آئین کے آرٹیکل 58(2) بی کے تحت خود کو حاصل صوابدیدی اختیارات کو استعمال کرنے سے گریز نہیں کریں گے اور یہ کہ جب بھی انتخابات ہوئے وہ اپنی آئینی ذمہ داریاں پوری کریں گے۔

28 ستمبر کو صدر اور وزیراعظم کے درمیان چھ گھنٹے کی طویل ملاقات ہوئی جس میں کھل کر تمام گلے شکوے دور کئے گئے۔ تاہم وزیراعظم نے صدر مملکت پر اعتماد کا اظہار کیا۔

2 اکتوبر کو قاضی حسین احمد نے صدر سے ملاقات کے بعد 24 اکتوبر اسلام آباد میں دھرنا دینے کا اعلان کر دیا۔ 8 اکتوبر کو میاں نواز شریف نے انکشاف کیا کہ فیصلہ کرنے والی قوتیں چند ہفتوں کے اندر اقدام کرنے والی ہیں۔ 10 اکتوبر کو صدر اور وزیراعظم کے درمیان دو دو گھنٹے کی ملاقاتوں کے تین دور ہوئے صدر مملکت نے وزیراعظم کو حکومت کی ناکامی کے اسباب بتائے وزیراعظم بے نظیر بھٹو نے صدر لغاری کو یقین دلایا کہ حکومت بدعنوانی کا خاتمہ امن و امان بہتر بنانے اور اقتصادی مسائل کے حل کیلئے صدر کے پیش کئے گئے نکات پر عملدرآمد کرائے گی۔

17 اکتوبر کو صدر نے وزیراعظم کو ایک خط بھیجا جس میں انہوں نے لکھا کہ ان کے نوٹس میں یہ بات لائی گئی ہے کہ وزراء ارکان پارلیمنٹ سرکاری افسروں کے تبادلوں اور دیگر

Marfat.com

سرکاری امور میں بے جا مداخلت کرتے ہیں بے نظیر حکومت نے ڈگمگاتی ہوئی کشتی کو سہارا دینے کیلئے آخری چارہ کار کے طور پر اپنے رفقاء کو ہدایت کی کہ وہ ایوان صدر کے کسی اقدام پر ردعمل ظاہر نہ کریں۔

20 اکتوبر 1996ء کو حکومت نے کرپشن کے خاتمہ کیلئے پندرہواں آئین ترمیمی بل قومی اسمبلی میں پیش کیا جو حکومت کے خاتمے کا باعث بنا۔ اس بل کے تحت صدر، وزیراعظم، گورنر، جج، جرنیل، وزیر اور سرکاری افسر احتساب کی زد میں آتے تھے۔ یہ بل قانون اور انصاف کے وزیر مملکت رضا ربانی نے پیش کیا۔ ایوان نے قواعد وضوابط معطل کر کے بل پیش کرنے کی اجازت دی۔ اس بل کا مقصد آئین میں ترمیم کر کے آرٹیکل 175 (اے) کا اضافہ کرنا تھا۔ جس کے تحت متذکرہ بالا عہدے داران کے خلاف بدعنوانی بددیانتی رشوت اور کرپشن کے الزامات کے تحت کاروائی کرنا تھا۔

وزیر مملکت رضا ربانی نے کہا کہ حکومت ملک سے ہر قسم کی بدعنوانیوں اور کرپشن کا خاتمہ چاہتی ہے۔ اس لئے وہ جمہوری طریقے سے پارلیمنٹ کے ذریعے احتساب کا بل لانا چاہتی ہے۔ بل کے مطابق قومی اسمبلی کے 15 فیصد ارکان کسی جج کے خلاف کاروائی کا ریفرنس بھیج سکیں گے۔ آئینی بل کے ذریعے اعلیٰ عدالتوں کے ججوں پر بددیانتی کے الزامات پر پارلیمنٹ کے ذریعے مواخذہ کیا جا سکے گا اور الزام ثابت ہونے کی صورت میں متعلقہ جج کو برطرف کر دیا جائیگا۔ یہ بل 5 جولائی 1977ء سے نافذ العمل سمجھا جائے گا۔ اس سے ان تمام لوگوں کا احتساب کیا جا سکے گا جو 5 جولائی 1977ء سے آج تک سرکاری اور عوامی عہدوں پر فائز رہے۔ اب صورتحال یہ تھی کہ اس سے پہلے 9 اکتوبر کو قائد حزب اختلاف میاں نواز شریف احتسابی کمیشن ایکٹ 96 کے نام سے ایک بل قومی اسمبلی میں پیش کر چکے تھے۔ قومی اسمبلی اور سینٹ کے پیش نظر صدر کا وہ مراسلہ بھی تھا جو صدر نے 23 ستمبر کو بھیجا تھا اور حکومت کی طرف سے پیش کی گئی آئینی ترامیم بھی اور کرپشن کے خاتمے کیلئے جو پارلیمانی عمل شروع ہونے والا تھا۔ اس کے نتائج کافی حوصلہ افزاء معلوم ہوتے تھے لیکن صدر فوج اور عدلیہ کو بھی احتساب کی زد میں لانے کی یہ کوشش پیپلز پارٹی کی حکومت کو مہنگی پڑی۔ بینظیر بھی نتائج کا سامنا کرنے کیلئے تیار تھیں۔ انہوں نے وفاقی کابینہ کے

Marfat.com

اجلاس میں بعض وفاقی وزراء کی طرف سے اعلیٰ عدالتوں کے ججوں اور فوج سے وابستہ افراد کے احتساب کے معاملے میں رعایت کرنے کی تجویز رد کردی تھی۔ وزیراعظم نے واضح کیا کہ اگر صدر اور وزیراعظم کا احتساب ہوسکتا ہے تو باقی افراد کا کیوں نہیں۔

اپوزیشن نے حکومت کا بل مسترد کرتے ہوئے اسے آئینی اداروں کے خلاف سازش قرار دیا۔ اپوزیشن لیڈر میاں نواز شریف نے کہا کہ محترمہ نے صدر جرنیلوں اور ججوں کے احتساب کی بات کر کے سستی شہرت حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ سرکاری بل فرار کا بل ہے۔

25 اکتوبر کو صدر مملکت نے وزیراعظم کے نام اپنے خط میں انہیں ''آئین کی خلاف ورزی کرنے پر'' سرزنش کی اور کہا کہ آئین کی دفعہ 46 اے کے تحت یہ ضروری ہے کہ وزیراعظم صدر کو وفاقی کابینہ کے فیصلوں اور قانون سازی کی تمام تجاویز سے باخبر رکھے مگر احتساب بل کی کابینہ میں منظوری اور اسمبلی میں پیش کرنے سے قبل مجھے اطلاع نہیں دی گئی۔

حالات اسمبلی کی برطرفی کے اشارے دے رہے تھے اور صدر لغاری آخری وقت تک بے نظیر بھٹو کو حکومت برطرف نہ کرنے کی یقین دہانیاں کراتے رہے۔ شاید وہ بھی ضیاء الحق کی طرح بی بی کو سرپرائز دینا چاہتے تھے۔ 58(2) بی کے استعمال سے چند روز قبل صدر لغاری ملک کے پہلے ایٹمی بجلی گھر کینوپ کی سلور جوبلی کی تقریب میں شرکت کیلئے کراچی گئے تو گورنر کمال اظفر اور وزیراعلیٰ عبداللہ شاہ نے ان کا استقبال کیا۔ پھر تینوں شخصیات جہاز سے اتر کر ہیلی کاپٹر پر بیٹھ گئیں۔ ہیلی کاپٹر کے ٹیک آف کرنے کے فوراً بعد صدر مملکت نے گورنر اور وزیراعلیٰ سے کہا کہ وہ ہیڈ فون کانوں پر لگالیں وہ ان سے ضروری بات کرنا چاہتے ہیں چنانچہ دونوں نے ہیڈ فون کانوں پر لگالئے۔ شکوے شکایت ہوئے فاروق لغاری نے عبداللہ شاہ سے کہا کہ ''شاہ جی بی بی کو کیا ہوگیا ہے وہ مجھ پر شک کرتی ہیں۔ وہ مجھے احسان فراموش سمجھتی ہیں وہ سمجھتی ہیں کہ میں اسمبلی توڑ دوں گا۔ میں ہر دکھ سکھ میں بی بی کے ساتھ رہا ہوں آخر اب بی بی کو مجھ پر شک کیوں ہوگیا ہے۔ اگر مجھ پر کوئی ایسا وقت آیا جب مجھے محسوس ہوا کہ مجھے دو راستوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہے تو میں استعفیٰ دے کر گھر چلا جاؤں گا۔ مگر حکومت اور اسمبلی نہیں توڑوں گا۔ شاہ صاحب

Marfat.com

آپ بی بی کو سمجھائیں۔" کینوپ کی تقریب ختم ہوئی تو تینوں اہم شخصیات دوبارہ ہیلی کاپٹر میں بیٹھ گئیں اور گفتگو کا سلسلہ جہاں سے ٹوٹا تھا پھر شروع ہو گیا وزیر اعلیٰ عبداللہ شاہ کا کہنا ہے کہ صدر مملکت کی باتیں سن کر وہ پھولے نہیں سمار ہے کیونکہ وہ گذشتہ چند ہفتوں سے پریشان تھے ان کا خیال تھا کہ صدر اسمبلی توڑنے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور کسی وقت بھی اپنے فیصلے پر عمل درآمد کر سکتے ہیں۔ سید عبداللہ شاہ کی پریشانی ختم ہو گئی اور وہ سوچنے لگے کہ بی بی خواہ مخواہ صدر لغاری پر شک کر رہی ہیں۔ اسمبلی توڑنے کا فرمان جاری کرنے سے صرف 13 گھنٹے قبل صدر لغاری اپنے اور وزیر اعظم کے مشترکہ دوست کو یقین دلا رہے تھے کہ سنٹرل انٹیلی جنیس بیورو نے ایوان صدر میں ہونے والی پر اسرار سرگرمیوں اور حکومت کی برطرفی کیلئے خفیہ صدارتی اقدامات کے حوالے سے وزیر اعظم کو تین نومبر کو رپورٹ بھیجی ہے وہ مفرضات پر مبنی ہے اس سے حقیقت کا کوئی تعلق نہیں۔ مشترکہ دوست سے یہ ملاقات پونے دو گھنٹے جاری رہی جس میں صدر مملکت نے تقریباً پندرہ مرتبہ دوہرایا کہ "بی بی کو آخر یقین کیوں نہیں آتا کہ فاروق محسن کش نہیں ہے۔"

بے نظیر حکومت کے خلاف شاہد حامد، خواجہ طارق رحیم اور ارشاد احمد حقانی نے جو چارج شیٹ تیار کی اور اسمبلی توڑنے کے صدارتی فرمان میں جو سب سے اہم مسئلہ قرار دیا گیا وہ جعلی پولیس مقابلوں میں ہلاک ہونے والوں کا مسئلہ تھا۔ مزے کی بات ہے کہ 1995ء کے پارلیمانی سال کے خاتمہ پر پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے صدر لغاری نے اس اقدام کو درست قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ کراچی اور سندھ کے دوسرے علاقوں میں قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ذریعے دہشت گردی کے خاتمہ اور امن کی بحالی کیلئے بے نظیر حکومت نے مثالی اقدامات کئے ہیں۔ جبکہ صرف ایک سال کے بعد انہوں نے انہیں اقدامات کو قابل گرفت قرار دے دیا تھا۔

4 نومبر کی دوپہر وزیر اعلیٰ عبداللہ شاہ اپنے دفتر میں بیٹھے تھے دو صوبائی وزراء ظفر لغاری اور نثار کھوڑو بھی موجود تھے۔ ظفر لغاری نے عبداللہ شاہ کو یاد دلایا کہ آج شام کو سندھ گورنر ہاؤس میں گورنر کی طرف سے نیپال کے وزیر اعظم کے اعزاز میں عشائیہ ترتیب دیا گیا ہے جہاں آپ نے بھی جانا ہے عبداللہ شاہ نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے سیکرٹری اور چیف منسٹر ہاؤس کے

Marfat.com

دیگر عملے سے گورنر کی دعوت کے بارے میں دریافت کیا تو سب نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ شام کو گورنر اور وزیراعلیٰ نیپال وزیراعظم کے استقبال کیلئے ایئرپورٹ پہنچے جہاں وزیراعلیٰ نے گورنر کی دعوت کے بارے میں دریافت کیا گورنر نے مصنوعی حیرت زدہ چہرے کے ساتھ وزیراعلیٰ کو پریشان کر دیا اسی اثناء میں گورنر نے وزیراعلیٰ سے کہا کہ انہوں نے اپنے ملٹری سیکرٹری اور اے ڈی سی کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ آپ کو کارڈ پہنچا دیں۔ شام کو دعوت ہوئی۔ گورنر نے وزراء سے مصافحہ کرتے ہوئے اس سرد مہری کا مظاہرہ کیا کہ جیسے وہ بن بلائے ہی تقریب میں چلے آئے ہوں۔

رات گئے تقریب ختم ہوئی تمام لوگ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ وزیراعلیٰ عبداللہ شاہ چیف منسٹر ہاؤس روانہ ہوئے۔ وہ رات کو دیر تک گورنر کے رویئے پر غور کرتے رہے کہ گورنر نے اس قدر سرد مہری کا مظاہرہ پہلے تو کبھی نہیں کیا یہی سوچتے سوچتے ان کو نیند آ گئی۔

کچھ عرصہ قبل غلط طور پر یہ مشہور کر دیا گیا تھا کہ بعض لوگوں کے حکم پر جمال لغاری اور بعض دوسرے افراد خانہ کی نجی مصروفات کے بارے میں ویڈیو فلمیں تیار کی جا چکی تھیں۔ ایوان صدر کے ذرائع اس قسم کی فلموں کی تردید کر رہے تھے۔ لیکن دوسری طرف اسلام آباد اور ڈیرہ غازی خان میں ویڈیو فلم کا کاروبار کرنے والے دو افراد کو گرفتار کر لیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے بعض خاص شخصیات کے ایماء پر صدر لغاری اور ان کے بیٹے جمال لغاری اور خاندان کے چند دوسرے افراد کی انتہائی ذاتی مصروفیات کی ویڈیو فلم بنائی تھی۔ ایوان صدر ناہید خان' آصف علی زرداری' حسین حقانی' بیگم رعنا شیخ' شہناز وزیر علی' نواز کھوکھر' نوید قمر' جہانگیر بدر' ملک مشتاق اعوان وزیر بلدیات ناظم حسین شاہ پر بعض غلط الزامات پر اصرار کر رہا تھا۔ جبکہ بے نظیر بھٹو کے ذرائع صدر لغاری ان کے صاحبزادوں اور چچازاد بھائیوں کی بدعنوانیوں کے دستاویزی ثبوت رکھنے کا دعویٰ کر رہے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ صدر لغاری کے بیٹے جمال لغاری نے سوشل ایکشن بورڈ ڈیرہ غازی خان کے چیئرمین کے طور پر بورڈ کے فنڈز کا جو حشر کیا صرف وہی منظر عام پر لایا جائے تو لغاری خاندان کی پاکدامنی کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔

4 اور 5 نومبر کی رات کو حتمی فیصلے سے پہلے صدر لغاری اور بے نظیر کے درمیان ایک ملاقات ہوئی۔ جس میں شکوے شکایت کے علاوہ یہ طے پایا کہ صدر لغاری اگلے روز یعنی 5 نومبر کو

Marfat.com

اپنے آبائی گاؤں چوٹی جارہے ہیں۔ نصر اللہ بابر نوشہرہ روانہ ہونے والے ہیں اور ان دونوں کی واپسی کے بعد ایک اور ملاقات میں دوبارہ بات چیت کی جائے گی۔ اس فیصلے کے بعد صدر لغاری سونے کیلئے اپنے بستر میں چلے گئے بعض مقتدر قوتوں کے نمائندوں نے انہیں فون کر کے جگایا اور کہا کہ وہ انہیں ملنے کے لئے آرہے ہیں۔ انہوں نے صدر مملکت کو تصویروں اور ویڈیو کیسٹوں کا ایک پیکٹ پیش کیا جسے دیکھ کر صدر مملکت کی ہمت جواب دے گئی۔ حکومت کی برطرفی کیلئے فیصلہ کن احکامات دے دیئے گئے اس سلسلے کے تمام امور تیزی کے ساتھ طے پانے لگے۔ صدر کے سیکرٹری، ملٹری سیکرٹری، ڈائریکٹر پریس سمیت ایوان صدر کے عملے کے دیگر ارکان اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوگئے۔ عملے کے بعض ارکان نے اپنے گھروں کو فون کر کے کہہ دیا کہ وہ ایوان صدر میں خصوصی مصروفیات پر ہیں اور وہ دیر سے گھر لوٹیں گے۔

وزیراعلیٰ سندھ اپنے بیڈ روم میں محو خواب تھے کہ اچانک ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ دوسری طرف لائن پر بے نظیر بھٹو بول رہی تھیں۔ بے نظیر نے عبداللہ شاہ کو بتایا کہ صدر لغاری نے اسمبلی اور حکومت توڑ دی ہے۔ کیا کمال اظفر نے آپ کو وہاں حکومت توڑنے کی اطلاع دے دی ہے عبداللہ شاہ نے بتایا کہ انہیں ایسی کوئی اطلاع نہیں ملی تاہم وہ پوچھ کر بتاتے ہیں۔ عبداللہ شاہ نے گورنر ہاؤس میں فون کیا دوسری طرف گورنر سندھ فون پر موجود تھے۔ عبداللہ شاہ نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے اسمبلی توڑ دی ہے؟ گورنر نے جواب دیا کہ وہ اسلام آباد سے رابطہ کر کے صورتحال معلوم کرتے ہیں۔ اسلام آباد رابطہ کرنے کے بعد کمال اظفر نے عبداللہ شاہ کو بتایا کہ وہ خاطر جمع رکھیں ان کی اسمبلی نہیں توڑی جارہی۔

بے نظیر نے دوسری مرتبہ فون پر عبداللہ شاہ سے بات کی اور کہا کہ وہ سندھ کے ارکان قومی وصوبائی اسمبلی اور سینٹروں کو لے کر اسلام آباد پہنچ جائیں۔ یہ بے نظیر بھٹو کی آخری کال تھی۔ اس کے بعد وزیراعظم ہاؤس کے تمام فون خاموش کر دیئے گئے۔

5 نومبر 1996ء کو صدر نے اسمبلی توڑنے اور بے نظیر حکومت برطرف کرنے کا جو اعلان جاری کیا اس میں عائد کردہ الزامات میں کہا گیا کہ:

☆ گذشتہ تین برسوں کے دوران کراچی اور ملک کے دیگر حصوں میں ہزاروں افراد کو ان

Marfat.com

کے حق زندگی سے محروم کر دیا گیا۔ جو آئین کی دفعہ 9 کی خلاف ورزی ہے۔ صدر مملکت نے 24 اکتوبر 1995ء کو پارلیمنٹ سے خطاب کے دوران متنبہ کیا کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے اس بات کو یقینی بنائیں کہ دہشت گردی سے نمٹنے کے دوران بے گناہ شہریوں کو ہراساں نہ کیا جائے اور تمام شہریوں کے قانونی اور انسانی حقوق کا مکمل تحفظ کیا جائے۔ مگر اس ہدایت پر کان نہیں دھرے گئے اور لوگوں کی ماورائے عدالت ہلاکتوں کا سلسلہ جاری رہا۔

☆ وزیر اعظم نے اپنے بھائی میر مرتضیٰ بھٹو کے قتل (20 ستمبر 1996ء) کا الزام ایوان صدر اور مملکت کی دیگر ایجنسیوں پر لگایا جس سے ایوان صدر کے وقار کو دھچکا پہنچا اور دفاع پاکستان کے ذمہ دار ادارے کی ساکھ متاثر ہوئی۔ بعد ازاں وزیر اعظم نے اگرچہ اس بات کی تردید کر دی لیکن اس وقت تک ایوان صدر کے وقار کو جو مملکت کے اتحاد کی علامت ہے سخت دھچکا پہنچ چکا تھا اور دفاع پاکستان کے ذمہ دار ادارے کی ساکھ متاثر ہو چکی تھی۔

☆ 20 مارچ 1996ء کو سپریم کورٹ نے ججز کیس (Judges Case) کا فیصلہ دیا تو وزیر اعظم نے قومی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے اس فیصلے پر تنقید کی۔ فیصلے کے نفاذ میں مزاحمت اور جان بوجھ کر تاخیر کی گئی۔ چھ ماہ دس دن بعد ہائی کورٹ کے ججوں کی سبکدوشی بھی اس وقت عمل میں آئی جب صدر نے وزیر اعظم کو متنبہ کیا کہ انہوں نے ستمبر کے آخر تک سپریم کورٹ کے فیصلے پر عمل درآمد نہ کرایا تو صدر آئینی تقاضوں کی تکمیل کیلئے خود ہی مزید کارروائی کریں گے۔ حکومت نے اس سلسلے میں نہ صرف آئین کی خلاف ورزی کی بلکہ عدلیہ کی آزادی سلب کرنے کی بھی کوشش کی جس کی ضمانت آئین کی دفعہ 2۔اے بشمول قرارداد مقاصد میں دی گئی ہے۔

☆ حکومتی اداروں اور کارپوریشنوں میں کرپشن، اقرباء پروری اور قواعد کی خلاف ورزی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ حکومت کے کاروبار کا آئین کے مطابق چلانا ناممکن ہو گیا تھا۔ قومی اسمبلی کے ارکان کی سفارش پر بھرتیاں کی گئیں اور مختلف اسامیوں کیلئے ارکان قومی وصوبائی اسمبلیوں کا کوٹہ تک مختص کر دیا گیا جو آئین اور قانون کے منافی ہے۔ کیونکہ قانون کے مطابق تمام بھرتیاں عوام کے مفاد میں دیانتداری سے اور میرٹ پر ہونی چاہئیں۔

☆ صدر مملکت کو اطلاع دیئے بغیر کرپشن کے خاتمے کا بل قومی اسمبلی میں پیش کیا جس میں

Marfat.com

تجویز پیش کی گئی کہ 32 ارکان قومی اسمبلی کی شکایات پر سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ کے کسی بھی جج کو جبری رخصت پر بھیجا جا سکے گا۔ اس بل کو کابینہ نے منظور کر لیا۔

☆ آئین کے آرٹیکل 14 کی صریحاً خلاف ورزی کرتے ہوئے عدلیہ کے ججوں' اعلیٰ فوجی اور سول حکام کے ٹیلی فون ٹیپ کیے گئے اور غیر قانونی طور پر ان کی گفتگو سنی گئی۔

Marfat.com

میری آپ بیتی

(بینظیر بھٹو شہید کے خودنوشت حالاتِ زندگی)

ہماری معاشرت میں جہاں مردوں کی بالادستی تھی' لڑکیوں کے مقابلے میں ہمیشہ لڑکوں کو فوقیت دی جاتی اور یہی نہیں کہ زیادہ تر انہی کو زیادہ تعلیم دی جاتی بلکہ انتہائی صورتوں میں یہ بھی ہوتا کہ وہ پہلے کھانا کھاتے اور اس دوران میں ماں اور بیٹیاں انتظار کرتی رہتیں۔ البتہ ہمارے خاندان میں اس طرح کا کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا تھا۔ بلکہ اگر کچھ ہوا تو یہی کہ سب سے زیادہ توجہ مجھ پر دی گئی۔ میں جو چار بہن بھائیوں میں سب سے بڑی تھی۔ 21 جون 1953ء کو کراچی میں پیدا ہوئی۔ میں اتنی گلابی (Pink) تھی کہ فوراً میری عرفیت ''پنکی'' پڑ گئی۔ ایک سال بعد میرا بھائی میر مرتضیٰ پیدا ہوا پھر 1957ء میں صنم اور 19578ء میں شاہنواز کی پیدائش ہوئی۔ میں پہلوٹی کی اولاد تھی۔ اس لیے مجھے شروع ہی سے خاندان میں خاص اور منفرد حیثیت دی گئی۔

اس وقت میں صرف چار سال کی تھی اور میرے والد کی عمر 28 سال تھی جب انہیں صدر اسکندر مرزا کی طرف سے پہلی بار اقوام متحدہ میں بھیجا گیا۔ اس کے بعد وہ صدر ایوب خان کی حکومت میں یکے بعد دیگرے مختلف سرکاری منصب پر فائز ہوتے رہے۔ پہلے وزیر تجارت ہوئے۔ پھر توانائی کے وزیر اور وزیر خارجہ بنائے گئے اور اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد کی قیادت کی اور وقتاً فوقتاً سات سال تک اس حیثیت میں سرکاری فرائض انجام دیتے رہے۔ اس طرح وہ خود اور میری والدہ بیشتر عرصے گھر سے دور رہے۔ میں نے اپنے والد کو جتنا دور دیکھا اتنا ہی اخبارات کے صفحہ اوّل پر دیکھا۔ اقوام متحدہ میں پاکستان اور تیسری دنیا کے دوسرے ملکوں کی وکالت کرتے ہوئے 1960ء میں سوویت یونین کے ساتھ مالی اور فنی امداد کا معاہدہ کرتے ہوئے اور پھر 1963ء میں چین کے ساتھ پرامن سرحدی سمجھوتے کے بعد پیکنگ کی ممنوعہ سرزمین سے واپس آتے ہوئے دیکھا۔ اس سمجھوتے میں پاکستان کو 750 میل کا متنازعہ علاقہ مل گیا تھا۔ میری والدہ

Marfat.com

عام طور پر سفر میں ان کے ساتھ ہوتی تھیں۔ بچوں کو وہ گھر میں ملازموں کے پاس چھوڑ جاتیں اور مجھے بھی اس تاکید کے ساتھ کہ "تم ان سب میں بڑی ہو"۔ اس وقت میں کوئی آٹھ سال کی ہی ہوں گی جب والدین نے گھر سے دور جاتے ہوئے کنبے کو باقاعدہ میری سپردگی میں دے دیا۔ والدہ نے کھانے اور گھر کی دوسری ضروریات کی فراہمی کے لیے مجھے رقم دی' جسے میں نے تکیے کے نیچے چھپا دیا۔ حالانکہ ان دنوں میں اسکول میں ابتدائی حساب پڑھ رہی تھی' لیکن ہر رات جب والدہ گھر پر موجود نہ ہوتیں' میں کچن میں اسٹول کھینچ کر اس پر بیٹھ جاتی اور بابو سے جو ہمارا قدیمی نمک خوار ملازم تھا' اخراجات کا حساب کتاب اس طرح کرتی جیسے مجھے سب کچھ آتا ہے۔ اب مجھے کچھ یاد نہیں کہ جوڑنے گھٹانے میں کتنے ہندسے ملتے تھے یا نہیں لیکن خوش قسمتی سے اس حساب کتاب میں بہت معمولی رقمیں آتی تھیں۔ اس زمانے میں دس روپے یعنی تقریباً دو ڈالر میں سارے گھر کا سامان آجاتا تھا۔

تعلیم کو ہمارے خاندان میں دوسری ہر چیز پر فوقیت حاصل تھی' جس طرح میرے باپ کے سامنے' ان کے باپ کی مثال تھی۔ اسی طرح میرے والد ہمیں دنیا کے لیے نمونہ بنا کر تعلیم یافتہ اور ترقی پسند پاکستانیوں کی آئندہ نسل بنا کر پیش کرنا چاہتے تھے۔ میں تین سال کی تھی جب مجھے لیڈی جننگز نرسری اسکول میں داخل کر دیا گیا۔ پھر جب میں پانچ سال کی ہوئی تو کراچی کے ایک بہترین اسکول کانونٹ آف جیسز اینڈ میری میں داخل ہوئی۔ اس اسکول میں ذریعہ تعلیم انگریزی تھا اور گھر میں اپنے والدین کی مادری زبان سندھی اور فارسی یا قومی زبان اردو سے کہیں زیادہ ہم یہی انگریزی بولتے تھے۔ وہاں ہمیں آئرش ننز پڑھاتی تھیں اور ہر چند کہ انہوں نے بڑی عمر کی طالبات کو مختلف ہاؤسز (ایوانوں) میں تقسیم کر دیا تھا اور عملی تحریک پیدا کرنے کے لیے ان کے نام بھی رکھ دیئے تھے۔ مثلاً ڈسپلن (نظم وضبط) کرٹسی (انکسار' انڈیور (کوشش) اور سروس (خدمت) لیکن انہوں نے ہمیں عیسائی بنانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ یہ اسکول مسیحی مشنریوں کے لیے آمدنی کا اچھا خاصہ ذریعہ تھا۔ جو اس خطرے کے باوجود اسے چلا رہے تھے کہ اس طرح تھوڑے سے وہ مسلمان خاندان جو دولت مند بھی ہیں اور دور اندیش بھی اپنے بچوں کو تعلیم دلانے لگیں گے۔

میرے والد اکثر و بیشتر مجھ سے کہتے" میں تم سے ایک ہی بات چاہتا ہوں کہ تعلیم اچھی

Marfat.com

طرح حاصل کرو"۔ جب ہم ذرا بڑے ہوئے تو انہوں نے ٹیوٹر مقرر کر دیا تا کہ اسکول کے بعد سہ پہر میں ہمیں ریاضی اور انگریزی پڑھائی جائے۔ پھر وہ دنیا میں چاہے کہیں بھی ہوتے، ٹیلی فون پر ہمارے اسکول کی رپورٹ سے باخبر رہتے۔ خوش قسمتی سے میں ایک اچھی طالبہ تھی۔ لہٰذا میرے بارے میں ان کے زبردست منصوبے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ میں بھٹو خاندان کی وہ پہلی لڑکی بنوں جو ملک سے باہر تعلیم حاصل کرے۔

جہاں تک مجھے یاد ہے انہوں نے بہت پہلے ہی ہم چاروں سے کہنا شروع کر دیا تھا کہ تم سب اپنے اپنے سوٹ کیسوں میں سامان ٹھونس کے تیار ہوا کرو گے اور میں تمہیں رخصت کرنے کے لیے ساتھ لے کر ائر پورٹ جایا کروں گا۔ پنکی جب ہم سے رخصت ہوگی تو ایک چھوٹی سی دبلی پتلی لڑکی ہوگی اور جب واپس آئے گی تو ساڑھی میں ایک خوبصورت نوجوان خاتون نظر آئے گی...... اور ہاں شاہنواز اپنے سوٹ کیس میں اتنے بہت سارے کپڑے بھر لے گا کہ وہ بند نہیں ہوگا تب ہمیں بابو کو بلانا پڑے گا اور سوٹ کیس کو بند کرنے کے لیے بابو کو اس کے ڈھکن پر بیٹھنا ہوگا۔

ہمارے خاندان میں یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ مجھے اور میری بہن کو زندگی میں وہی مواقع حاصل ہوں جو میرے بھائیوں کو حاصل ہوتے۔ نہ اسلام میں اس کی گنجائش تھی۔ یہ تو ایک عمر کے بعد ہمیں پتہ چلا کہ ہمارے مذہب کی یہ توضیح کہ عورتوں کے لیے مواقع محدود ہیں، مردوں کے خودساختہ ہیں۔ ہمارے مذہب میں ایسی کوئی بات نہیں۔ اسلام تو درحقیقت شروع ہی سے عورتوں کے سلسلے میں بہت ترقی پسندانہ رہا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچیوں کے قتل کی سختی سے ممانعت فرمائی تھی، جس کا اس زمانے کے عربوں میں رواج تھا۔ آپ نے عورتوں کو علم حاصل کرنے کے لیے کہا اور وراثت میں ان کا حق تسلیم کیا اور جب مغرب نے عورتوں کے یہ حقوق تسلیم کیے تو یہ اس سے بہت پہلے کی بات ہے۔

بی بی خدیجۃ الکبریٰ جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا، ایک بیوہ تھیں، جو تجارت کرتی تھیں۔ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب وہ ایک نوجوان تھے، ملازم رکھا اور بعد میں آنحضور سے شادی کر لی۔ کفار کے خلاف مسلمانوں کی ابتدائی جنگوں میں حضرت ام عمارہ

Marfat.com

مردوں کے شانہ بشانہ شریک تھیں اور ان کے مضبوط شمشیر زن بازوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کی حفاظت کی۔

جنوبی ہند کی ریاست احمد نگر کی خاتون حکمران چاند بی بی نے مغل شہنشاہ اکبر کو جنگ میں شکست دی اور اسے صلح کرنے پر مجبور کر دیا۔ شہنشاہ جہانگیر کی ملکہ نور جہاں عملاً ہندوستان کی حکمران تھیں۔ انتظامی امور میں اپنی مہارت کی بدولت اس نے بڑی شہرت حاصل کی۔ مسلمانوں کی تاریخ ایسی نامور خواتین کے تذکروں سے بھری ہوئی ہے۔ جنہوں نے عوامی زندگی میں عملی طور پر حصہ لیا اور اپنا کردار مردوں ہی کی طرح کامیابی سے انجام دیا۔ اسلام میں ایسی کوئی چیز نہیں جس نے عمل کا راستہ اختیار کرنے میں ان خواتین کی یا میری حوصلہ شکنی کی ہو۔ کلام پاک کی سورۃ نحل میں آیا ہے کہ ”میں نے عورت کو ان پر حاکم بنایا اور ساری نعمتیں ان کے تصرف میں دی گئیں اور اس کا تخت حکومت بہت مضبوط ہے“۔ اور سورۃ نساء میں آیا ہے ”جو مردوں نے کمایا وہ ان کا ہے اور جو عورتوں نے کمایا وہ عورتوں کا ہے“۔

ہر سہ پہر' ایک مولوی صاحب سے کلام پاک کی یہ اور ایسی ہی دوسری سورتیں پڑھتے تھے۔ وہ مولوی صاحب ہر روز نصابی تعلیم کے بعد ہمیں دینی تعلیم دینے کے لیے آتے تھے۔ عربی میں قرآن پاک کی تلاوت اور اس کی تفہیم ہمارے لیے سب سے اہم مضمون ہوتا تھا۔ عربی کی مشکل عبارت کو پڑھنے اور سمجھنے میں پہروں گذر جاتے تھے۔ حالانکہ اس کے حروف تہجی ویسے ہی ہوتے' جیسے ہم اردو میں پڑھ چکے تھے لیکن اس کے قواعد اور معانی اس طرح یکسر مختلف ہوتے' جیسے انگریزی اور فرنچ کے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔

سہ پہر کے انہیں اسباق کے دوران میں مولوی صاحب نے ہمیں بتایا کہ ”ماں کے پاؤں تلے جنت ہے“' اور قرآنی احکام کا حوالہ دیا کہ والدین کے ساتھ ہمیشہ ادب سے پیش آؤ اور ان کی اطاعت کرو۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ والدہ ہم سب کو سیدھا رکھنے کے لیے اس حکم کو اکثر استعمال کرتی تھیں۔ مولوی صاحب نے ہی ہمیں بتایا کہ دنیا میں ہمارے اعمال سے ہی آخرت میں ہمارے انجام کا فیصلہ ہوگا۔ ہمیں ایک آگ کے دریا سے گذرنا ہوگا جس پر پل صرف ایک بال ہوگا اور تمہیں معلوم ہے بال کتنا باریک ہوتا ہے؟ وہ ڈرامائی انداز میں سوال کرتے' وہ لوگ

Marfat.com

جنہوں نے گناہ کیے' جہنم کی اس آگ میں گر کر جل جائیں گے' اس کے برعکس جن کے اعمال اچھے ہوں گے ہوں گے' اس پل سے گذر کے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ جہاں دودھ اور شہد پانی کی طرح بہہ رہے ہوں گے اور ہر طرح کی آسائش ان کو میسر ہوگی۔

تاہم وہ میری ماں تھیں' جنہوں نے عبادت کے آداب سکھائے۔ اپنے عقیدے کے معاملے میں وہ بہت سخت تھیں۔ دنیا میں وہ چاہے کہیں بھی ہوتیں اور کچھ بھی کر رہی ہوتیں دن میں پانچ بار نماز کے لیے سربسجود ضرور ہوتیں۔

جب میں نو سال کی ہوئی تو انہوں نے مجھے بھی اپنے ساتھ شامل کرنا شروع کر دیا۔ وہ چپکے سے میری خواب گاہ میں داخل ہوتیں اور مجھے نماز فجر کے لیے لے چلتیں۔ ہم دونوں ایک ساتھ وضو کرتے' دونوں ہاتھ پاؤں دھوتے' منہ بازو اور پاؤں دھوتے تاکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پاک صاف ہو کر پیش ہوں۔ اس کے بعد مکہ کی طرف رخ کرتے اور قبلہ رو ہو کر نماز ادا کرتے۔

ایک سہ پہر والد کے ساتھ

''میں مزید زرعی اصلاحات کا اعلان کرنے والا ہوں'' میرے والد نے رازداری سے کہا' وہ ان کی سالگرہ کا دن تھا۔ سہ ہر کے وقت ہم دونوں المرتضیٰ کے باغیچے میں چہل قدمی کر رہے تھے۔

''اور ہاں میں مارچ میں انتخابات کا اعلان بھی کروں گا۔ ویسے تو آئین کے مطابق اگست تک انتخابات کی ضرورت نہیں رہتی لیکن اس وقت تک انتظار کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ جمہوری ادارے جو ہم نے آئین کے تحت قائم کیے ہیں اپنی جگہ موجود ہیں اور پارلیمنٹ اور صوبائی حکومتیں کام کر رہی ہیں۔ لیکن عوام کی تائید حاصل کرنے کے بعد ہم اپنے منصوبے کے نفاذ کے دوسرے مرحلے میں زیادہ آسانی کے ساتھ داخل ہو سکتے ہیں۔ صنعتی بنیادوں میں توسیع کر سکتے ہیں' نئے ٹیوب ویل لگانے اور اچھے بیج کی تقسیم اور کھاد کی پیداوار میں اضافے کی بدولت زراعت کو جدید خطوط پر منظم کر سکتے ہیں۔''

ہم چہل قدمی کر رہے تھے اور ان کے خیالات کا بہاؤ تھا کہ رکنے میں نہیں آ رہا تھا۔ جدید اور جمہوری پاکستان کا تخیل قریب سے قریب تر آتا جا رہا تھا۔

Marfat.com

ان کی بہت سی اصلاحات پر عملدرآمد شروع ہو چکا تھا۔ پاکستان پیپلز پارٹی نے غریبوں کے لیے جو وعدے کیے تھے اس کے تحت مٹھی بھر جاگیرداروں سے زمین لے کر ان کی از سر نو تقسیم کا آغاز ہو رہا تھا۔ میرے والد نے سوشلزم پر مبنی اپنی اقتصادی پالیسیوں کی ابتداء کر دی تھی۔ جس کے تحت وہ بہت سی صنعتیں جو پاکستان کے بائیس خاندانوں کے قبضے میں تھیں قومی ملکیت میں لی جا چکی تھیں تاکہ ان کا منافع ملک کے اندر ہی کام آئے۔ ان کی حکومت نے ان محنت کشوں کے لیے کم سے کم اجرتیں مقرر کر دیں' جنہوں نے اکثر نہایت حقیر معاوضے پر یا اس کے بغیر ہی قبائلی سرداروں اور صنعت کاروں کے لیے کام کیا تھا۔ انہوں نے مزدوروں کی ہمت افزائی کی تاکہ اپنی ٹریڈ یونین بنالیں۔ انہیں کارخانوں کی انتظامیہ میں رائے دہی کا حق دلایا اور اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کرنے کا موقع دیا اور یہ سب کچھ پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار ہوا تھا۔

دیہی علاقوں کے بہت سے دیہات میں بجلی پہنچائی جا چکی تھی۔ مردوں اور عورتوں کے لیے خواندگی کے پروگراموں کا نفاذ ہو چکا تھا۔ ہرے بھرے باغات نمودار ہو رہے تھے۔ ان جگہوں پر گندگی سے اٹے ہوئے راستوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ تارکول کی کشادہ سڑکیں تعمیر کی جا رہی تھیں تاکہ صوبوں کے درمیان رابطہ قائم ہو جائے۔ چینیوں کے ساتھ ایک معاہدے کے تحت ہندو کش کے پہاڑ کو کاٹ کر ایک نئی شاہراہ تعمیر کی جا رہی تھیں۔ جسے چین کی سرحد تک لے جانا مقصود تھا۔ میرے والد نے تہیہ کر لیا تھا کہ جدید دور خوشحالی کو پاکستان کے عوام تک ضرور لے جائیں گے۔

بلوچستان میں ایک کسان نے میرے والد سے شکایتاً کہا ''اس نئی سڑک پر میرا خچر چلنے میں بار بار پھسلا ہے''۔ میرے والد نے دلاسہ دیا۔ ''میں تمہیں ایک اچھی قسم کا خچر دلاؤں گا۔ جو تمہاری سبزیوں کو لاد کر تین گنا تیز رفتاری کے ساتھ منڈی میں پہنچائے گا''۔ دوسرے ہی ہفتے انہوں نے کسان کے لیے ایک جیپ بھجوا دی۔

یہ ٹھیک ہے کہ میرے والد کی مخالفت بھی بہت ہوئی۔ صنعت کار انہیں یقیناً پسند نہیں کرتے تھے۔ جن کی نجی املاک کو انہوں نے قومی ملکیت میں لے لیا تھا۔ اور اراضی کے مالکان بھی

Marfat.com

انہیں پسند نہیں کرتے تھے۔ جن کے قطعات کو انہوں نے کسانوں میں بانٹ دیا تھا جو کہ گیارہ گیارہ نسلوں سے ان زمینوں پر مشقت کرتے آ رہے تھے لیکن جنہیں صرف اتنا ہی حق حاصل تھا۔ کہ کل پیداوار کا صرف آدھا حصہ اپنے پاس رکھیں۔ جماعت اسلامی کے ارکان نے جن میں سے بہت سارے چھوٹے دکاندار تھے' میرے والد کی سماجی اصلاحات کے خلاف واویلا شروع کر دیا۔ ان کی خفگی خاص طور پر اس لیے تھی کہ حکومت عورتوں کی اعلانیہ طرف داری کر رہی تھی۔ وہی عورتیں جو گھر سے باہر نکل کر کام کر رہی تھیں اور نئے حکومتی قوانین نے مردوں اور عورتوں کے درمیان جنس کی بنیاد پر ہر طرح کی تفریق کی ممانعت کر دی تھی۔ قومی استحکام کی جو پالیسی میرے والد نے شروع کی تھی اس سے وہ لوگ خلاف ہو گئے۔ جن کے مفادات قوم کو ٹکڑے کرنے میں تھے۔ بلوچستان اور سرحد کے علیحدگی پسند جو آزادی چاہتے تھے اور قبائلی سردار جو مرکزی حکومت کی عملداری کو نہیں بلکہ اپنے ہزاروں اور لاکھوں ہم وطنوں پر نجی حکمرانوں کو مسلط رکھنے کے درپے تھے۔

مارشل لاء کے زمانے میں

میری زندگی کے بہترین لمحات وہ تھے جو میں نے المرتضٰی میں گلاب کے پھولوں کے درمیان اور پھل دار درخت کے سائے میں گذارے۔ دن کے وقت ہر طرف ''دن کے راجہ'' کی خوشبو پھیلی ہوتی۔ یہ وہ پیارے پیارے سفید پھول تھے جنہیں میری ماں بہت سی دوسری پاکستانی عورتوں کی طرح اپنے بالوں میں گوندھا کرتی تھیں اور جب سورج ڈوبتا تو فضا میں ''رات کی رانی'' کی مہک پھیل جاتی۔

راولپنڈی سینٹرل جیل میں میری سالگرہ

میں فلیش مین ہوٹل راولپنڈی کے ایک چھوٹے سے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ مجھے اپنے والد سے ملاقات کا انتظار ہے۔ میری نظریں بار بار اپنی گھڑی کی طرف اٹھ جاتی ہیں۔ ممی کہاں ہیں۔ میرے والد کی پیروی کرنے والے وکیلوں نے عدالت سے اس مضمون کا حکم نامہ حاصل کر لیا کہ میری سالگرہ پر ہم دونوں کو والد سے ملاقات کی اجازت ہو گی لیکن اب تو دوپہر

Marfat.com

ہونے کو آئی ہے اور میں صبح نو بجے سے انتظار کر رہی ہوں کہ پولیس ممی کو قید سے نکال کر طیارے میں لاہور سے یہاں لے آئے۔

میں ممی کے لیے فکر مند ہو رہی ہوں۔ انہیں شدید درد سر رہنے لگا ہے اور اس حالت میں ان کے سارے بدن کی توانائی تقریباً ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس تکان کا ان کی صحت پر گہرا اثر ہوا ہے اور بلڈ پریشر برابر گرتا جا رہا ہے۔ دو بار ایسا ہوا کہ پنڈی میں والد سے ملاقات کے لیے لاہور سے آتے ہوئے بے ہوش ہو گئیں۔ وکیلوں نے حکومت سے درخواست کی ہے کہ انہیں اسلام آباد میں کسی ایسی جگہ قید رکھیں جہاں سے جیل تک کار کے ذریعے با آسانی پہنچایا جا سکے لیکن ابھی تک انہیں لاہور میں ہی نظر بند رکھا گیا ہے۔ اب وہ پھر اکیلی رہ گئی ہیں۔ ایک ننھا سا بلونگڑا قید میں ان کا ساتھی ہے۔ بلی کے اس بچے کو میں جیب میں چھپا کر اندر لے گئی تھی۔ ممی کہتی ہیں پیشنس کھیلتے وقت جب وہ تاش کے پتوں کو سامنے پھیلاتی ہیں تو بلی ممی کے ہاتھ پر اپنا پنجہ رکھ دیتی ہے۔

میں اپنی قمیض شلوار پر ہاتھ پھیر کر شکنیں درست کرتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ سالگرہ کے دن اپنے والدین کو ذرا ٹھیک ٹھاک دکھائی دوں' تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ میرے حوصلے بلند ہیں۔ دوپہر کے ایک سے دو بج گئے۔ حکومت کی جو پسندیدہ ترکیبیں ہیں' ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اب تو مجھے یاد بھی نہیں کہ خود میری نظر بندی کے زمانے میں کتنی بار ایسا ہوا کہ میں مقررہ وقت پر تیار ہو گئی تاکہ مجھے والد سے ملاقات کے لیے لے جائیں لیکن ہوا یہ کہ انتظار کرتے کرتے پہروں گذر گئے اور پھر ایک لفظ بھی سننے میں نہیں آیا۔ والد سے ملاقات کے لیے ہر دو ہفتے بعد جانا میرے اندر توانائی کو برقرار رکھتا ہے۔ یہ بات حکومت کو بھی معلوم ہے اس لیے یا تو وہ مجھے ساتھ لے جانے میں دیر کر دیتے تاکہ والد سے میری ملاقات آدھے گھنٹے سے زیادہ نہ ہو یا پھر وہ سرے سے آتے ہی نہیں۔ وہ اب تک کیوں نہیں آئے؟ حکومت ایک عدالتی حکم سے روگردانی کس طرح کر سکتی ہے؟

تین بجے پھر ساڑھے تین بجے۔ جیل کے قوانین کے تحت اس امر کی پابندی کی جاتی ہے کہ سارے ملاقاتی غروب آفتاب سے پہلے پہلے رخصت ہو جائیں۔ مجھے اپنی گذشتہ سالگرہ یاد ہے۔ آکسفورڈ کے لان پر میری دعوت کوئی دس سال پرانی لگتی ہے۔ اب تو یہ سوچ کر حیرت ہوتی

Marfat.com

ہے کہ ایسی کوئی دعوت کیا کبھی ہوئی بھی تھی۔

چار بج گئے۔ ہوائی اڈے پر یہ پیغام ملا کہ میری ماں آ گئیں۔ جیل کے دروازے پر ہم ملے تو انہوں نے مجھے لپٹاتے ہوئے کہا "پنکی سالگرہ مبارک ہو"۔ ہم دونوں ساتھ ساتھ والد کی کوٹھڑی کی طرف جانے لگے۔ ہم وہاں پہنچے تو والد نے مجھے دیکھ کر کہا "سال کے سب سے لمبے دن پر پیدا ہونا تمہارے لیے انتہائی خوش قسمت ہونے کی دلیل ہے۔ اس کے لیے تو حکومت بھی کچھ نہ کر سکی کہ تمہاری سالگرہ پر سورج ذرا پہلے غروب ہو جاتا"۔

زندگی میں بعض ناقابل بیان ساعتیں بھی آتی ہیں۔ لاہور میں میری واپسی ایک ایسی ہی ساعت تھی۔ انسانوں کا ایک سمندر تھا جو سڑک کے دو رویہ ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ بالکنیوں اور چھتوں پر، درختوں اور بجلی کے کھمبوں پر، لوگ ہی لوگ تھے۔ لوگ ہمارے ٹرک کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے، کھیتوں اور میدانوں کو پھلانگ کر آگے بڑھ رہے تھے۔ خلقت کا ہجوم ایک موج کی طرح تھا۔ ہوائی اڈے سے اقبال پارک میں مینار پاکستان تک آٹھ میل کا فاصلہ ہے۔ گاڑی میں طے کیا جائے تو پندرہ منٹ لگتے ہیں لیکن 10 اپریل 1986ء کا وہ دن ناقابل یقین تھا۔ اس روز یہ فاصلہ ہم نے دس گھنٹے میں طے کیا۔ ہوائی اڈے پر دس لاکھ افراد کا ہجوم دیکھتے دیکھتے بیس لاکھ ہو گیا اور مینار پاکستان تک پہنچتے پہنچتے تیس لاکھ ہو گیا۔

ہوائی اڈے کے گیٹ جونہی کھلے سینکڑوں رنگا رنگ غبارے آسمان میں اڑتے ہوئے نظر آئے۔ اس روز ہوا میں آنسو گیس کی نہیں، پھولوں کی پنکھڑیوں کی خوشبو تھی۔ لوگ برابر ٹرک پر پھول نچھاور کر رہے تھے۔ میں نے ایک لڑکی کو دیکھا جس کے بھائی کو پھانسی دی گئی تھی۔ ایک ہار میں نے اس کی طرف اچھال دیا۔ ٹرک میں پھولوں کے ہار کی بارش ہوتی رہی یہی نہیں رہا تھوں کے چنے ہوئے ڈوپٹے اور شالیں بھی آ آ کر گرتی رہیں۔ میں نے ایک کے بعد دوسرا ڈوپٹہ اوڑھ لیا اور باقیوں کو اپنے شانوں پر ڈالتی گئی۔ سابق سیاسی قیدیوں کے پاس سے گذرتے ہوئے میں انہیں ہجوم میں پہچان لیتی اور ان کی طرف بلکہ وہ تمام لوگ جنہیں پھانسی دی گئی اور جنہیں اذیتیں دی گئی ان کے افراد خاندان کی طرف "نوجوان اور عمر رسیدہ عورتوں کی طرف جو راستے میں کھڑے نظر آتے، پھول اور کڑھائی والے کپڑے پھینکتی گئی۔

Marfat.com

سیاہ' سبز اور سرخ پیپلز پارٹی کے بھی رنگ ہیں اس روز لاہور کے رنگ تھے۔ ہوا کے گرم اور خشک تھپیڑوں میں لہرائے ہوئے پیپلز پارٹی کے پرچم اور بینر اس طرح باہم مل گئے تھے کہ ایک شامیانہ تنا ہوا نظر آتا تھا۔ لوگوں نے سرخ' سبز اور سیاہ جیکٹ' ڈوپٹے' شلوار قمیض اور انہی رنگوں کے ہیٹ پہن رکھے تھے۔ پیپلز پارٹی کے ربن گدھوں اور بھینسوں کی گردن اور دم کے ساتھ بندھے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ میرے والد' والدہ' بھائیوں اور خود میرے پوسٹر بھی انہوں رنگوں کے حاشیوں سے مزین تھے۔

''جیوے بھٹو...... سدا جیوے'' پنجابی میں یہ نعرہ گونج رہا تھا۔ یہ اس جذبے کا اظہار تھا کہ محض تین ماہ پہلے اس پر قید بامشقت اور کوڑوں کی سزا ہو سکتی تھی۔ دوسری طرف سندھی میں یہ نعرہ سنائی دے رہا تھا ''منجی بھین...... تجنی بھین (میری بہن' تیری بہن) بے نظیر''۔ اردو میں' پشتو میں' پاکستان کی ہر زبان میں نعرے لکھے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ''بے نظیر آئے گی...... انقلاب لائے گی'' میرے حامیوں نے یہ نعرہ میری واپسی سے پہلے لگایا تھا۔ اب وہ للکار رہے تھے۔ ''بے نظیر آئی ہے...... انقلاب لائی ہے''۔ جب میں اپنے ہاتھ لہراتی تو جواب میں وہ بھی فضا میں ہاتھ بلند کرتے۔ جب میں دونوں ہاتھ سر پر بلند کر کے انہیں جوڑتی جس طرح میرے والد کیا کرتے تھے تو وہ بھی اس طرح اپنے ہاتھوں کو آپس میں ملاتے اور لہراتے اور یوں لگتا جیسے حد نظر تک گندم کے لہلہاتے ہوئے کھیت ہیں' جو ہوا میں بل کھا رہے ہیں۔

میں پورے دس گھنٹے تک ٹرک کے اوپر کھڑی رہی اور ہم آہستہ آہستہ گویا رینگتے ہوئے مینار پاکستان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اب ہم گورنر ہاؤس میں وزیراعظم کی جائے قیام کے قریب سے گذر رہے تھے۔ جہاں ہمارے خاندانوں کا اکثر قیام رہتا تھا لیکن جہاں میرے والد کے قتل کے بعد یہ کہا جاتا ہے کہ جنرل ضیاء اپنی بے خواب آنکھوں کے ساتھ لیمپ ہاتھ میں لیے لیڈی میکبتھ کی طرف بوکھلایا ہوا پھرتا ہے۔

جب ہم مینار پاکستان تک پہنچے تو سورج غروب ہونے کو تھا۔ میدان میں ایک انچ جگہ بھی خالی نظر نہیں آ رہی تھی۔ کیونکہ راستے میں لاکھوں آدمی ہمارے ساتھ ہو لیے تھے۔ ہم خود اسٹیج تک بمشکل پہنچ سکے تھے۔ ہجوم کے درمیان سے گذرتے ہوئے اس وقت میرے ساتھ کوئی محافظ

Marfat.com

نہ تھے جیسا کے بعد میں ساتھ رہنے لگے۔ ٹرک میں سوار ہو کر سیدھا اسٹیج تک پہنچنے کی تدبیر اس وقت تک ہم نے نہیں سوچی تھی۔ تاکہ ٹرک سے ایک قدم آگے بڑھ کر اسٹیج پر پہنچ جاتے۔ مینار کے پاس میں ٹرک سے نیچے اتر آئی۔ صرف چار پانچ دوست میرے اردگرد تھے۔ امنڈتے ہوئے ہجوم کے درمیان بڑی مشکل سے ہم نے آگے جانے کا راستہ بنایا۔

میں نے اقبال پارک میں چاروں طرف نظر ڈالی تو عجیب منظر دکھائی دیا۔ بادشاہی مسجد جو کہ دنیا کی عظیم ترین مساجد میں شمار ہوتی ہے' اس کے سرخ پتھر ڈوبتے ہوئے سورج کی کرنوں میں اس طرح دمک رہے تھے' جیسے شعلے بلند ہو رہے ہیں۔ ڈھلتے ہوئے سائے سے دور میری دائیں جانب لاہور کا بلند و بالا قلعہ تھا۔ یہ وہی قلعہ ہے جس کے تہہ خانوں میں ہمارے حامیوں کو اذیتیں دی گئیں اور ہلاک کیا گیا۔ اور اب ہر جگہ چاروں جانب لوگ وطن واپسی پر ہمارا خیر مقدم کر رہے تھے۔ میں نے اردو میں تقریر کرتے ہوئے کہا" کچھ لوگوں نے مجھے مشورہ دیا کہ سیاست چھوڑ کر الگ ہو جاؤں۔ انہوں نے مجھے دھمکی دی کہ تمہارا انجام بھی وہی ہوگا' جو تمہارے باپ اور بھائی کا ہوا۔ کچھ اور لوگوں نے کہا کہ پاکستان کا سیاسی میدان عورتوں کے لیے نہیں ہے۔ ان سب لوگوں کو میرا یہ جواب تھا کہ میری پارٹی کے جیالے ورکرز مجھے خطرے سے بچائیں گے۔ میں نے کانٹوں سے بھرے ہوئے راستے کا انتخاب بڑی خوشی سے کیا ہے۔ میں موت کی وادی میں داخل ہو گئی ہوں۔"

اس پورے دن میں تشدد کا ایک بھی واقعہ رونما نہیں ہوا۔ حکمران ٹولے کے خلاف ایک پرامن چیلنج کے سوا اس روز اور کچھ نہ تھا۔ ہجوم میں اتنا جوش اور ولولہ تھا کہ بعض لوگوں نے محسوس کیا کہ حکومت کو الٹا جا سکتا ہے۔ زبان سے ایک لفظ نکالنے کی دیر تھی۔ ہجوم پنجاب اسمبلی کو' وزراء کی اقامت گاہوں کو اور لاہور ہائی کورٹ کو' جہاں ضیاء کی بنائی ہوئی عدالت نے میرے باپ کو سزائے موت دی' تباہ کر سکتا تھا۔ لیکن ہم خون ریزی کے ذریعے برسر حکومت نہیں آنا چاہتے تھے۔ ہم پرامن اور جائز انتخابات کے ذریعے جمہوریت لانا چاہتے تھے۔ یہ تو مقتدر ٹولہ تھا جس نے اپنے مقاصد کے لیے تشدد استعمال کیا۔ یقیناً ہم ان کی طرح نہیں۔

Marfat.com

آزاد اور غیر جانبدارانہ انتخابات

ہم ابھی تک اس دن کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں جس دن پاکستان میں جمہوریت واپس آئے گی۔ میرے باپ نے اس مقصد کے لیے غریب' امیر' عورت' مرد اور تمام لسانی گروہوں اور مذہبی اقلیتوں کو آئینی مساوات دینے کے لیے اپنی جان دے دی۔ تعلیم اور اقتصادی ترقی کی مدد سے اس نے سارے ملک کو فائدہ پہنچایا اور جمہوریت کی آواز کو ان تمام لوگوں تک لے گئے جو بے تابی سے اس کے لیے چیخ و پکار کر رہے تھے۔ اپنے خواب کی تعبیر پانے کے لیے انہوں نے اس کی پوری پوری قیمت ادا کی۔

مہندی

ڈھول اور گنگے کی آوازیں عورتوں کے گیت' میرے رشتے داروں کی طرف سے مبارک سلامت کا شور 17 دسمبر کو دولہا کا جلوس' مہندی کی رسم کے لیے 70 کلفٹن پہنچا۔ جلوس میں آصف کی رشتہ دار ایک تھال میں مہندی اٹھائے ہوئے تھیں۔ مہندی کو مور کی طرح سجایا گیا تھا اور اس کی دم مور کے سچے پروں سے آراستہ تھی۔ زرداری کے جلوس میں شامل خواتین باغ میں داخل ہوئیں تو میری رشتہ دار عورتوں نے ان کے گلوں میں گلاب کے ہار پہنائے۔ آصف اس جلوس کے درمیان میں تھے۔ ان کی بہنیں بھائی کے سر پر ایک شال کا سایہ کیے ہوئے تھیں۔ مجھے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ آصف اپنے پاؤں پر چل کر آئے تھے۔ ورنہ انہوں نے تو دھمکی دی تھی کہ پولو والے گھوڑے پر بیٹھ کر آؤں گا۔

70 کلفٹن کے سب سے اونچے زینے پر جس کی ساخت میں موتی استعمال ہوئے تھے ہمیں ایک بنچ پر بٹھا دیا گیا۔ بنچ کی پشت پر آئینہ نصب تھا۔ میں نے نقاب کے اندر سے اپنے کنبے کے افراد اور دوستوں پر نظر ڈالی جو قالین پوش زینوں کے نیچے ایک طرف ہجوم کی صورت میں کھڑے تھے اور دوسری طرف زرداری خاندان کے لوگ تھے۔ گانا شروع ہوا اور مجھے اس میں شک ہے کہ میری طرف سے جو گانے گائے گئے ویسے گانے کبھی کسی نے سنے ہوں گے۔ یاسمین' صنم' لالی اور دوسری دوست لہک لہک کر گا رہی تھیں۔ کہ "جب میں انتخابی مہم پر ہوں گی تو میرے

Marfat.com

بچوں کی دیکھ بھال آصف کریں گے اور مجھے جیل جانے سے ہرگز نہیں روکیں گے"...... "تمہیں اقرار کرنا پڑے گا کہ بے نظیر قوم کی خدمت کرے گی"۔ اب انہوں نے چہکنا شروع کیا۔ پھر آصف کی طرف سے خود ہی جواب دیا۔ "ہاں' میری پرواہ نہ کرو' میں اپنی بیوی کی خدمت کے ذریعے قوم کی خدمت کروں گا"۔

اتنی تیز تو نہ چلو کوئی پبلک جلسہ تو نہیں ہو رہا ہے جہاں پہنچنے کی جلدی ہو"۔ سنی نے میرے چہرے پر پڑے ہوئے گلابی نقاب کے اندر سرگوشی کی۔ وہ اور ممی مجھے ساتھ لے کر باغ میں بنے ہوئے عروسی اسٹیج کی طرف جا رہے تھے۔ ساتھ ہی آنٹی...... کی آواز آئی "دلہنیں سج سج کر قدم اٹھاتی ہیں"۔ انہوں نے میرے سر پر قرآن پاک کا سایہ کر رکھا تھا اور قدم ملا کر چلنے کی کوشش میں مصروف تھیں۔ باغ میں عروسی ڈائس پر اپنی نشست سنبھالتے ہوئے میں نے خود ہی گہری سنجیدگی طاری کرنے کی کوشش کی۔ میرا کزن شاد مسکراتا ہوا میرے پاس آیا۔

"مردوں کو اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے؟" میں نے سوال کیا۔ دراصل میں یہ جاننا چاہتی تھی کہ ادھر آصف یعنی دولہا والوں کی طرف کیا ہو رہا ہے جہاں ہماری خاندانی مسجد کے مولوی صاحب نکاح کا خطبہ پڑھ رہے تھے۔

"منظور آ ہی؟" شاد نے مجھ سے سندھی میں سوال کیا۔ میں نے سوچا' شاید وہ مذاق میں پوچھ رہا ہے کہ کیا میں تیار ہوں؟

"آ ھی" میں نے جواب دیا۔ "لیکن وہ لوگ کہاں ہیں؟"

شاد نے مسکرانے پر ہی اکتفا کیا اور پھر وہی سوال دوبارہ کیا۔

"آ ھی...... آ ھی" میں نے دہرایا۔ یہ تو میں نے بعد میں محسوس کیا کہ میں نے رواج کے مطابق ایک مرد گواہ کے سامنے تین بار "ہاں" کہا اور اب میں ایک منکوحہ عورت تھی۔

سات چیزیں جو "س" سے شروع ہوتی ہیں میرے اردگرد موجود تھیں۔ ان کے علاوہ مٹھائی کے تھال تھے۔ سنہری اور نقرئی رنگوں میں رنگے ہوئے کھوپرے تھے۔ نقرئی شمع دان میں بجی ہوئی نقرئی شمعیں تھیں۔

Marfat.com

بے نظیر بھٹو شہید اپنی ماں کی نظر میں

(محترمہ نصرت بھٹو کے ایک انٹرویو سے اقتباس)

بیگم صاحبہ: ''پنکی سے بی بی اور بی بی سے وزیراعظم بننے تک آپ محترمہ بے نظیر صاحبہ کے ہر لمحے کی ساتھی رہی ہیں' ہمیں کچھ ان کے بچپن کے بارے میں بتائیے''۔ میں نے بیگم نصرت بھٹو سے پوچھا تو ان کے چہرے پر خوشگوار یادوں کا ایک نور سا سمٹ آیا۔ خوشی اور مسرت کے ان ساری جذبوں کو سمیٹتے ہوئے بولیں۔

''پنکی ۔۔۔۔ میری پہلی بچی تھی۔ ظاہر ہے پہلا بچہ بھی والدین کو بڑا پیارا ہوتا ہے اور پنکی بھی ہمیں بہت عزیز تھی۔ لاڈ پیار بھی کچھ اس کے لئے وقف تھا۔ ہر ماں اپنے پہلے بچے کو جب دیکھتی ہے تو اس کی ہر بات اسے ایک معجزہ نظر آتی ہے۔ اسی طرح پنکی نے جب بولنا شروع کیا' چلنا شروع کیا' تو مجھے یہ سب کچھ ایک معجزہ سا نظر آتا تھا۔ وہ بچپن ہی سے غیر معمولی طور پر ذہین تھی۔ سارے کام جلدی جلدی شروع کئے۔ جلدی چلنا اور جلدی بولنا شروع کیا۔ دس مہینے کی تھی تو چیزیں پکڑ پکڑ کر چلتی تھی اور گھر میں گھومتی پھرتی تھی۔ آٹھ مہینے کی عمر سے ہی مختلف الفاظ بول کر اپنا مفہوم سمجھا لیتی تھی۔''

بیگم صاحبہ: ''مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس کی پہلی سالگرہ تھی' ہم کوئٹہ گئے ہوئے تھے اور کسی رشتہ دار کے ہاں مقیم تھے۔ روزانہ صبح جب ان کا ملازم چائے لیکر آتا اور دروازے پر دستک دیتا تو میں کہا کرتی ''اندر آ جاؤ''۔ جس روز پنکی کی پہلی سالگرہ تھی تو اس سے پہلے میں بولتی پنکی فوراً بولی ''اندر آ جاؤ'' یہ پہلا جملہ تھا جو اس نے اپنی پہلی سالگرہ والے دن بولا۔ میرے لئے یہ بڑی خوشی کا لمحہ تھا کہ ایک سال کی عمر میں ہی وہ پورے پورے جملہ بولنے لگی تھی۔''

''پنکی نام کس نے رکھا تھا؟''

بیگم صاحبہ: ''جب وہ پیدا ہوئی تو بہت گوری اور گلابی گلابی سی تھی۔ بھٹو صاحب کی بڑی بہن ممتاز یعنی بے نظیر کی پھوپھی نے اسے پیار سے ''پنکی'' کہنا شروع کر دیا۔ بس پھر سبھی اسی نام

Marfat.com

سے پکارنے لگے۔ کیونکہ بے نظیر لمبا نام لگتا تھا۔ پنکی مختصر سا تھا۔ اس لئے سب گھر والوں کو اچھا لگا۔ دراصل بے نظیر کا نام اس کی ایک پھوپھی کے نام پر رکھا گیا تھا جو بے چاری تیرہ چودہ سال کی عمر میں ہی فوت ہو گئی تھی۔ گھر والوں کو ان سے بہت پیار تھا۔ پھر جب میرے ہاں پہلی بچی ہوئی تو میری ساس نے بے نظیر نام رکھا۔ میری ساس اپنی مرحومہ بیٹی کو "نظیر" کہہ کر پکارا کرتی تھی اور سب گھر والے اسی نام سے پکارتے تھے۔ مگر جب پنکی کا نام بے نظیر رکھا گیا تو میں نے سب کو تاکید کی کہ اس کا پورا نام لیکر بلایا جائے صرف نظیر نہ کہیں بلکہ بے نظیر کہا کریں۔"

"بچپن میں کیسی تھیں ۔۔۔۔۔؟"

بیگم صاحبہ: "بڑی خوبصورت اور صحت مند گول مٹول سی تھی۔ بہت ذہین تھی ہر بات کو غور سے سمجھنے کی کوشش کرتی۔ مثلاً اسے پتہ تھا کہ ردی کی ٹوکری کہاں پڑی ہے اور بیکار چیزیں صرف اس میں پھینکنی ہوتی ہیں۔ دس مہینے کی تھی تو اس وقت بھی جہاں کوئی کاغذ کا ٹکڑا یا کوئی اور چیز گری پڑی نظر آتی تو فوراً اٹھا کر ردی کی ٹوکری میں پھینکنے چل پڑتی۔ پانچ' چھ سال کی عمر میں سبھی بچے شرارتیں کرتے ہیں۔ تنگ کرتے ہیں مگر بے نظیر کے بارے میں مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس نے کبھی تنگ نہیں کیا۔ نہ ہی شرارتیں کرتی بلکہ چھوٹی عمر سے ہی بڑی سنجیدہ اور مدبّر سی تھی۔ اس کی آیہ اور نرس ہمیشہ کہتی کہ اس بچی نے کبھی ہمیں تنگ نہیں کیا۔ دوسرے بچوں کی اکثر شکایتیں سننے کو ملتی تھیں مگر بے نظیر کی کبھی کوئی شکایت نہیں ملی۔ پڑھنے کی بڑی شوقین تھی۔ عید پر جو عیدی ملتی فوراً جا کر اس کی کتابیں خرید لیتی۔ جیب خرچ ہم نے اپنے بچوں کو کبھی دیا ہی نہیں تھا۔ بس عید پر عیدی دیتے تھے اور اس رقم کو بھی وہ کتابوں کی خریداری پر خرچ کرتی۔ پڑھائی میں بھی اس کی بہت عمدہ کارکردگی رہی، بڑی ذہین تھی۔

"کیا آپ کو کبھی یہ احساس ہوا تھا کہ آپ کی یہ بچی بڑی ہو کر کوئی بڑا کام کرے گی؟"

بیگم صاحبہ: "ہاں مجھے اور بھٹو صاحب دونوں کو یہ احساس تھا کہ ہماری بیٹی اپنی ذہانت کی وجہ سے کوئی بڑا کام کرے گی اور نام پیدا کرے گی۔ لیکن کیا؟ اس کا ہمیں اندازہ نہیں تھا۔ جب کالج اور یونیورسٹی میں گئی تو اس نے سیاست میں دلچسپی لینا شروع کی۔ سیاست پر کتابیں پڑھنے لگی۔ میں اور بھٹو صاحب ہم دونوں نے کبھی بچوں پر اپنی مرضی مسلط کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

Marfat.com

بلکہ ہم کوشش کرتے تھے کہ بچوں کو اپنے ذہن سے سوچنے اور اپنے بارے میں خود فیصلے کرنے کا عادی بنائیں۔ انہیں پوری آزادی حاصل تھی کہ اپنے ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات ہم سے کریں۔ انہیں اختلاف رائے کا پورا پورا حق حاصل تھا۔ ہم بڑے تحمل سے اپنے بچوں کے سوالات سنتے اور ان کے جوابات دیتے۔ دراصل میں نے اپنے بچوں کی تربیت پر خصوصی توجہ دی ہے۔''

بیگم صاحبہ: ''جب بے نظیر پیدا ہونے والی تھی۔ تو بھٹو صاحب نے مجھے بچوں کی نفسیات پر ایک کتاب لا کر دی تھی۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ بچوں کی ذہنی نشوونما اور تربیت کے لئے ماں کو کیا کچھ کرنا چاہئے۔ میں نے اپنے بچوں میں مشاہدہ کرنے کی عادت بچپن ہی سے ڈال دی تھی جب کبھی انہیں اپنے ساتھ باہر لے کر جاتی تو کہتی کہ ہر چیز کو غور سے دیکھو اور سمجھنے کی کوشش کرو۔ واپس آ کر سب سے باری باری پوچھا کرتی کہ اب مجھے بتاؤ کہ تم نے کیا کچھ دیکھا۔ اس چیز نے ان میں مشاہدہ کرنے کی عادت پیدا کی۔ مگر بے نظیر تو ہر مرحلے پر سب سے آگے آگے رہی۔ ہر کام جلدی جلدی کیا۔ کئی بار ڈبل پروموشن لی۔ اگر ڈبل پروموشن نہ لیتی تو پندرہ سال کی عمر میں کبھی سینئر کیمرج نہ کر سکتی۔ پڑھائی کے دوران بڑی محنت کرتی تھی''۔

''جب انہوں نے وزیراعظم کی حیثیت سے حلف اٹھایا تو اس وقت آپ کے محسوسات کیا تھے؟''

بیگم صاحبہ: اس دن میں نے اسے وہاں ڈائس پر کھڑے دیکھا تو میرے جذبات نہ پوچھیں۔ میری تمنا تھی کاش آج اس کا باپ اسے حلف اٹھاتے دیکھتا۔ مجھے آٹھ مہینے کی چھوٹی سی پنکی یاد آ رہی تھی جسے میں گود میں اٹھا لیا کرتی تھی۔ مجھے خوشی بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے میری بیٹی کو اتنا بڑا رتبہ دیا ہے اور دکھ بھی تھا کہ آج اس خوشی میں اس کا باپ شریک نہیں۔ لیکن بے نظیر میں بڑا حوصلہ اور صبر ہے۔ دکھ کے ہر لمحے میں اس نے نہ صرف مجھے بلکہ پورے خاندان کو حوصلہ اور سہارا دیا۔ ہمیشہ سنبھلنے کی کوشش کی ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ بہت مذہبی ہے میں بھی بہت مذہبی ہوں۔ مگر میں مذہب کو نمائش کی چیز نہیں سمجھتی۔ یہ اللہ تعالیٰ اور بندے کا معاملہ ہوتا ہے۔ وہی دلوں کے بھید بہتر جانتا ہے اور وہی ہر ایک کو اس کے عمل اور نیت کے مطابق اجر دیتا ہے یہی چیز

Marfat.com

میں نے اپنے بچوں میں بھی پیدا کی ہے۔ میں نے انہیں اپنے مذہب سے پوری طرح آگاہ کیا ہے۔ بے نظیر جب ہاورڈ گئی تو اپنی جائے نماز ساتھ لے کر گئی۔ وہاں بھی ہمیشہ پورے روزے رکھتی تھی۔ میں نے اسے کہا تھا دیکھو اس میں شرمانے کی کوئی بات نہیں۔ ہر ایک کا اپنا اپنا دین ہوتا ہے۔ ہمارا دین اسلام ہے۔ ہمیں اس پر فخر ہونا چاہئے اور ہم جہاں بھی ہوں ہمیں اس کے اصولوں پر کاربند رہنا ہے۔ اپنے دین پر قائم رہنا ہے۔ بے نظیر کو خدا کی ذات پر مکمل بھروسہ ہے اور وہی اس کی ہمیشہ مدد بھی کرتا ہے۔ نذر نیاز کی بھی بڑی قائل ہے اور اب تو تسبیح بھی پڑھتی رہتی ہے''۔

''وزیر اعظم صاحبہ کی خوش قسمتی ہے کہ انہیں آپ جیسی ماں ملی وہ خود کیسی ماں ہیں؟''

بیگم صاحبہ: ''ماں تو کوئی بھی ہو اپنے بچے کے لئے محبت اور مامتا کا سمندر ہوتی ہے ہر ماں اپنی اولاد کے لئے بہت کچھ کرنا چاہتی ہے مگر بے نظیر اتنی مصروف رہتی ہے کہ اس کے پاس بچوں کے لئے بہت کم وقت ہوتا ہے۔ پھر بھی جب بھی فارغ وقت ملتا ہے بچوں کے ساتھ گزارنا پسند کرتی ہے''۔

''کھانے میں کیا پسند کرتی ہیں؟''

بیگم صاحبہ: ''کھانے پینے کا کبھی اسے تسلی سے وقت ہی نہیں ملتا۔ ورکنگ لنچ کھاتی ہے۔ دہی بڑے بہت پسند ہیں۔ ہم تو دہی بڑے چائے کے ساتھ اسنیک کے طور پر کھاتے ہیں۔ مگر وہ بطور ڈنر یا لنچ کھاتی ہے۔ دہی بڑوں کی ایک پلیٹ کھالی تو سمجھو بے نظیر کا ڈنر یا لنچ ہو گیا۔ میٹھا شروع سے ہی اسے بہت پسند ہے۔ میٹھی چیزیں شوق سے کھاتی ہے''۔

کھیلوں میں کون سے کھیل پسند ہیں؟''

بیگم صاحبہ: ''بے نظیر کو ٹینس بہت پسند ہے مگر اب تو اسے کسی کھیل کے لئے وقت ہی نہیں ہے!

(بیگم نصرت بھٹو سے انٹرویو اخبار خواتین) بقلم اکرام الحق

Marfat.com

بے نظیر بھٹو شہید کی کہانی خود ان کی اپنی زبانی

جس بات پر مجھے بہت زیادہ فخر ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے ایک ایسے معاشرے میں خواتین کے حقوق کے فروغ کے کام کو مکمل کیا جہاں کافی عرصہ سے انہیں نظر انداز کیا جارہا تھا اور جہاں کھلے عام ان سے براسلوک کیا جاتا تھا' میں نے اپنی کابینہ میں متعدد خواتین کو شامل کیا اور ترقی نسواں کی وزارت قائم کی۔ ہم نے یونیورسٹیوں میں خواتین کی تعلیم کے پروگرام شروع کئے اس امر کو یقینی بنایا کہ جیل میں قید خواتین بہتر طریقہ سے قانونی مشورہ اور نمائندگی کی سہولت حاصل کر سکیں۔

ہم نے صرف خواتین کو قرضہ دینے کے لئے ویمن ڈویلپمنٹ بینک قائم کیا۔ علاوہ ازیں خواتین کو عام بینکوں سے قرضہ لینے کی سہولت بھی حاصل تھی ہم نے خاندانی منصوبہ بندی' غذائیت کے متعلق مشاورت' چائلڈ کیئر اور برتھ کنٹرول کے لئے ادارے تشکیل دیئے۔ بین الاقوامی سطح پر منعقد ہونے والے کھیلوں کے مقابلے میں خواتین کی شرکت کو قانونی شکل دی اور اس عمل کی حوصلہ افزائی کی جس پر ضیاء نے فوجی آمریت میں پابندی عائد کی تھی۔

یہ ایک ایسے معاشرے میں ٹھوس آغاز تھا جہاں ایک مشکل دہائی میں اسلام کو معاشرے میں خواتین کی حیثیت کو دبانے کے لئے استعمال کیا جارہا تھا۔ ہم نے تمام سیاسی اور انتظامی رکاوٹوں کے باوجود یہ امور سرانجام دیئے' جب میں پہلی دفعہ وزیراعظم کے دفتر میں گئی تو وہاں ڈپٹی سیکرٹری کے علاوہ اور کوئی سٹاف موجود نہیں تھا مجھے فوری طور پر ایک ٹیم کو لندن بھیجنا پڑا تاکہ وہ یہ تعلیم حاصل کر سکیں کہ برطانوی وزیراعظم کا دفتر کس طرح کام کرتا ہے اس طرح میرے دفتر کو مکمل انداز میں کام کرنے کے قابل بنایا جا سکے۔ علاوہ ازیں کئی روز تک مجھے فائلیں نہ بھیجی گئیں۔ کیبنٹ سیکرٹری کو ہدایت دی گئی تھی کہ فائلیں ایوان صدر بھیجی جائیں۔

میری حکومت کے پہلے دور میں سب سے اہم مسئلہ ہمسایہ ملک افغانستان کی صورتحال تھی۔ 1979ء میں جب سوویت یونین نے افغانستان پر قبضہ کیا تو پاکستان نے مجاہدین کی مدد

Marfat.com

کرنے کے لئے امریکہ کی شراکت داری میں کام کیا۔ امریکہ کے لئے اس کی حیثیت سرد جنگ کی حکمت عملی کے فعل جیسی تھی۔ اسی سوچ نے اسے مداخلت کی تحریک دی۔ امریکہ کو افغانستان میں سوویت یونین کو اس کے وسائل اور منشاء سے محروم کرنے کا راستہ نظر آیا اس نے سوویت یونین کے غلط حملہ اور قبضہ سے فائدے اٹھانے کی کوشش کی۔ افغانوں' پاکستان کی آئی ایس آئی اور فوج کو اپنے مقصد کیلئے استعمال کیا۔ افغانستان میں روس کے خلاف خونیں اور بالآخر مکمل جنگ کی جس کا نتیجہ 1990ء میں براہ راست سقوطِ روس کی صورت میں نکلا۔

افغانستان میں پاکستان کے مفاد کی نوعیت پیچیدہ اور کثیر الجہتی تھی۔ افغانستان کا پاکستان کیساتھ دیرینہ تنازعہ تھا جو ''ڈیورنڈ لائن'' کے نام سے جانا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں 1947ء میں جب برصغیر کی تقسیم ہوئی تو پشتونوں کے اہم عناصر نے پاکستان کے قیام کی مخالفت کی۔

اہم افغان شخصیات کے بھارت کے ساتھ قریبی تعلقات تھے۔ افغانوں کے دلوں میں پاکستان کے بارے میں شکوک وشبہات اور بداعتمادی کے احساسات تھے۔ افغانستان کے صدر داؤد نے 1970ء میں پاکستان کے قبائلی علاقہ میں بغاوت کی حمایت کی تھی جس کا جواب ہم نے ڈیورنڈ لائن کے پار جوابی بغاوت کی صورت میں دیا' دونوں ممالک کے درمیان سرحد حالت التوا میں تھی۔ فروری 1989ء میں جنیوا مذاکرات کی شرائط کے تحت افغانستان سے روسی افواج کے فوری انخلاء کے ساتھ پاکستان نے عبوری افغان حکومت کی تشکیل میں مدد دی۔ جنرلوں نے سفارشات پیش کیں کہ ہم افغان لیڈر سیاف کو صدر بنانے میں اور حکمت یار کو وزیراعظم کے عہدے پر برقرار رہنے دیتے ہیں۔ میں نے اس سے اتفاق نہ کیا' میں نے فوج سے کہا آپ کے خیالات اور میری حکومت کی سوچ میں سمجھوتہ ہونا چاہئے' میں صدر کے طور پر ایک اعتدال پسند کی حمایت کرنا چاہتی ہوں' آپ اپنی پسند کے کسی شخص کو وزیراعظم بنا سکتے ہیں۔ ہماری کوششوں کے ساتھ افغان گروپوں نے صدر مجددی اور وزیراعظم سیاف کو افغان عبوری حکومت کے رہنماؤں کے طور پر قبول کرلیا۔

یہ کوئی آسان راستہ نہیں تھا۔ ایوان صدر میں ہمارے طویل اجلاس ہوئے جہاں ہم پیپلز اسمبلی کے لئے افغان گروپوں میں اتفاق رائے پیدا کرنے کی سخت کوشش کرتے' جب بھی

Marfat.com

اذان کی آواز آتی تمام آدمی چلے جاتے اور میں اکیلی رہ جاتی' انہیں یہ گوارہ نہیں تھا کہ ایک عورت ان کے ساتھ نماز میں شریک ہو' مجھے یہ صورتحال بہت عجیب محسوس ہوتی کیونکہ کعبہ شریف میں تمام مرد اور عورتیں اکٹھے دعا کرتے ہیں اسی طرح مدینۃ النبی میں بھی اکٹھے دعا کی جاتی ہے۔

سعودی انٹیلی جنس چیف شہزادہ ترکی بن فیصل اور ایرانی وزیر خارجہ اکثر دورے کرتے' ہر دفعہ جب میں نے اتفاق رائے پیدا کرنے کی کوشش کی مجھے میری انٹیلی جینس ایجنسیوں نے مطلع کیا کہ یا تو سعودی یہ نہیں چاہتے کیونکہ شیعہ فرقہ کو غیر متناسب حصہ دیا جا رہا تھا یا ایرانی نہیں چاہتے کیونکہ سنیوں کو غیر متناسب حصہ دیا جا رہا تھا۔ روم میں جلاوطن افغان صدر مجھے اور میرے ساتھیوں کو قدرتی غیر جانبدار شخصیت دکھائی دیئے لیکن ایرانی بادشاہ ان کو نہیں چاہتے تھے' میں نے افغان گروپوں کے ساتھ بحث و تمحیص کے عمل کیلئے بہت زیادہ وقت دیا مجھے اکثر محسوس ہوا کہ وہ انٹیلی جنس ایجنسیوں کے اہلکاروں سے بریفنگ پوائنٹس لیتے تھے اسی لئے وہ سمجھوتہ نہ کر سکے۔ انٹیلی جنس سروس نے اصرار کیا کہ وہ افغانوں کو قائل نہیں کر سکی اس لئے ہمیں خاموشی سے اشاروں کو سمجھ کر کھیل کھیلنا ہوگا۔ مجھے افغانوں کی حالت زار دیکھ کر بہت افسوس ہوا وہ طاقتور غیر ملکی قوتوں میں کچلے گئے تھے اور اگر وہ اپنے سرپرستوں کی پالیسی سے انحراف کرتے تو ان کا انجام تباہی پر ہوتا۔

پاکستان کے فوجی ڈکٹیٹر جنرل ضیاء مولانا مودودی کے بہت قریب تھے جو جماعت اسلامی کے مذہبی رہنما تھے اور اسلامی برادری میں ان کی قائدانہ حیثیت تھی۔ جب سوویت یونین نے افغانستان پر حملہ کیا جنرل ضیاء نے جماعت اسلامی سے رجوع کیا اور اس کے ذریعے اسلامی برادری سے مدد کیلئے رابطہ کیا۔ انہوں نے مولانا مودودی کے کام کو فوج کے نصاب میں متعارف کرایا اور فوج اور تعلیمی اداروں کو اعتدال پسندوں سے پاک کیا۔ جلد ہی جے آئی کو فنڈز دیئے تاکہ وہ ہیڈکوارٹرز بنائیں۔ نام نہاد تھنک ٹینکس کی تشکیل کریں اور فوجی حکومت کو مشورہ دیں کہ مہاجرین کیمپوں کے بچوں کو متاثر کرنے کے لئے انتہاپسند مدرسے قائم کرنے کیلئے فنڈز کو کیسے استعمال کیا جائے۔ اسلامی دنیا میں فنڈز جمع کرنے کے لئے سرگرمیاں شروع کی گئیں جہاں فرض شناس غریب اور ضرورت مند لوگوں کیلئے تعلیم' صحت اور خوراک کیلئے چندہ دیتے۔ یہ رقم ان سیاسی

Marfat.com

مدرسوں میں گئی جن کا دعویٰ تھا کہ وہ مہاجر کیمپوں کے یتیم بچوں کو تعلیم دے رہے ہیں اور ان کی پرورش کر رہے ہیں لیکن حقیقت یہ تھی کہ یہ ادارے نفرت اور دہشت گردی کی تبلیغ کر رہے تھے۔

انٹرنیشنل فنڈز پاکستان میں آئے' تاہم ان کا رخ آئی ایس آئی کے ہیڈکوارٹرز کی طرف موڑ دیا گیا۔ ضیاء نے اس نقطہ نظر پر اصرار کیا کہ سی آئی اے اور دوسری تنظیموں اور ملکوں کی طرف سے دیئے جانے والے فنڈز کا معاملہ ان کی فوجی حکومت پر چھوڑ دیا جائے جو مجاہدین کے معاملات کو منضبط کرے۔ امریکہ نے ان پر مہربانی کی۔ اس سے پاکستان کی فوج کو یہ موقع مل گیا کہ وہ نظریاتی اعتبار سے انتہائی سخت' مذہبی بنیاد پرستوں اور خون کے پیاسے گروپ پر نوازشات کرے۔ ان کی تربیت کرے انہیں فنڈز اور اسلحہ فراہم کرے۔

یہ ایسا فیصلہ تھا جس کا قلیل المدت مقاصد کیلئے دفاع کیا جا سکتا تھا لیکن اس کے طویل المدت نتائج دنیا پر منڈلاتے رہیں گے۔

جب میں نے جون 1989ء میں امریکہ کا دورہ کیا تو وائٹ ہاؤس میں صدر بش اور مسز بش کی طرف سے میرے اعزاز میں دیا گیا شاندار سٹیٹ ڈنر عوام کی زبردست توجہ کا مرکز بنا۔ کانگریس کے مشترکہ سیشن میں میرا زبردست استقبال میرے لئے اور میرے ملک کے لیے زبردست موقع تھا۔ لیکن اس دورے کے دوران ایک اور واقعہ پیش آیا جو میرے لئے بہت زیادہ اہمیت کا باعث تھا' جب میں نے صدر بش کے ساتھ وائٹ ہاؤس میں الگ ملاقات کی تو میں نے انہیں اپنے خدشات سے آگاہ کیا۔ میں نے کہا کہ افغانستان میں سوویت یونین کے ساتھ موثر طریقہ سے مقابلہ کرنا ہمارا مشترکہ جذبہ تھا' ہمارے ملکوں نے مجاہدین میں سے سب سے زیادہ جنونی عناصر کو طاقت دینے کا سٹریٹجک فیصلہ کیا جو بعد میں قابو سے باہر ہو سکتا ہے۔ میں نے صدر بش سے افسردگی سے کہا ''جناب صدر! میں خوفزدہ ہوں کہ ہم نے فرینکنسٹائن کی عفریت تخلیق کر دی ہے جو مستقبل میں واپس آ کر ہمیں خوفزدہ کر سکتی ہے۔''

یہ المناک تھا کہ میں نے مستقبل کے واقعات کی پیشین گوئی کر دی تھی۔ امریکی روسیوں کو شکست دینے کا قلیل المدت مقصد حاصل کر کے افغانستان چھوڑ گئے۔ جمہوریت کو موقع ملنا چاہئے تھا تاہم اس مقصد کے لئے اور جمہوریت کو مستحکم کرنے کے لئے بین الاقوامی امداد کی

Marfat.com

ضرورت تھی تا کہ اسے فوج کی طرف سے عدم استحکام کرنے کی کوششوں سے تحفظ دیا جا سکتا۔ لیکن اس مقصد کے لئے بین الاقوامی امداد حاصل نہیں تھی۔ روسیوں کے جانے کے بعد اور دیوار برلن کے انہدام کے ساتھ یورپ میں ڈرامائی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئیں۔ دنیا کی توجہ اب اور طرف مبذول ہو چکی تھی۔

اگرچہ بہت کم لوگوں کو اس وقت اس حقیقت کا ادراک تھا۔ افغانستان میں سوویت تسلط کا خاتمہ ایک نئی جنگ کا آغاز تھا انتہا پسند مذہب کا نام لے کر مغرب سے مقابلہ کرنے کے لئے پرعزم ہو گئے۔ ان کے نزدیک اعتدال پسند پی پی اور میں ان کی اس فتح کے خوابوں کے راستہ میں خطرات کی حیثیت رکھتے تھے۔ جس کی بنیاد اسلامی دنیا کے عوام کے مذہبی جذبات کے استحصال کرنے پر تھی۔

سوویت یونین کو طاقت کے ذریعے باہر نکالنے کے تجربہ اور اس کے نتیجے میں عالمی طاقت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کی حقیقت نے انتہا پسندوں پر نشہ طاری کر دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ مغرب سے بھی مقابلہ کر سکتے ہیں۔ مغربی انٹیلی جنس کی اہم شخصیات میری نسبت جنرل ضیاء سے معاملات طے کرنے میں زیادہ آسانی محسوس کرتی تھیں۔ میں ذوالفقار علی بھٹو کی بیٹی تھی، جسے سوشلسٹ اور پاکستان کے جوہری پروگرام کا بانی تصور کرتے تھے۔ علاوہ ازیں میرے بھائیوں نے سوویت قبضہ کے دوران افغانستان میں ''الذوالفقار'' کی تشکیل کی تھی۔

ایک مغرب نواز جنرل نے مجھے کہا کہ آپ کی فوج نے روسیوں کو شکست دی ہے اور آپ کی طرف سے ایک کال پر ہم امریکہ کو شکست دے سکتے ہیں۔ میں نے اس ششدر کر دینے والے بیان کا اپنے ایک سفیر سے ذکر کیا وہ فوراً چلے گئے اور میری گفتگو امریکی سفیر تک پہنچا دی جس نے ان سے کہا یہ کبھی سچ نہیں ہو سکتا۔ وہ شخص الکوحل پیتا ہے۔

میری حکومت کے پہلے ہفتے میں جب میں لاہور اتری، پھولوں کے گملے سے ایک بم برآمد ہوا اس نے اس وقت چلنا تھا جب میں نے اس کے پاس سے گزرنا تھا عوام کو میرے خلاف کرنے کیلئے افواہیں پھیلا کر لوگوں کو سڑکوں پر لانے کی بار بار کوشش کی گئی۔ ان میں ایک احمقانہ مثال ان کا یہ الزام تھا کہ ایسے ملک کی وزیراعظم نے پیرس سے مہنگے دوپٹے خریدے ہیں جس کی

Marfat.com

عوام غریب ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ میں نے یہ دوپٹے کراچی کے ایک بازار سے خریدے اور میں پاکستان کے عوام کی شکرگزار ہوں کہ انہوں نے اس طرح کی احمقانہ افواہوں کو مسترد کر دیا اور میرا ساتھ دیا جس نے پاکستانی معاشرے میں تبدیلی لانے کی کوشش کی۔

میرے انتخاب کے ایک ماہ کے اندر آئی ایس آئی کے سربراہ بریگیڈیئر امتیاز اور ان کے ڈپٹی نے میرے اراکین اسمبلی سے رابطے کرنے شروع کر دیئے تھے۔ وہ ان اراکین پارلیمنٹ کو مجھے چھوڑنے کیلئے کہہ رہے تھے۔ ان کا پسندیدہ انداز یہ تھا کوئی اسے نہیں چاہتا' امریکی اسے نہیں چاہتے' فوج اسے نہیں چاہتی اور جوں ہی وہ حکومت سے باہر ہوتی ہے اس کا شوہر بھی اسے اچانک چھوڑ دے گا۔

افغانستان میں جہاد کی کامیابی کے ساتھ ان کا منصوبہ تھا کہ مغرب کی طاقت ار اقدار کا مقابلہ کیا جائے کیونکہ حکومت کی باگ ڈور میرے ہاتھوں میں تھی اس لئے وہ یہ کام آزادانہ طریقہ سے سرانجام ہن دے سکے۔ آئی ایس آئی نے ڈکٹیٹر ضیاء کے ''سیاسی فرزند'' نواز شریف کو وزیراعظم بنانے کا عہد کیا۔ نواز جو پہلے ہی وزیراعلیٰ پنجاب کے عہدے پر فائز تھے نے اعلان کیا کہ وہ احکام کی مزاحمت کریں گے تا کہ عملی طور پر پورے ملک کی بجائے میں صرف اسلام آباد کی وزیراعظم بننے تک ہی محدود رہوں۔

آئی ایس آئی کے سربراہ نے میری سیاسی بنیاد کا مقابلہ کرنے کیلئے انٹیلی جنس کا دائرہ کار بڑھانے کیلئے مجھے تجویز پیش کی کہ میں تسلسل برقرار رکھنے کے لئے ایک نئی انٹیلی جنس کور کی تشکیل کروں۔ مجھے کہا گیا کہ تمام سینئر سرکاری افسروں کی ترقیوں کی پہلے آئی ایس آئی کے ذریعے چھان بین کی جائے۔ میں نے یہ تجویز مسترد کر دی اور اسے کہا جنرل ضیاء نے سوویت یونین اور بھارت کے ساتھ دو محاذ جنگ کا سامنا کیا لیکن انہیں گاؤں کی سطح پر بھی الگ فوجی کور کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اور میں بھی اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔ آئی ایس آئی کے سربراہ نے اصرار کیا ان کا موقف تھا کہ آئی ایس آئی کی توسیع کے بغیر اور ان ہی افسروں کے تسلسل کے بغیر ملک کی نظریاتی سرحدوں کے تحفظ کیلئے سیکیورٹی کنٹرول برقرار رکھنا مشکل ہے۔ مجھے کہا جا رہا تھا کہ میں ''ریاست کے اندر ریاست'' بنانے کے لئے حکم دوں اور اس عمل کو قانونی جواز بھی مہیا

Marfat.com

کروں جو پاکستان میں انتخابات سمیت زندگی کے ہر پہلو میں جوڑ توڑ کرنے کا باعث ہوتا۔ میں نے انکار کر دیا تاہم میری حکومت برطرف کئے جانے کے بعد عبوری وزیراعظم غلام مصطفیٰ جتوئی (جسے آئی ایس آئی لائی) نے ان کی سکیم پر عمل کیا۔ جنرلوں کی سیاسی مخالفت کے باوجود مجھے فوج کی طرف سے زبردست حمایت ملنے کا سلسلہ جاری رہا۔ 23 مارچ 1989ء کو جب جنرل بیگ اور میں اپنی پہلی مارچ پاسٹ پریڈ میں گئے تو فوجیوں کے خاندان گرم جوشی سے استقبال کرتے ہوئے میری کار کے گرد اکٹھے ہو گئے اور کار کی رفتار کم کرنے کیلئے مجبور کیا۔ جنرل بیگ نے جو عوام کی محبت کے اظہار کے طریقوں سے ناآشنا تھے نے پریشانی سے پوچھا ''یہ کیا ہو رہا ہے''؟ میرے ملٹری سیکرٹری نے جواب دیا۔ فوجیوں کے خاندان وزیراعظم کو دیکھ کر خوش ہیں۔ بیگ خوش نہ تھے۔ فوج اور جنرلوں میں دو دہائیوں کے تصادم کے باوجود میں ہزاروں اور سینکڑوں میں یہ امتیاز کر لیتی ہوں کہ چند مٹھی بھر افسروں کے برخلاف عزت اور وقار سے ملک کی خدمت کروں جنہوں نے میری مخالفت کی ان افسروں پر افغان جہاد کے اثرات تھے۔

میں نے خاتون کو وزیراعظم بنانے کے نکتہ پر او آئی سی میں پاکستان کی رکنیت معطل کرنے کی کوشش کامیابی سے ناکام بنائی۔ مختلف اسلامی ممالک کے علماء میرے انتخاب کے متعلق جھگڑے پر اتر آئے وہ مختلف فتوے اور حکم دینے لگے۔ بدقسمتی سے ایک سعودی عالم دین شیخ باز جو نابینا تھے لیکن ممتاز حیثیت رکھتے تھے' میرے متعلق فتویٰ دیا کہ مسلمان ملک کی سربراہی کرنا عورت کیلئے غیر اسلامی فعل ہے' تاہم میں خوش قسمت ہوں کہ چین' شام' مصر' عراق جہاں زیادہ سیکولر حکومتیں ہیں ان کے علماء نے اس صورتحال سے مجھے نجات دلائی۔

اگرچہ 1989ء میں اسامہ بن لادن نے القاعدہ کی تشکیل نہیں کی تھی میں نے پہلی مرتبہ اس کا نام اس وقت سنا جب اس نے میری پہلی حکومت کو برطرف کرنے کے لئے عدم اعتماد کی تحریک کے بل کیلئے فنڈز دیئے وہ فروری 1989ء میں سوویت یونین کی فوجوں کے انخلاء کے بعد سعودی عرب واپس آ گئے تھے لیکن جب میں نے مئی میں آئی ایس آئی پر اپنا دعویٰ منوا لیا تو انہیں واپس بلا لیا گیا۔ بن لادن کو آئی ایس آئی نے کہا کہ وہ جمہوری حکومت کو گرانے اور مذہبی حکومت قائم کرنے کیلئے مدد دیں۔ بن لادن نے 10 ملین ڈالر کی بڑی رقم تحریک عدم اعتماد کیلئے

Marfat.com

دی تا کہ اس رقم سے میری حمایت کرنے والے اراکین پارلیمنٹ کو خریدنے کی کوشش کی جائے۔

افغانستان کی جنگ ختم ہونے کے بعد بن لادن کی پاکستانی سیاست میں اچانک مداخلت کو ایک ابتدائی علالت کے طور پر پڑھ لیا جانا چاہیے تھا اگر اس امر کو سمجھ لیا جانا چاہیے تاکہ اس کا مقصد اور دوسرے لوگوں کے ساتھ جنہوں نے جہاد کی حمایت کی ایک اسلامی ملک سے سویت تسلط پسندوں کو نکالنے سے بہت بڑا تھا۔ یہ حقیقت میں اسلامی ریاستوں میں خلافت کا بگڑا ہوا تصور تھا' جو یورپ' ایشیاء اور افریقہ میں مذہبی انتہاپسندوں کے کنٹرول کے تحت پھیل رہا تھا۔

کسی بھی صورت میں مجاہدین جو کسی وقت امریکہ اور مغرب کے قریبی دوست تھے اپنے پرانے سرپرستوں کے خلاف ہو رہے تھے۔ انہوں نے کسی حد تک یہ سوچ لیا کہ وہ امریکہ کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ اس وقت بھی جبکہ کابل پر حکومت مشکل ثابت ہو رہی تھی۔

اس دوران مجھے ایک رپورٹ موصول ہوئی کہ ایک سعودی طیارہ آموں کے ڈبے لے کر پاکستان اترا ہے۔ چونکہ سعودی عرب میں کھجوریں اگتی ہیں آم نہیں اس لیے ان کے متعلق شکوک وشبہات پیدا ہوئے۔ سویلین انٹیلی جنس نے پتہ چلایا کہ ڈبوں میں آم نہیں بلکہ رقم تھی۔ میں نے سوچا کہ مجھے شاہ فہد کی حمایت حاصل ہے۔ جب میری ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے میرے والد کی تعریف کی تھی اور یاد دلایا تھا کہ کس طرح انہوں نے میرے والد کی جان بچانے کی کوشش کی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ میرے والد کا قتل ''غیر منصفانہ'' تھا۔ وہ میرے والد کے بھائی کی طرح تھے اور مجھے اپنی بیٹی کی طرح سمجھتے تھے۔ اس لئے میں نے اپنے وزیر قانون کو سعودی عرب بھیجا کہ وہ ان سے استفسار کریں کہ کیا وہ اپنی بیٹی سے ناراض ہیں اور اس کے مخالفین کو فنڈز مہیا کرنے کیلئے سعودی پیسہ پاکستان بھیج رہے ہیں۔ شاہ نے یقین دلایا کہ جو رقم پاکستان منتقل کی گئی ہے اس کا حکومت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے ساتھ انہوں نے بیان کیا کہ کچھ لوگ جو افغان جہاد سے متاثر ہیں وہ اپنا نجی پیسہ بھیج رہے ہیں۔ شاہ کے ایک مشیر نے رقم بھیجنے کا ذریعہ دریافت کر لیا یہ اسامہ بن لادن تھے۔

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں رمزی یوسف نے نیویارک میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر پہلے حملہ

Marfat.com

میں حصہ لیا تھا۔ القاعدہ کے پہلے حملہ کی اس طرح منصوبہ بندی کی گئی تھی کہ ایک مینار دوسرے مینار پر گرتا فروری کی بمباری کے بعد یوسف امریکہ سے بچ کر نکل آیا اور پاکستان پہنچ گیا۔ 7 ماہ بعد اسے میرے قتل کی ذمہ داری سونپی گئی۔ 1993ء کی انتخابی مہم کے دوران دو الگ مواقع پر اس نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی۔

ستمبر میں اس نے اپنے 2 ساتھیوں کے ساتھ میرے گھر کے سامنے کی گلی میں ایک بم رکھا جسے ریموٹ کنٹرول سے چلایا جانا تھا' اس کی منصوبہ بندی یہ تھی کہ جوں ہی میری گاڑی گیراج سے باہر نکلے بم دھماکے سے پھٹ جائے جب وہ یہ بم نصب کرنے کی کوشش کر رہا تھا ایک پولیس اہلکار نے وہاں سے گزرتے ہوئے اسے روکا اور پوچھا کہ وہ کیا کر رہا تھا' اس نے کہا کہ وہ اپنی چابیاں ڈھونڈ رہا تھا جو گلی میں گر گئی تھیں۔ پولیس اہلکار کو شبہ ہوا اس نے اسے فوری طور پر وہاں سے جانے کے لئے کہا۔ بظاہر یوسف نے اس رات کو اس بم کو ناکارہ بنانے کی کوشش میں اپنے آپ کو زخمی کر لیا اور علاج کے لئے ہسپتال گیا۔ ہسپتال کی فائلوں کے مطابق اس رات اس کی ایک انگلی ضائع ہو گئی۔

یہ کوششیں نہ رکیں رمزی یوسف اور اس کا گروپ اپنے چچا خالد محمود شیخ اور اس کے حمایتیوں کی واضح ہدایات پر مجھے قتل کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ خالد شیخ جسے اب ہم جانتے ہیں القاعدہ کا سی ای او بن گیا۔ اس پر وال سٹریٹ جرنل کے بیورو چیف ڈینیل پرل کو قتل کرنے کا شک ظاہر کیا گیا ہے۔ (آج کل وہ امریکہ کی تحویل میں ہے) انہوں نے مجھ پر حملہ کرنے کی پھر منصوبہ بندی کی لیکن اس مرتبہ منصوبہ زیادہ پیچیدہ تھا۔ اس کا ایک ثانوی سیاسی مقصد بھی تھا کہ پی پی پی کے عناصر کو ایک دوسرے کے خلاف کر دیا جائے۔

القاعدہ اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کا بتایا ہوا منصوبہ میرے قتل پر مبنی تھا اور اسے اس طرح ظاہر کرنا مقصود تھا جیسے میرا بھائی اس کا ذمہ دار تھا۔ میں نے نشتر پارک کراچی میں ایک بڑی انتخابی ریلی میں شرکت کرنی تھی خالد شیخ نے بہت سے جدید ہتھیاروں کا انتظام کیا ہوا تھا جو پشاور سے رمزی یوسف کو پہنچائے گئے جسے ٹرین کے ذریعے قتل کے مقررہ دن پہنچنا تھا منصوبہ اس طرح ناکام ہو گیا کہ ٹرین حیدر آباد دیر سے پہنچی اور ریلی کے ختم ہونے تک ہتھیار نہ پہنچے۔ مضحکہ خیز امر یہ

Marfat.com

ہے کہ فروری 1995ء میں رمزی پاکستان میں گرفتار کیا گیا۔ اس کا خیال تھا کہ اسے میرے خلاف قاتلانہ حملوں کی کوششیں کرنے پر گرفتار کیا گیا ہے۔ اس نے پاکستان فیڈرل انویسٹی گیشن اتھارٹی کو بتایا کہ ہمارے ذہن میں اس کے لئے بھی حق موجود تھا تاہم ہتھیار وقت پر نہ پہنچے اسے میرے حکم پر امریکہ کے حوالے کر دیا گیا۔

1993ء کے انتخابات میں پی پی پی نے پنجاب میں اکثریت حاصل کی تھی اور پنجاب اسمبلی میں مخلوط حکومت تشکیل دی جسے نواز شریف اور انتہا پسندوں نے میری پہلی حکومت کو کمزور کرنے کیلئے استعمال کیا۔ 1990ء میں میری حکومت کے خلاف انقلاب کے صرف تین سال بعد پی پی پی پاکستان کی حکمران کی جماعت کی حیثیت سے واپس لوٹی۔ میں ایک مرتبہ پھر وزیر اعظم تھی۔

دوسری دفعہ وزیر اعظم بننے کا غیر معمولی موقع ملنے کے بعد پر عزم تھی کہ ہر دن کو پاکستان کے کام کرنے والے گھرانوں کی زندگی بہتر بنانے کے لئے استعمال کروں اور خطرناک بین الاقوامی ماحول میں اعتدال پیدا کروں۔

جب میں نے دوسری مرتبہ پاکستان کی وزیر اعظم کی حیثیت سے حلف اٹھایا تو پاکستان کو درپیش بہت سے چیلنج میرے ذہن میں آئے۔ میرا ملک دہشت گرد ریاست قرار دیئے جانے پر کھڑا تھا کراچی میں فوجی آپریشن کیا جا رہا تھا اور پاکستان اقتصادی طور پر دیوالیہ قرار دیا جانے کے کنارے پر تھا۔ یہ کثیر الجہتی قومی بحران تھا۔

میں نے دوبارہ جہاں تک ممکن ہوسکا تیز اور موثر انداز میں پاکستان کو جدید دور میں لانے کی کوشش کی ابتدائی مہینوں میں میری حکومت نے انتہائی آرزومندانہ سوشل ایکشن پلان (ایس اے پی) بنایا اور اس کا نفاذ شروع کیا اس منصوبے کے مقاصد میں تعلیم، صحت عامہ، صحت و صفائی، انفراسٹرکچر، حقوق نسواں جیسے شعبوں میں ملکی سطح پر تیز ترقی کے اہداف حاصل کرنا تھا (ایس اے پی) کا اہم نکتہ پبلک پرائیویٹ شراکت داری تھی جس میں یہ عزم کیا گیا تھا کہ مرکزی حکومت سے غیر معمولی حد تک فنڈز، بین الاقوامی ترقیاتی تنظیموں سے گرانٹس حاصل کی جائیں اس کے ساتھ اسے پاکستان کے سرعت پذیر نجی شعبہ کی بھی مدد حاصل ہو۔

Marfat.com

میری نئی حکومت کے پہلے سال ہی میں ہم نے 20 بلین ڈالر غیر ملکی سرمایہ کاری کا ریکارڈ ہدف حاصل کیا۔ ایک ہی سال میں ہم نے اتنی سرمایہ کاری کر لی جو گذشتہ 40 سالوں میں ممکن ہی نہ ہو سکی تھی۔ نئی غیر ملکی سرمایہ کاری کا 80 فیصد حصہ پاور جنریشن میں تھا جس کا مقصد بجلی پیدا کرنے کے سلسلے کو ختم کرنے کے عزم کا آئینہ دار تھا اور اس کا یہ بھی مقصد تھا کہ اقتصادی سرگرمیوں کو تیز رفتاری سے شروع کیا جائے۔

ہم نے سٹاک ایکسچینج کے قوانین کو جدید بنایا اور سٹیٹ بنک آف پاکستان کو کمپیوٹرائزڈ کیا۔ تمام ایشیا میں بجلی کے شعبے میں سب سے کم نرخوں پر سرمایہ کاری کرنے کیلئے مذاکرات کئے اور اس طرح بجلی بند کرنے کا سلسلہ ختم کیا۔

نجکاری سے حاصل شدہ منافع سے ہم بڑے قرضے ادا کرنے لگے اور سود کی لاگت کم کی۔ پاکستان کی تاریخ میں ہم پہلی حکومت تھے جنہوں نے صرف سود کی بجائے حقیقتاً اصل سرمایہ واپس کیا۔ ہم نے صنعتوں کی نجکاری متعارف کرائی اور اپنے اقتصادی اداروں کو اس قابل بنایا کہ وہ جدید دنیا میں ترقی اور تقابل کر سکے۔ ملکی قرضہ کو کم کرنے کیلئے مشکل فیصلے کیے۔ ہم نے 3 بلین روپے کے غیر ترقیاتی اخراجات کم کیے۔ جو اس وقت ہمارے ٹیکسوں کا ایک تہائی تھے۔ ان مشکل فیصلوں کے اچھے ثمرات وصول ہوئے۔ پاکستان خوشحال ہونا شروع ہو گیا۔

☆☆☆

جب میں نے وزیراعظم کی حیثیت سے لندن کا دورہ کیا تو اس طرح کے اسلامی اتحاد کے داعی مذہبی انتہا پسند گروپ ڈورچسٹر ہوٹل کے باہر اور ان مقامات پر جمع ہو گئے تاکہ میرے خلاف نعرہ بازی کر سکیں۔ ان انتہا پسندوں نے نعرے لگا کر لندن میں مجھے رات بھر جگائے رکھا اور مجھے احساس ہوا کہ انگلینڈ میں ان کی معقول تعداد موجود ہے۔ چونکہ انتہا پسندوں نے مغرب سے مقابلہ کرنے کیلئے اپنی خواہش کو بہت کم چھپا کر رکھا اس لئے مجھے ملک سے باہر بھی ان کی رسائی کے متعلق تشویش لاحق تھی۔ اگلے روز جب میں برطانوی وزیراعظم جان میجر سے ملی تو انہیں کہا کہ وہ ان مسجدوں کو چیک کریں جہاں امام (جنہوں نے افغان مہاجرین کی حمایت کی تھی) وعظ دیتے ہیں ہو سکتا ہے کہ وہ پاکستانی آبادکاروں اور برطانوی پاکستانیوں کی دوسری نسل کو نفرت اور تشدد کی

Marfat.com

تعلیم دیتے ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ وہ حیران ہو گئے۔ پاکستان میں مجھ پر انتہا پسندوں کا خطرہ عیاں تھا کیونکہ مجھے ہر روز دہشت گردوں اور انتہا پسندوں سے نمٹنا پڑتا تھا تاہم مغرب والوں کو اب بھی اس کا ادراک نہیں تھا یہ صورتحال جلد تبدیل ہو گئی۔

انتہا پسندوں کی یہ سوچ غیر منطقی نہیں تھی کہ میں ان کے عزائم کے راستہ میں رکاوٹ تھی۔ وہ اس لئے میری مخالفت کرتے تھے کہ وہ پاکستان پر مکمل قبضہ کرنا چاہتے تھے اس لیے انتہا پسندوں نے میری پالیسیوں کو ناکام بنانے اور میری دونوں حکومتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے توانائیاں صرف کیں اور اپنے وسائل کا بھرپور استعمال کیا۔

میں حقیقتاً یہ سوچتی ہوں کہ یہ کچھ اتفاقی امر ہے کہ دہشت گردوں کے بڑے حملے اس وقت ہوئے جب انتہا پسندوں کو ایک جمہوری پاکستانی حکومت سے نانمٹنا پڑا جب انہوں نے کسی پابندی اور نگرانی کے بغیر کام کیا ان میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر 1993ء اور 2001ء کے حملے' بمبئی دھماکے' بھارتی پارلیمنٹ پر حملہ' افریقہ میں امریکی سفارتخانہ پر شامل ہے۔ میرا یقین ہے کہ اگر 1996ء میں پاکستان میں میری حکومت کو عدم استحکام سے دوچار نہ کیا جاتا تو طالبان اسامہ بن لادن کو افغانستان میں مرکز قائم کرنے کی اجازت' تمام اسلامی دنیا سے اعلانیہ نوجوان بھرتی کر کے انہیں تربیت دینے کا کام اور 1998ء میں امریکہ میں جنگ کا اعلان نہ کرسکتے۔

دوسری مدت اقتدار کے دوران مجھے سیکیورٹی پر بریفنگ دینے کیلئے ایک مرتبہ پھر جنرل ہیڈ کوارٹرز میں مدعو کیا گیا۔ ڈائریکٹر ملٹری آپریشن میجر جنرل پرویز مشرف (جو بلاشبہ بعد میں چیف آف آرمی سٹاف اور اقتدار چھین کر صدر بنے) نے مجھے بریفنگ دی۔ مجھے یہ گھسا پٹا منظر محسوس ہوا کیونکہ ایک مرتبہ پھر میں نے یہ سنا کہ اگر میں احکامات جاری کردوں تو پاکستان کس طرح سری نگر پر قبضہ کرسکتا ہے۔ مشرف نے اپنی بریفنگ ان الفاظ پر ختم کی کہ فائر بندی ہو جائے گی اور پاکستان کا مقبوضہ کشمیر کے دارالحکومت سری نگر پر قبضہ ہو جائے گا۔ میں نے ان سے استفسار کیا اس کے بعد کیا ہوگا' وہ میرے سوال پر حیران ہوئے اور کہا کہ اس کے بعد ہم پاکستان کا جھنڈا سری نگر کی پارلیمنٹ پر لہرا دیں گے۔ پھر کیا ہوگا؟ میں نے جنرل سے پوچھا' اس کے بعد آپ اقوام متحدہ جائیں گی اور انہیں بتائیں گی کہ سری نگر اب پاکستان کے کنٹرول میں ہے۔ اس

Marfat.com

کے بعد کیا ہوگا؟ میں نے اسرار جاری رکھا' میں دیکھ سکتی تھی کہ جنرل مشرف اس قسم کے سخت سوالوں کے لیے تیار نہ تھے اور اس صورتحال سے گھبرا گئے۔ انہوں نے کہا کہ اور ...... اور آپ انہیں بتائیں گی کہ نئے جغرافیائی حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے دنیا کا نقشہ تبدیل کردیں۔

آپ جانتے ہیں کہ اقوام متحدہ مجھے کیا کہے گا؟ میں نے جنرل مشرف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جبکہ آرمی چیف ساتھ بیٹھے تھے ماحول ساکت ہوگیا میں نے واضح طور پر کہا وہ سلامتی کونسل کی قرارداد پاس کریں گے جس میں ہماری مذمت کی جائے گی اور مطالبہ کیا جائے گا کہ ہم یک طرفہ طور پر سری نگر سے اپنی فوجیں نکال دے۔ ہمیں اپنی کوششوں سے سوائے بے عزتی اور تنہائی کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اس کے بعد میں نے اجلاس ختم کردیا۔

انتہا پسندوں کی طرف سے میری طرف حکومت کو برطرف کرنے کا نتیجہ ستمبر 1995ء میں بریگیڈیئر مستنصر کی طرف سے انقلاب کی صورت میں نکلا یہ گروپ اسلام آباد ہتھیار اسمگل کررہا تھا۔ انہوں نے ایک اجلاس کے دوران ملٹری ہیڈکوارٹر پر قبضہ اور تمام جنرلوں کو ہلاک کرنے کی منصوبہ بندی کی۔ اس کے بعد ان کا ارادہ یہ ظاہر کرنے کا تھا کہ ہلاک شدہ جنرل مجھے جی ایچ کیو لیجاتا اور پھر قتل بھی کرنا چاہتے تھے۔ جب جی ایچ کیو پر قبضہ کے لئے استعمال کرنے والے ہتھیار سرحد سے اسلام آباد جانے والے راستے کے دوران روک لیے گئے تو گروپ نے دعویٰ کیا کہ وہ کشمیری عسکریت پسند تھے لیکن مقامی پولیس نے جو منتخب حکومت کی وفادار تھی آئی ایس آئی کے ساتھ مل کر معاملہ کی چھان بین کا فیصلہ کیا۔ آئی ایس آئی کے چیف نے ان کی گرفتاری اور انکوائری کے احکامات دیئے۔

اس وقت جنرل وحید کاکڑ آرمی چیف تھے۔ انہوں نے مجھ سے ملاقات کرنے کے لئے کہا میں نے انہیں وزیراعظم ہاؤس میں بلایا۔ سازش کی تفصیلات منکشف کرنے کے بعد انہوں نے مجھ سے کہا وزیراعظم! آپ خوش قسمت خاتون ہیں۔

میں نے احتیاط سے قوم سے خطاب کا مطالعہ کیا جو سازش کے ایک کردار میجر ظہیر الاسلام عباسی نے پہلے ہی سے لکھ کر رکھا تھا۔ ان کا خطاب تمام مسلمانوں سے اس اپیل سے شروع ہوا کہ تمام مسلمان اسلامی انقلاب کے لئے متحد ہوجائیں جو رونما ہوچکا تھا۔ انہوں نے

Marfat.com

اعلان کیا کہ اب سے اسلامی دنیا میں کوئی سرحدیں نہیں ہوں گی افغانستان اور پاکستان کے مابین سرحدیں ختم ہو جائیں گی کیونکہ اسلام کے مطابق ہم ایک قوم ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ کنفیڈریشن کا پرانا خیال تھا جو اب نئی زبان میں تیار کیا گیا تھا۔ یقیناً سخت گیروں کا یقین تھا کہ وہ افغانستان سے وسط ایشیا' ترکی' چیچنیا سے یورپ کے ساحلوں تک پہنچ سکتے ہیں اور اسلام پھیلا سکتے ہیں۔ یہ خلافت کیلئے القاعدہ کی طرح کا خاکہ تھا۔ جنرل وحید کاکڑ نے مجھے کہا وزیراعظم میں ان افراد پر بغاوت کے الزام میں فوجی عدالتوں میں مقدمہ چلاؤں گا اور انہیں پھانسی پر لٹکاؤں گا۔ یہ سازشی افراد جنرل مشرف کے دور میں رہا کر دیئے گئے۔

☆☆☆

میں فوج میں انتہا پسندوں کے گھس جانے کی وجہ سے پریشان تھی اور جنرل کاکڑ سے کہا کہ وہ 1995ء میں اپنی ریٹائرمنٹ کی بجائے بعد میں بھی اس عہدے پر اپنی خدمات جاری رکھے۔ بدقسمتی سے جنرل کاکڑ نے آرمی چیف کی حیثیت سے اپنی ملازمت جاری رکھنے کی میری تجویز سے اتفاق نہ کیا۔

آئی ایس آئی کے ایک سابق افسر میجر عامر نے ٹی این ایس ایم کے نام سے جنگجو تنظیم بنا رکھی تھی جو صوبہ سرحد میں فعال تھی۔ اس تنظیم نے 1996ء میں صوبہ سرحد کے علاقہ مالاکنڈ میں مسلح بغاوت تیار کی۔ مذہبی انتہا پسندوں نے پولیس سٹیشنوں پر قبضہ کر لیا اور میری پارٹی کے ایک رکن اسمبلی کو ہلاک کر دیا۔ میری حکومت نے ان کی چال بازیوں کے آگے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا۔ ہم عسکریت پسندوں کو گرفتار کرنے میں کامیاب تھے اور مالاکنڈ میں امن و امان قائم کیا۔ ایک پریس رپورٹ کے مطابق اس بغاوت کا ایک اہم لیڈر مولانا لیاقت 30 اکتوبر 2006ء کو باجوڑ واقعہ میں مارا گیا جب کہ اس کا ایک مسلح ساتھی فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ جب مجھے دہشت گردی کا خاتمہ کرنے کے لئے طاقت کا استعمال کرنا پڑا تو میں نے وہ کیا جس کی ضرورت تھی اور مجھے عوام کی حمایت حاصل تھی۔ داخلی اور خارجی سطح پر دہشت گردی کے واقعات کم ہو گئے۔ جنوری 1996ء میں اکھوڑہ ڈیم کا افتتاح کرنے کیلئے میں بلوچستان گئی یہ بلوچستان کے عوام کو پینے کا پانی فراہم کرنے کیلئے میرے عہد کی تکمیل تھی۔ ایک سینئر صحافی نے مجھے آگاہ کیا کہ

Marfat.com

اسے آرمی ہیڈ کوارٹر میں بلایا گیا جہاں اسے بتایا گیا کہ فوج اس (بے نظیر) سے تنگ ہے ایک فولڈر اس کے حوالے کیا گیا جس میں موجود مواد پر مبنی کرپشن کے متعلق کہانی لکھنے کے لئے انہیں کہا گیا۔

مارچ میں فوج کے ایک میجر نے مجھے اطلاع دی کہ انٹیلی جنس نے میری حکومت برطرف کرنے کیلئے عدم استحکام کی کوششوں پر مبنی مکمل پروگرام تیار کیا ہے۔ ایک ماہ بعد ایک اور فوجی افسر نے مجھے اطلاع دی کہ افسر ڈیل کرنے کیلئے سپریم کورٹ سے رجوع کر رہے ہیں۔ آئینی بحران کے بدلے میں جو صدر میری حکومت کو برطرف کرنے کیلئے برپا کرتے چیف جسٹس کو عبوری وزیراعظم بنانے کا وعدہ کیا گیا۔

میں نے اور میری ٹیم نے آرمی چیف جنرل کرامت سے بعض فوجی افسروں کے تبادلے کرنے کا ایشو اٹھایا لیکن وہ ایسا کرنے کے لئے متذبذب تھے۔ اس کی بجائے انہوں نے استعفیٰ دینے کی پیشکش کی جب میں نے ڈائرکٹر جنرل آف ملٹری آپریشن جنرل محمود کے متعلق شکایت کی جو میرے خیال کے مطابق میرے خلاف مہم چلانے میں فعال کردار ادا کر رہے تھے فوج اور انٹیلی جنس ایجنسیوں میں وہ تبدیلیاں جو 1995ء کے آخر میں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ جب جنرل کاکڑ ریٹائرڈ ہوئے اور جنرل جاوید اشرف کا آئی ایس آئی سے تبادلہ ہو گیا میری دوسری حکومت کی تباہی کا باعث بنی۔

جنرل کاکڑ کی ریٹائرمنٹ کے بعد فوج کے سخت گیر و نے صدر کی حمایت حاصل کر لی اور میری حکومت کو برطرف کرنے کی سازش کی۔ صدر کے ایک رشتہ دار نے اگست 1996ء میں مجھے اطلاع دی کہ ملٹری انٹیلی جنس نے ان سے کہا ہے کہ وہ صدر تک ان کا ایک پیغام پہنچا دیں۔ پیغام میری حکومت کو برطرف کرنے کیلئے اس انداز کی دھمکی دی گئی کہ جب تک وہ ایسا نہیں کرتے فوج صدر اور وزیراعظم دونوں سے نجات حاصل کر لے گی۔

فوج سے معاملہ طے کرنے والی آئینی قوتیں صدر کی بجائے میرے ساتھ ہوتیں تو میں ان لوگوں کے خلاف انضباطی کارروائی کا حکم دیتی جو قانونی حکومت کے خلاف جوڑ توڑ میں شریک تھے لیکن صدر میں اتنی اخلاقی جرات نہیں تھی کہ انٹیلی جنس کے جنرلوں کا مقابلہ کرتے۔

Marfat.com

صدر اس فریب میں مبتلا تھے کہ فوج کی حمایت سے وہ 10 سال تک صدر رہ سکتے تھے یہ یقینی امر ہے کہ صدر کو انٹیلی جنس نے ڈرایا دھمکایا تھا۔ آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل حمید گل اگست 1996ء میں آرمی کے سربراہ سے ملاقات کرنے کیلئے گئے انہوں نے جنرل جہانگیر کرامت سے کہا کہ صدر وزیراعظم کو برطرف کرنے کیلئے تیار ہے لیکن انہیں شبہ ہے کہ فوج کے سربراہ وزیراعظم سے بہت قریب ہیں۔ اگر یہ صورتحال نہیں ہے تو آرمی چیف کو صدر کے ساتھ وزیراعظم کو برطرفی کرنے کا ایشو اٹھانا چاہئے۔

ان دو پیغامات سے جن میں سے ایک جنرل محمود کی طرف سے صدر کے رشتہ دار کو دیا گیا اور دوسرا جو جنرل گل نے ملٹری چیف کو دیا میں نے نتیجہ اخذ کیا کہ فریب دہی پر مبنی کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ صدر کو دھمکی دی گئی تھی کہ اگر وہ حکومت کو برطرف نہیں کرتے تو انہیں بھی ہٹا دیا جائے گا۔ آرمی چیف کو دھمکی دی گئی کہ اگر وہ وزیراعظم کے بہت نزدیک ہیں تو انہیں صدر کے ذریعے ہٹایا جا سکتا ہے۔ اس وقت صدر کے پاس فوج کے سربراہوں کا تقرر کرنے اور انہیں ہٹانے کے آئینی اختیارات تھے۔

آئی ایم کے سربراہ جنرل محمود جنرل مشرف کے انقلاب کے بنیادی محرک تھے بعدازاں وہ آئی ایس آئی کے سربراہ بن گئے انہیں 9/11 کے بعد بین الاقوامی دباؤ کے تحت ریٹائر کیا گیا۔ بڑھتی ہوئی سیاسی بے یقینی کے درمیان میرے خاندان کے ساتھ ایک اور المناک واقعہ پیش آیا۔ میرے والد ڈکٹیٹر ضیاء الحق کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ میرے بھائی شاہنواز کو فرانس میں زہر دیکر ہلاک کر دیا گیا 20 ستمبر 1996ء کو میرا خاندان ایک اور قتل سے سخت صدمہ انگیز صورتحال کا شکار ہوا میرے بھائی مرتضٰی بھٹو کو کراچی میں اس کے گھر کے سامنے پولیس فائرنگ کے ذریعے قتل کر دیا گیا۔ میں خصوصاً سخت پریشان ہوئی کیونکہ کچھ سالوں کی سیاسی رنجش کے بعد ہماری اب مصالحت ہوئی تھی اور ہمارا خاندان ایک مرتبہ پھر ایک دوسرے کے قریب آ رہا تھا۔

میں بہت افسوس کے ساتھ کہتی ہوں کہ میں امریکہ کے ضیاء کے متعلق غلط اندازوں کا عمل نئے فوجی ڈکٹیٹر پرویز مشرف کے معاملہ میں بھی دیکھ رہی ہوں۔

Marfat.com

اداروں میں جمہوریت کا انفراسٹرکچر تباہ ہونے کی شکل میں نکلا ہے۔علاوہ ازیں بجٹ میں ان کی ترجیحات کا رخ سماجی شعبے سے فوج کی طرف موڑ دیا گیا ہے۔اس سے لاکھوں پاکستانی جو غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزارتے ہیں ان کی مشکلات میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔

ہم اس امر سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ جنرل مشرف پر قاتلانہ حملوں کی متعدد کوششیں کی گئی ہیں اگرچہ یہ امید کی جاتی ہے کہ ان پر مزید کوئی حملہ نہیں ہوگا خطرہ پھر بھی موجود ہے۔پاکستان میں پائیدار جمہوریت قائم کرنے کی کوششوں میں ناکامی کے دوررس نتائج مرتب ہوسکتے ہیں۔

مشرف حکومت پاکستانی سرحد کے حصوں میں اپنی ذمہ داریوں سے سبک دوش ہوگئی ہے ان کا دعویٰ ہے کہ یہ کنٹرول نہیں کیے جاسکتے۔یہ انوکھا خیال کہ پاکستان کے یہ وسیع حصہ کنٹرول نہیں کیے جاسکتے محض حماقت ہے۔وزارت عظمیٰ کے دوران ادوار میں میری حکومت نے امن وامان قائم کرنے کیلئے ان علاقوں میں فوجیں بھیجیں۔اب مشرف حکومت نے دہشت گردوں کو ان علاقوں پر حکومت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ان کی حکومت ان دہشت گردوں کے ساتھ رہتی ہے جو طیاروں اور ٹرینوں اور بسوں میں سفر کرنے والی معصوم خواتین، بچوں اور مردوں پر حملہ کرتے ہیں۔اگر ایک خاتون وزیراعظم کے دور میں اس طرح کے واقعات ہوتے ہیں تو اس پر کمزور اور بے صلاحیت ہونے کا الزام عائد کیا جائے گا۔لیکن یہ جنرل ہر کام سزا کی بریت کے بغیر کر رہا ہے۔خواتین کے عظیم کاموں کے باوجود عورت مرد کی کارکردگی کو جانچنے میں دوہرے معیار برقرار ہیں۔

مشرف دہشت گردی کے خلاف جنگ میں تھوڑا تھوڑا کر کے مدد فراہم کر رہے ہیں چمچہ بھر ضرورت کے مطابق تا کہ واشنگٹن اور لندن کی نگاہوں میں اچھے بنے رہیں لیکن ان کی پالیسیاں مغرب کے دشمنوں کو طاقت دے رہی ہیں میں نے جو سال وزیراعظم کی حیثیت سے گزارے تو یہ سیاسی مدرسے جو ملک میں مغرب کے خلاف عدم رواداری اور جنگ کی تعلیم دے رہے ہیں انہیں کنٹرول کیا اور بعض اوقات انہیں ختم بھی کیا۔اب یہ موجودہ پاکستانی ملٹری ڈکٹیٹر کے تحت پھل پھول رہے ہیں۔

Marfat.com

پاکستان میں جمہوریت کے خلاف ضیاء کے انقلاب کی دو دہائیوں کے بعد ایک اور آرمی چیف نے سولین حکومت کے خلاف انقلاب برپا کیا ہے۔

اپنے سے پہلے کی ڈکٹیٹر شپ کی قیادت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نئے پاکستانی ڈکٹیٹر نے دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اپنے مفاد کیلئے مدد فراہم کر کے مغرب کے ساتھ فلرٹ کیا ہے۔اس سے امریکہ اور برطانیہ اس کی سیاسی حمایت سے دور ہوئے ہیں جبکہ طالبان پاکستان کے قبائلی علاقوں میں پھر منظم ہوئے ہیں اور ہمسایہ ملک افغانستان میں نیٹو کے فوجیوں کو ہلاک کرر ہے ہیں۔

اکثریت پسندوں کے سیل جوں کے توں ہیں ان کے لیڈر گرفتار کیے جاتے ہیں اور جونہی عالمی توجہ رخ پھیرتی ہے انہیں رہا کر دیا جاتا ہے۔میرے خیال میں اپوزیشن لیڈروں پر دباؤ ڈال کر منتخب کردہ سیاسی جماعتوں کو قتل کر کے' پریس پر پابندی عائد کر کے اور انسانی حقوق کی وجوہات کو روک کر فوجی ڈکٹیٹر شپ اب بھی روبہ عمل ہے۔

فوجی حکومت کا مقصد یہ ہے کہ اس امر کی یقین دہانی حاصل کی جائے کہ حکومتیں تشکیل دینے کیلئے انٹیلی جنس اداروں کا کوئی متبادل نہ رہے یہی وجہ ہے کہ وہ پی پی پی کی مخالفت کرتے ہیں۔فوجی حکومت کے حامیوں کو صدر جان ایف کینڈی کے الفاظ یاد رکھنے چاہئیں جو انہوں نے 1961ء میں اپنے افتتاحی خطاب میں کہے تھے۔''جو شیر کی کمر پر سواری کرتا ہے عموماً اندر سے ڈرا ہوتا ہے''

جنرل مشرف سے میری اتفاقیہ ملاقات اس وقت ہوئی جب ترک فوجیوں کے دوروں کے دوران انہوں نے ترک مترجم کے فرائض سرانجام دیئے۔میں نے انہیں اپنا ملٹری سیکرٹری بنانے سے انکار کیا۔ہم نے نسلی اور اکثر مشتعل مہاجر قومی موومنٹ (ایم کیوایم) کے ساتھ ان کے مشتبہ روابط کی وجہ سے شروع میں ان کی ترقی کرنے سے انکار کردیا۔آخری دفعہ میری ان سے ملاقات سب سے اہم تھی جب انہوں نے 1996ء میں کشمیر پر جنگ کے متعلق خاکہ پیش کیا۔

Marfat.com

بینظیر بھٹو شہید کا امریکی کانگریس سے ایک یادگار خطاب

جون 1989ء

جناب صدر! کانگریس کے معزز ارکان ۔السلام علیکم! ہم آج یہاں اکھٹے موجود ہیں۔دوست اور ساتھی جنہوں نے آزادی کی جنگ شانہ بشانہ لڑی۔ہم یہاں آزادی کا جشن منانے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔جمہوریت کی سطح پر خوشی منانے کے لئے اکھٹے ہوئے ہیں۔ہم یہاں انگریزی کے تین سب سے حسین الفاظ ''We the people'' ''ہم عوام'' پر مسرت کا اظہار کرنے کے لئے یکجا ہوئے ہیں۔

یہاں میں اس اعزاز کے مکمل شعور کے ساتھ کھڑی ہوں جو آپ نے مجھے اور میرے ملک کو دیا ہے۔میں امریکہ کے لئے نئی نہیں ہوں۔ہاورڈ میں اپنے چار سال مجھے اچھی طرح یاد ہیں۔امریکہ عظیم ٹیکنالوجی کی سرزمین ہے۔امریکہ اقتصادی قوت کا ملک ہے۔آپ کی مصنوعات دنیا بھر میں جاتی ہیں۔جو آپ کے لوگوں کی تخلیقی اور پیداواری صلاحیتوں کو ایک خراج تحسین ہے لیکن آپ کی سب سے بڑی برآمد مادی نہیں ہے۔آپ کی سب سے بڑی برآمد کوئی مصنوعات نہیں ہے۔آپ کی سب سے بڑی برآمد ایک نظریہ ہے۔دنیا کے لیے امریکہ کی سب سے بڑی خدمت اس کا جمہوریت کا نظریہ ہے۔اس کا آزادی کا تصور ہے۔آزادی اظہار ہے۔آزادی فکر ہے۔آزادی عمل ہے۔

صدر بش نے اپنی افتتاحی تقریر میں امریکہ میں ہوا کے تازہ جھونکوں کا ذکر کیا تھا۔حقیقت یہ ہے کہ یہ ہوا پوری دنیا میں چل رہی ہے۔افغانستان میں عوام نے اپنے ملک کو غیر ملکی تسلط سے آزاد کروالیا ہے۔جنوبی امریکہ میں جنرل بیرکوں کو واپس جا رہے ہیں اور عوام اقتدار کے ایوانوں میں داخل ہو رہے ہیں۔مشرق میں پرانی سیاست گری خوار ہے۔زمیں میر و سلطان سے بیزار ہے۔مشرقی بلاک کو ''گلاس ناسٹ'' اور پرسٹرو ئکا نے ہلا کر رکھ دیا ہے۔عوام جہاں بھی

Marfat.com

ہیں انہیں ان کی خواہش اور حرمت کے مطابق اپنی تقدیر کا اختیار مل رہا ہے اور یہ لنکن کے الفاظ ہیں جو دنیا بھر میں دہرائے جاتے ہیں۔ حکومت عوام کی عوام کے لیے عوام کی طرف سے۔

ہم میں سے اکثر کے لیے اس ترقی کی جڑیں' جمہوریت کی بنیادیں۔ اس براعظم میں ہیں جہاں 200 برس پہلے آزاد حکومت قائم ہوئی اور جب میڈیسن کے الفاظ میں کہا گیا۔ ''ہم عوام'' آپ کے سامنے میری موجودگی پاکستان میں جمہوریت اور آزادی کی طاقت کی تصدیق ہے۔ 1988ء کے دوران۔ پاکستان میں جمہوری تبدیلی کے لیے آواز بلند سے بلند تر ہوتی چلی گئی۔ جبر کی ایک دہائی کے بعد پاکستان میں آزادی کی موج ابھری ہے۔ 16 نومبر کو پاکستان کے عوام نے گیارہ سال بعد پہلے جماعتی بنیادوں پر ہونے والے انتخابات میں حصہ لیا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کو ایک فیصلہ کن کامیابی حاصل ہوئی۔ ہمارے عظیم ملک کے چاروں صوبوں میں اسے وسیع تر قومی حمایت حاصل ہوئی۔ اس طرح جمہوریت پاکستان میں بالآخر بحال ہوگئی۔

ہم عوام نے آواز بلند کی۔ ہم عوام نے غلبہ پایا۔ پہلے دنوں میں ہی ہماری نئی حکومت نے سیاسی قیدیوں کو آزاد کیا۔ لیبر اور اسٹوڈنٹس یونینوں کو قانونی حقوق دیئے اور آزادی صحافت بحال کی۔ ہم نے جمہوری معاشرے میں اپوزیشن کے کردار کو تسلیم کیا۔ تاریخ میں پہلی بار انہیں سرکاری ذرائع ابلاغ تک کھلی اور باقاعدہ رسائی کا حق دیا۔ ہم نے انتقام کے بجائے صلح کو مرکز نگاہ بنایا۔ بعض نے انتقام کا خدشہ ظاہر کیا۔ قاتلوں اور ظالموں سے انتقام' آئین کو توڑنے والوں سے انتقام۔ لیکن خواتین و حضرات! ان سے کوئی انتقام نہیں لیا گیا۔ ان سے اور دنیا بھر کے ڈکٹیٹروں کے لیے جمہوریت سب سے بڑا انتقام ہے۔ ہمارے لیے انتخابات۔ ناقابل بیان کرب اور آمریت کا ایک خاتمہ تھے۔ ایک جمہوری حکومت کو ایک فوجی بغاوت کے ذریعے ختم کر دیا گیا تھا۔ گیارہ سال تک آمریت نے ہماری قوم پر حکمرانی کی۔ سیاسی جماعتوں کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا۔ سیاسی آزادیاں ختم کردی گئیں۔ صحافت آزاد نہیں تھی۔ آئین معطل کر دیا گیا اور اس میں اتنی ترامیم کی گئیں کہ اس کا وجود ہی ختم ہوگیا۔ خواتین سے ناانصافیاں کی گئیں اور ایسے قوانین وضع کیے گئے جن سے خصوصی طور پر ان سے امتیاز برتا گیا۔ سیاسی مخالفین کو جیلوں میں ڈالا گیا۔ اذیت دی گئی' پھانسیاں دی گئیں' خوش قسمت تھے وہ جو جلاوطنی میں چلے گئے۔

Marfat.com

ہماری جدوجہد کو ہمارے ایمان سے تقویت ملتی تھی۔ جو ہمیں اپنے دین اسلام پر تھا۔ جو ہمیں اپنے ہم وطنوں کی مزاحمتی صلاحیت پر تھا۔ ہمارا دین اسلام ہمیں سبق دیتا ہے کہ ظلم ہمیشہ نہیں رہتا۔ ظلم ہمیشہ نہیں رہتا۔

ہمارا یہی ایمان ہے جس نے ہمارے ہمسائے افغانستان میں آزادی کی جنگ کو بھی مہمیز دی ہے۔ ہمارے دونوں ملک ایک عشرے سے زیادہ عرصے سے افغان عوام کی جدوجہد میں ان کا ساتھ دے رہے ہیں۔ طویل دس برس کے عرصے میں پاکستان کے عوام نے اپنے افغان بھائیوں اور بہنوں کو پناہ دی ہے۔

ہم نے ان کے خاندانوں کو خوراک فراہم کی ہے۔ رہائش دی ہے۔ تیس لاکھ سے زائد مہاجرین ہماری سرزمین پر موجود ہیں اور مزید آ رہے ہیں۔ ہم نے ان کا خیر مقدم کیا ہے۔ انہی دس برسوں میں امریکہ کی تین حکومتوں اور چھ کانگریسوں نے پاکستان اور بہادر مہاجرین کا ساتھ دیا ہے۔ ہم دونوں اپنی ان کوششوں پر فخر کے مستحق ہیں۔ لیکن ہماری یہ کوششیں کسی قیمت کے بغیر نہیں تھیں۔ ہمارے دیہات پر بمباری ہوئی۔ ہمارے ہم وطن ہلاک کیے گئے۔ ہمارا پرامن ملک بالکل تبدیل ہو گیا۔ یہ جنگ پاکستان میں منشیات کی عادت کی لعنت لے آئی۔ ایسی سرزمین جو ہیروئن سے بالکل ناآشنا تھی اب وہاں ہیروئن کے دس لاکھ سے زیادہ عادی موجود ہیں۔ ہمارے جنگلات تباہ ہو گئے ہیں لیکن آزادی کی قیمت ادا کرنے کا ہمارا جذبہ ختم نہیں ہوا ہے۔

اور اب روسی فوجوں کی واپسی کے باوجود افغانستان میں امن بحال نہیں ہوا ہے۔ اب بھی روسی حکومت کابل حکومت کی کرسی سے چمٹے رہنے کی مکمل حمایت کر رہی ہے۔ اس کے پاس مہلک ہتھیار موجود ہیں۔ دوسرا اسلحہ برابر پہنچ رہا ہے۔ جن میں اسکڈ میزائل بھی شامل ہیں جن میں سے بعض نے پاکستانی علاقے کو اپنا نشانہ بھی بنا لیا ہے۔

مزید دھمکیاں مل رہی ہیں۔ ایسے ہتھیار فراہم کرنے کی دھمکیاں جو علاقے میں پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے۔ روسی چلے گئے ہیں۔ لیکن غیر ملکی اسلحہ کی طاقت افغانستان کو فتح کے حتمی نتیجے یعنی حق خودارادی سے ابھی تک محروم کیے ہوئے ہے۔ دس سال تک مدت اور تباہی کے ذمہ دار ہمیں خون خرابہ جاری رکھنے کا الزام دے رہے ہیں۔

Marfat.com

قابل احترام ارکان...... اس سے زیادہ بعید از صداقت اور بعید از انصاف بات ہو نہیں سکتی۔ ہم ایک مضبوط، مستحکم، آزاد اور غیر جانبدار افغانستان کے لیے فکر مند ہیں۔ ایک افغانستان جہاں عوام اپنا نظام، اپنی حکومت، آزاد اور منصفانہ انتخابات میں خود منتخب کریں۔ ہم پاکستان والے یہ چاہتے ہیں کہ افغان مہاجرین امن اور وقار کے ساتھ اپنے وطن واپس جائیں۔ بدقسمتی سے تصادم ختم نہیں ہوا۔ بلکہ یہ ایک ایسی خطرناک انتہا پر پہنچ گیا ہے جو اکثر زیادہ مشکل اور زیادہ پیچیدہ ہوتی ہے۔

پاکستان اور امریکہ افغان عوام کے خود ارادیت کی تلاش کے سفر میں بہت دور تک ساتھ چلے ہیں۔ آیئے اس انتہا پر ہم اپنی بے صبری یا تھکاوٹ کے باعث بے نیاز نہ ہو جائیں۔ ہم ان کے مقصد سے غافل نہیں ہو سکتے۔ ہمیں غافل نہیں ہونا چاہئے۔ عالمی برادری بیدار ہو اور درپیش چیلنج کا سامنا کرے۔ جس کا تقاضہ جنگ کا ایک وسیع البنیا و تصفیہ۔ ایک تباہ شدہ ملک کی تعمیر نو جنگ زدہ لوگوں کی امداد اور افغان معیشت کی ترقی ہے۔

جناب اسپیکر! اب پاکستان اور امریکہ دائمی تعلقات کے ایک نئے مرحلے میں داخل ہو رہے ہیں۔ ہمارے مشترکہ مفادات اور یکساں بین الاقوامی مقاصد او جھل نہیں ہوئے ہیں بلکہ اور مضبوط ہوئے ہیں۔ ہماری شراکت محض تن آسانی کی شراکت نہیں ہے۔ کئی عشروں سے ہم باہمی بین الاقوامی مقاصد اور مشترکہ مفادات میں منسلک ہیں۔ لیکن اب ہمارے دوطرفہ تعلقات کی رفاقت میں ایک نیا عنصر داخل ہو گیا ہے۔ جمہوریت...... اب ہم اخلاقی طور پر بھی اور سیاسی طور پر بھی رفیق ہیں۔ دونوں منتخب حکومتیں اب آئینی حکومت کے مشترکہ اقدام، جوابدہی اور آزادی سے وابستی کے بندھنوں میں بندھی ہوئی ہیں۔

آزادی کے لیے ہم نے پاکستان میں شدت سے جدوجہد کی ہے۔ اس کے باوجود ہم اسے مستقل نہیں سمجھتے۔ ہمارے جمہوری ادارے اب بھی نئے ہیں اور انتہائی محتاط نگہداشت کے متقاضی ہیں۔ جمہوریت پر شک کرنے والوں نے کبھی دل سے نہیں مانا کہ یہ ترقی پذیر ملکوں کے مسائل حل کر سکتی ہے لیکن پاکستان میں جمہوریت کی کامیابی اس لیے ضروری ہے کہ دنیا بھر میں سیاسی آزمائشوں میں مبتلا قوموں کو یہ پیغام مل سکے کہ آزادی آگے بڑھ رہی ہے۔

Marfat.com

یہ وقت ہے جب پاکستان میں جمہوریت کے دوستوں کو آگے آنا چاہئے۔ ہمیں وقت کی بھی ضرورت ہے اور وسائل کی بھی۔ تاکہ ہم حقیقی معنوں میں ایک مضبوط آئینی حکومت قائم کرسکیں۔ اگر ہم کامیاب ہوں گے تو اس کامیابی میں تمام جمہوریتوں کا حصہ ہوگا۔

آج ہم دونوں ملکوں کے درمیان ایک نئی جمہوری شراکت کا آغاز کر رہے ہیں۔ نئی ترجیحات مرتب کر رہے ہیں۔ ایک شراکت جو ہماری سلامتی کے معاملات پر بھی توجہ چاہتی ہے اور ہماری سماجی اور اقتصادی ضروریات پر بھی ایک شراکت جو ہمیں اکیسویں صدی میں لے کر داخل ہوگی ایک مضبوط اور باہمی اعتماد کے ساتھ۔ قریبی اور مشترکہ مفادات۔ مشترکہ اقدار اب دنیا بھر میں موجود جمہوری حکومتوں کے ساتھ آزادی کی اقدار کے فروغ کے لیے۔

یہ ہے شراکت۔ نیا جمہوری پاکستان جو آپ کے مسلسل تعاون کے ساتھ ہم تعمیر کرنا چاہتے ہیں میرے دوستو! وقت آ گیا ہے۔ پاکستان میں معجزے رونما کرنے کا۔

ماضی کی آمریت نے مستقبل کی قوتوں کے سامنے سر جھکا دیا ہے۔ سماجی اور اقتصادی عدم توجہی کے سال اب مداوا مانگتے ہیں۔ اس لیے میں امکانات اور آزادی کی اس سرزمین پر آئی ہوں تاکہ مستقبل کی، ملک کے مستقبل کی ہر جگہ آزادی کی اپنے بچوں کے آپ کے بچوں کے مستقبل کی بات کروں۔

میں آپ کے سامنے آئی ہوں تاکہ آپ کو بتاؤں کہ ہمارے پاس جمہوریت اور ترقی میں سے کسی ایک کے چناؤ کا موقع نہیں ہے۔ ہمیں دونوں کے لیے کام کرنا ہے۔ جمہوریت میں شراکت کرنے والوں کو ان فوری مسائل پر توجہ مرکوز کرنی چاہئے۔ جو بنی نوع انسان کو مجموعی طور پر درپیش ہیں جن میں امیر اور غریب ملکوں کے درمیان بڑھتے ہوئے فاصلے، ماحولیاتی آلودگی، منشیات کا استعمال اور اسمگلنگ، عالمی وسائل پر آبادی کا دباؤ، خواتین کے لیے ہر جگہ مکمل اقتصادی شراکت۔

ہمیں اکٹھے ہونا چاہئے مسائل کے حل کے لیے پیشتر اس کے کہ مسائل ہم پر قابو پالیں۔ میری حکومت درپیش مسائل میں سے سب سے زیادہ ترجیح منشیات کے استعمال کو دے رہی ہی۔ ہم اس لعنت کو اپنی سرزمین سے ختم کرنے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم نے ایک

Marfat.com

نئی وزارت نارکوٹکس کنٹرول قائم کی ہے۔ ہم ڈرگ اسمگلروں کے خلاف انتہائی سخت اقدامات کر رہے ہیں۔ ہمارا قریبی تعاون اور دوسری قوموں سے تعاون مضبوط ہونا چاہئے اگر ہمیں اپنے اور آپ کے ملک کو لپیٹ میں لیتی ہوئی منشیات کی لہر کو روکنا ہے۔

اسی طرح ہمیں تباہی روکنے کے لیے ایٹمی ہتھیاروں کی دوڑ کو بھی مل جل کر روکنا ہے۔ پاکستان کی طرف سے میں یہ اعلان کرسکتی ہوں کہ نہ ہمارے پاس کوئی ایٹمی بم ہے نہ ہم بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یہ ہماری پالیسی ہے۔ ہم ایٹمی مسئلے پر علاقائی رویہ اختیار کرنا چاہتے ہیں اور ہم کسی بھی تحفظات' معائنے اور تصدیق کے لیے تیار ہیں۔ اگر وہ علاقائی بنیادوں پر کسی امتیاز کے بغیر کیے جائیں۔ اس سلسلے میں پہلا قدم پاکستان اور جنوبی ایشیا میں اس کے ہمسایوں کے درمیان ایٹمی تجربے پر پابندی ہوسکتا ہے۔ ہم اپنے علاقے میں ایٹمی ہتھیاروں کا پھیلاؤ روکنے کے لیے کسی بھی بات چیت کے لیے تیار ہیں۔ ہم برصغیر میں ایٹمی ہتھیاروں کی دوڑ شروع نہیں کریں گے۔

امریکہ جنوبی ایشیا میں امن کے لیے بہت دیرینہ عزم رکھتا ہے۔ یہ امن علاقائی تعاون اور دوطرفہ رفاقت کا جذبہ ہی ہے جو مجھے آج آپ کے سامنے لایا ہے۔ اب ہمارا ایجنڈا یہ ہونا چاہئے جمہوریت اور ترقی' سلامتی اور بین الاقوامی تعاون' پاکستان کے عوام اس تعاون کو قابل تحسین کہتے ہیں جو آپ نے ہم سے کیا ہے اور جو آپ اب بھی کر رہے ہیں۔ آپ کی فوجی امداد نے علاقے میں توازن رکھنے میں مدد کی ہے۔ اس سے پاکستان کی سلامتی کے احساس میں اضافہ ہوا ہے۔ اس نے جنوبی ایشیا کے علاقے میں امن اور استحکام کو تقویت پہنچائی ہے۔

جناب اسپیکر! دنیا میں ہر کہیں آمریت کا سورج غروب ہو رہا ہے۔ پاکستان میں جب یہ لمحہ آیا تو انتقال اقتدار پرامن تھا۔ پوری قوم نے کسانوں' محنت کشوں' فوجیوں' شہریوں' مردوں' عورتوں نے مل جل کر جمہوریت کی بحالی کا راستہ ہموار کیا۔ عوام نے اختیارات اپنے ہاتھوں میں لے لیے ہیں۔ لیکن ہمارا سفر ابھی شروع ہوا ہے۔ میرے دوستو آزادی انجام نہیں ہے۔ آزادی آغاز ہے۔ اور پاکستان میں بالآخر ہم آغاز کرنے والے ہیں۔ ہمارے دونوں ملک گزشتہ عشرے میں افغان عوام کی آزادی کے لیے جدوجہد میں ساتھ رہے ہیں۔ آیئے ہم اس وقت بھی ساتھ رہیں جب پاکستان کے عوام اپنی نو یافتہ آزادی کو بامعنی بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہمارے

Marfat.com

ساتھ اس آنے والی کل کی طرف آئیں جو ان تمام گزرے ہوئے دنوں سے بہتر ہے۔ جن سے ہم آشنا ہیں۔ تاریخ' حالات کا بہاؤ اور شاید تقدیر مجھے آج یہاں لے آئی ہے۔

مجھے فخر ہے کہ میں اس نازک وقت میں پاکستان کی منتخب وزیراعظم ہوں۔ یہ ایک کٹھن ذمہ داری ہے لیکن جان فٹز جیرالڈ کینڈی کے الفاظ میں ''میں اس ذمہ داری سے آنکھ نہیں چراتی۔ میں اس کا خیر مقدم کرتی ہوں''۔

نوجوانوں کی نمائندہ کی حیثیت سے مجھے لیڈروں کو اس نئی نسل کی طرح دیکھا جائے جو ماضی کی غیر دانشمندانہ نفرتوں اور پابندیوں سے آزاد ہیں۔ خواتین کی نمائندہ کی حیثیت سے میرا پیغام یہ سنا جائے۔ ''ہاں۔ آپ کر سکتی ہیں'' اور اسلام پر ایمان رکھنے والے کی حیثیت سے اس مقدس ایوان میں میرا پیغام یہ ہے کہ اسلام ایک متحمل اور مہربان دین ہے۔ جو ہمیں ایک رحیم وغفور خدا کی خدائی میں محنت اور خاندانی اقدار سکھاتا ہے۔ یہی ہے وہ اسلام جس سے میں آشنا ہوں۔ یہی ہے وہ اسلام جسے ہم سب کو سمجھنا چاہیے۔

میرے اور پاکستان کے عوام کے لیے گزشتہ گیارہ سال ایک انتہائی تکلیف دہ دور تھے۔ میں نے اور میرے ہم وطنوں نے اپنے پیاروں کو جان سے گزرتے' تشدد سہتے' کوڑے کھاتے' قید تنہائی میں سڑتے' بنیادی انسانی حقوق سے محروم رہتے اس لیے نہیں دیکھا تھا کہ دوسرے انسانوں کو اسی ذلت سے دوچار ہونا پڑے۔ ہم نے اپنی زندگی کا ایک حصہ قربان کر دیا۔ ہم نے ظلم وجبر کی مزاحمت میں اذیت اس لیے برداشت کی تھی کہ ہم انصاف پر مبنی معاشرہ تعمیر کر سکیں۔ ہمیں اپنے آپ پر' اپنے مقاصد پر' اپنے عوام پر' اپنے ملک پر ایمان تھا اور جب کسی کو ایمان میسر ہو تو کوئی پہاڑ بھی ناقابل عبور نہیں رہتا۔ یہ میرا پیغام ہے امریکہ کے نوجوانوں' اس کی خواتین اور اس کے عوام کے لیے۔''

Marfat.com

بینظیر بھٹو شہید کا قوم سے ایک یادگار خطاب

2 دسمبر 1988ء کو محترمہ بے نظیر بھٹو وزیر اعظم پاکستان نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر قوم سے خطاب کیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میرے عزیز بھائیو' بہنو' میرے بزرگو! نوجوان ساتھیو!

السلام علیکم

مبارک باد! آپ کو۔ آپ کی کامیابی پر' آپ کی فتح پر مبارک باد' یہ پاکستان پیپلز پارٹی کی کامیابی نہیں ہے' الیکشن کے نتائج پوری قوم کی کامیابی ہے' اور میں آپ کو اس کامیابی پر مبارک باد پیش کرتی ہوں۔ آج آپ نے اپنی بہن کو بہت بڑے اعزاز سے نوازا ہے اور اس کے کندھوں پر بہت بھاری ذمہ داری ڈال دی ہے۔ اس ذمہ داری کو نبھانے کے لیے جو کچھ میرے بس میں ہوا' وہ میں کروں گی۔

اس کام میں پاکستان پیپلز پارٹی کے کارکن جو قربانیاں دینے کے عادی ہیں' وہ حکومت کی مدد کریں گے۔ ہم ان کی مدد چاہیں گے' جنہوں نے جمہوریت کی بحالی کے لیے جدوجہد کی ہے' لیکن ہماری قوت کا اصل سرچشمہ عوام ہیں' ہم آپ میں سے ہیں' آپ کا دکھ ہمارا دکھ ہے۔ آپ کی عزت ہماری عزت ہے۔ آپ کی خوشی ہماری خوشی ہے۔ مجھے آپ پر فخر ہے' آپ نے ایسی حکومت منتخب کی ہے جسے چاروں صوبوں میں حمایت حاصل ہے' اس لحاظ سے وہ پوری قوم کے مفادات کا یکساں خیال رکھ سکے گی۔ ہم اس سفر پر گامزن ہیں' جس پر اپنے دلوں میں ترقی پسند پاکستان' جمہوری پاکستان اور استحصال سے پاک پاکستان کی تمنا رکھنے والے چل رہے ہیں۔ ہمارا سفر بیس سال پہلے شروع ہوا تھا' جب شہید ذوالفقار علی بھٹو نے ہمارے ملک کے پس ماندہ اور محروم عوام کے حقوق کی حفاظت کے لیے پاکستان پیپلز پارٹی بنائی تھی' جب ایک سابقہ

Marfat.com

آمریت نے ملک کے دو ٹکڑے کر دیئے تھے تو 1971ء میں انہوں نے اس ملک کو بچایا تھا' انہوں نے عوام میں قوت پیدا کی اور یوں ملک کی حفاظت کی۔ اب ہمیں پھر آگے جا کر اپنی قوم کو مضبوط بنانا ہوگا۔ قوم اس وقت مضبوط ہوگی جب عوام مضبوط ہوں گے اور عوام اس وقت مضبوط ہوں گے' جب ہم ان کی ضروریات پر پوری توجہ دیں گے۔ ہمارا پیغام امید کا پیغام ہے۔ ہمارا پیغام اتحاد کا پیغام ہے۔ امن' آزادی اور ترقی کا پیغام ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حالات سنگین ہیں۔ ہمیں بہت بڑے چیلنج کا سامنا ہے' لیکن ہم چیلنجوں سے ڈرنے والے نہیں۔ یہ درست ہے کہ گذشتہ ساڑھے گیارہ سال کے دوران داخلی طور پر جو پالیسیاں اپنائی گئیں' ان کا مقصد محض اپنے ذاتی اقتدار کو برقرار رکھنا تھا۔ ان پالیسیوں نے ہمارے معاشرے پر بہت سے زخم لگائے ہیں اور اس کا شیرازہ زبان' نسل' اور فرقہ پرستی نے تار تار کر دیا ہے۔ چھوٹی سوچ رکھنے والی خارجہ پالیسی نے ہمارے اردگرد بلاوجہ خطرات پیدا کر دیئے ہیں۔ غلط سوچ پر مبنی اقتصادی پالیسیوں نے ہمارے قدرتی اور انسانی وسائل کی دولت ضائع کر دی ہے اور ہمارا پورا مالی نظام دیوالیہ ہونے کے قریب پہنچ چکا ہے۔ ہم تباہی کے کنارے کھڑے ہیں' لیکن ایک پوری نسل اپنی بے تابیوں کو تعمیری جستجو کا رنگ دینے کے لیے تیار ہے۔ ہماری قربانیاں' ہماری جدوجہد' کوڑوں کی سزائیں اور موت کی کوٹھڑیوں میں ہمارا موت کا منہ چڑانا رائیگاں نہیں گیا۔ ہمیں ان آزمائشوں نے اپنے عزم میں پختہ کیا ہے۔ ہم زخموں کو بھریں گے۔ ہم مشکلات پر قابو پائیں گے۔ ہم بردباری اور صلح و آشتی سے مشکلات پر قابو پائیں گے' ہم محبت کا راستہ اپنائیں گے۔ ہم بھوک اور ذلت کا خاتمہ کریں گے۔ ہم بے گھروں کے سروں پر چھت کا سایہ مہیا کریں گے۔ بے روزگاروں کو روزگار دلائیں گے۔ ان پڑھوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں گے۔ ایک طرف دولت کی ریل پیل ہو اور دوسری طرف غربت' ہم یہ برداشت نہیں کریں گے۔ ہمارا ایمان ہے کہ پاکستان زندہ رہنے کے لیے بنا ہے اور اس میں وہ تمام صلاحیتیں موجود ہیں جو

Marfat.com

ایک مضبوط قوم اور خوشحال قوم کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ پاکستان کے قیام کے وقت قائداعظم نے مسلمان عوام کی امنگوں کی عکاسی کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ پاکستان ایک جدید ریاست کی حیثیت سے پروان چڑھے گا۔ محنت کش طبقوں کو امید تھی کہ نئی ریاست میں معاشرتی انصاف ہوگا۔ ہر قسم کے استحصال سے نجات ملے گی' جاگیرداری کے پھندے سے چھٹکارا حاصل ہوگا۔ نئے معاشرتی اور اقتصادی نظام کے ذریعے انہیں نئے مواقع میسر آئیں گے اور عوام ملک کے معاملات میں حصہ دار رہیں گے۔ پاکستان کی تاریخ' عوام کی بے جھجک جدوجہد کی تاریخ ہے جو وہ ایک مراعات یافتہ حکمران طبقے کی من مانیوں کے خلاف کرتی رہی ہے۔ گذشتہ بیس سالوں میں انہوں نے تین بار بے رحم مارشل لاء کے ہاتھوں دکھ سہے ہیں۔ چار آئین منسوخ اور معطل ہوتے دیکھے ہیں اور چار جنگیں لڑی ہیں۔ اس بحران کی جڑیں گہری ہیں۔ یہ بحران ریاست اور عوام کے درمیان تھا۔ ایک حساس اور جمہوری حکومت میں عوام ہی وہ جذبہ پیدا کر سکتے ہیں جس سے ہمارے اقتصادی اور سیاسی ڈھانچے کا عدم توازن دور ہو سکے۔ اس وقت جب قوم ایک نئے دور کا آغاز کر رہی ہے اور موجودہ تاریخ ساز عہد میں اپنا مقام متعین کر رہی ہے تو پھر شہید ذوالفقار علی بھٹو کے یہ الفاظ واضح طور پر یاد آ رہے ہیں' انہوں نے فرمایا تھا' ہم جو عوام پر بھروسہ کرتے ہیں' ہمیں عوام کے پاس ہی جانا چاہیے۔

اگر یہ راستہ صحیح ہے تو پھر ہمیں کسی طور پر ایسی صورتِ حال کا حصہ نہیں بننا چاہیے جو عوام کے مفاد کے خلاف جاتی ہو۔ میں اس موقع پر اپنے عوام اور ان کے نڈر جذبے' اپنے شہیدوں اور ان سب کو خراجِ عقیدت پیش کرنا چاہتی ہوں' جنہوں نے اپنی آزادی' اپنی خوشیاں' اپنے روزگار اور اپنی خاندانی بہبود کی قربانی پیش کی' تاکہ ہم آزادی' جمہوری وقار سے' امیدوں بھری زندگی گذار سکیں۔ انسانی تاریخ میں شاید ہی کسی قوم نے جمہوریت کی بحالی کے لیے اتنی بڑی جدوجہد کی ہو' ہمارے عوام نے جمہوریت کی تلاش میں دکھ اٹھائے' لیکن وہ ثابت قدم رہے' انہوں نے دنیا کو ثابت کر دکھایا ہے کہ

Marfat.com

اگر کوئی قوم یہ عہد کرے کہ جو وہ چاہتی ہے وہ حاصل کر کے رہے گی تو بالآخر وہ کہیں ناکام نہیں ہوتی۔ ہم سب ایسے ہی پاکستان میں رہنا چاہتے ہیں۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے لیے یہ بڑا اعزاز ہے۔ اسے اعلیٰ ذمہ داری کی مسند سے عوام کی خدمت کا موقع ملا ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ ہمارے ملک کے جیالے عوام آگے آئیں گے اور ہمارے ہاتھ مضبوط کریں گے۔ یہ انتخابات ہمارے عوام اور ہماری قوم کی فتح ہے۔ آزادی' امید' وقار' مساوات اور انصاف کی فتح ہیں۔ یہ انتخابات غربت' دشمنی' انتقام' اور مار دھاڑ کے لیے موت کا پیغام لائے ہیں۔ میں زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتی' جنہوں نے جمہوریت کے اس عظیم عمل میں حصہ لیا ہے۔ ظاہر ہے اس سے ان لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو اس شک میں پڑے ہوئے تھے کہ ہمارے عوام نہ تو جمہوریت کے اہل ہیں اور نہ اس کا اظہار کر سکتے ہیں۔

ہمارا نصب العین ہے کہ اخوت' بھائی چارے' مساوات اور تحمل و برداشت کے اعلیٰ اسلامی اصولوں کی سربلندی کے لیے کوشش کرتے رہیں۔ قوم کو متحد کرنے کا انصاف اور برابری کی بنیاد پر اس میں قومی وقار کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے ہم انشاء اللہ معاشرے میں امن و آشتی کی فضا قائم کریں گے اور ہر شہری کی جان و مال اور عزت کی حفاظت کریں گے' خواہ وہ کسی سیاسی جماعت سے یا نظریے سے تعلق رکھتا ہو۔ خواہ اس کا کوئی سا مذہب' فرقہ یا نسل ہو' خواہ وہ مرد ہو یا عورت' ہم دعا گو ہیں کہ اللہ پاک ہمیں صحیح راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہم تمام شہریوں کو یکساں معاشرتی درجہ دینے اور انسانی حقوق کی ہر پہلو سے حفاظت کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ ملک میں 1973ء کا آئین اور پارلیمانی نظام بحال ہو سکے۔ محرومی کا احساس ختم کیا جا سکے اور ریاست کی بنیادوں کو مستحکم کیا جا سکے۔

عوام ہمارا بیش بہا سرمایہ ہیں' ہم قومی اور انسانی وسائل کو زیادہ سے زیادہ کام میں لا کر اپنی معیشت کو خود انحصاری کی منزل تک پہنچ جائیں گے۔ ہم اپنے ملک کے انسانی اور

Marfat.com

قدرتی وسائل کو کسی صورت میں ضائع نہیں ہونے دیں گے۔

ہم متوسط طبقے کی حوصلہ افزائی کر کے غربت کا خاتمہ کریں گے۔ ہم سرمایہ کاری اور ٹیکنالوجی کی منتقلی کے ذریعے عوام کی خوشحالی کا سامان کریں گے۔

ہمارا یقین ہے کہ صوبائی خودمختاری صرف اس وقت بارآور ثابت ہوسکتی ہے' جب سیاسی اور معاشرتی اختیارات عوام کو منتقل کیے جائیں۔ اس طرح عوام کا اعتماد بڑھے گا جو وفاق کے استحکام کا باعث ہوگا۔ مرکز اور صوبوں کے باہمی تعلقات کے سلسلے میں ہم نیا توانا انداز اختیار کریں گے' تاکہ محرومی سے پیدا ہونے والی کشمکش پر قابو پایا جاسکے۔ یہ احساسِ محرومی گذشتہ ساڑھے گیارہ سالوں میں شدید ہوچکا ہے جس سے غیرت کا جذبہ پیدا ہوا' ہم نہ صرف مرکز سے صوبائی حکومتوں کو اقتدار منتقل کرنے کے روایتی حل میں یقین رکھتے ہیں' بلکہ ہم ایسے انتقال اقتدار کے پابند ہیں جس میں ہر سطح پر عوام کو اختیارات میں شرکت کا احساس ہوسکے' بجائے اس کے کہ ایک صوبہ دوسرے صوبے سے یا مرکز سے برسرپیکار ہو' ہم کوشش کریں گے کہ مختلف نقطہ نظر کی باہمی آمیزش سے مسائل کا حل ڈھونڈا جائے۔ جمہوری نظام کی بنیاد فرد کی آزادی ہے۔ انشاءاللہ ہماری طویل جدوجہد کامیابی سے ہم کنار ہوگی۔ ہم پریس کی آزادی کے منافی تمام قاعدے اور قوانین منسوخ کردیں گے' تاکہ پاکستان میں پریس آزاد ہو۔ ہم نیشنل پریس ٹرسٹ کو توڑ دیں گے' ہم ٹی وی اور ریڈیو کو خودمختاری دیں گے تاکہ عوام کی خدمت کرسکیں' پاکستان پیپلز پارٹی اس امر کو یقینی بنائے گی کہ میڈیا کی ساکھ بحال ہو اور اسے عوام کا اعتماد حاصل ہو اور یہ آزادی ہے عوام کو صحیح معلومات اور صحتمندانہ تفریح مہیا کرے۔ پریس ایڈوائس طریقہ کار کو ختم کردیا جائے گا۔ ہم اس بات کا تہیہ کیے ہوئے ہیں کہ کارکن صحافیوں کو ملازمت کا تحفظ اور عزت واحترام حاصل ہو' اس مقصد کے حصول کے لیے ان کے حقوق کا تحفظ کیا جائے گا اور ان کے کام کاج کے حالات اور معاوضہ کے قوانین کو بہتر بنایا جائے گا۔

بحالی جمہوریت کی جدوجہد میں جن لوگوں کو نقصان اٹھانا پڑا ہے ہم انہیں باعزت

Marfat.com

طریقے سے بحال کریں گے' اور انہیں مناسب معاوضہ ادا کیا جائے گا' ہم جمہوریت کے شہیدوں کی یادگاریں قائم کریں گے اور ظلم و جبر کے خلاف تاریخی جنگ لڑنے والے جن شہیدوں نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا تا کہ قوم کا ضمیر زندہ رہے' ان شہدائے جمہوریت کی یاد کو امر کرنے کے لیے ابدی شمعیں روشن کی جائیں گی۔

اس وقت میں سیاسی قیدیوں کے بارے میں بھی کہنا چاہتی ہوں۔ جب کل شام صدر پاکستان نے پاکستان پیپلز پارٹی کی پارلیمنٹری لیڈر' آپ کی بہن کی نامزدگی کا اعلان کیا تھا' تو اس وقت سے ہمارے وکیل وزارتِ قانون کے ساتھ رابطہ قائم کیے ہوئے ہیں۔ میں خواہش رکھتی ہوں کہ جلد از جلد سیاسی قیدیوں کے بارے میں کچھ فیصلہ دے دیں گے' ہمیں ہر چیز کا لحاظ کرنا ہے۔ میری تو خواہش ہے کہ میں فوری طور پر جیل کے دروازوں کو کھولنے کے احکامات دے دوں' مگر ہمیں ایک ترمیم کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ وہ ایک رکاوٹ ہے۔ میں اپنے سیاسی قیدی بھائیوں کو کہنا چاہتی ہوں کہ آپ کے اور ہمارے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں آسکتی۔ آپ کی آزادی ملک کے لیے بہت ضروری ہے۔ آپ نے ملک کے لیے اپنی آزادی اور خوشیوں کے لیے قربانیاں دی ہیں اور ہم وہ طریقہ ڈھونڈیں گے جس کے مطابق آپ باعزت طریقے سے زنجیریں توڑ کر جیل کے دروازوں سے سربلند کرتے ہوئے باہر آجائیں گے۔ کل سے وزارتِ قانون عوام کی وزارتِ قانون ہوگی اور یہ وزارت قانون جلد از جلد چند دنوں کے اندر سیاسی قیدیوں کے بارے میں مثبت فیصلہ کرے گی۔

پاکستان پیپلز پارٹی کا یہ نقطہ نظر ہے کہ حکومت کا فرض ہے کہ جبر اور استحصال سے عوام کو تحفظ فراہم کرے۔ اب کوئی مزدوروں کا استحصال نہیں کر سکے گا۔ جبری مزدوری اور خرکاری کی اجازت نہیں ہوگی۔ ہم کم سے کم معاوضے کی موجودہ سطح پر نظرثانی کریں گے۔ ہم اس بات کے پابند ہیں کہ مزدوروں کے متعلق تمام قاعدے قانون آئی ایل او کے قوانین کے مطابق ہوں اقلیتیں ہماری مقدس امانت ہیں۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ تمام اقلیتوں کو تحفظ فراہم کیا جائے گا۔

Marfat.com

سیلاب کی وجہ سے نقد اجناس کی زرعی پیداوار بہت بری طرح متاثر ہوئی ہے۔ تیس لاکھ ٹن گندم کم پیدا ہوئی ہے۔ ہماری برآمدات پر بھی اثر پڑا ہے۔ غیر یقینی حالات اور قدرتی آفات سے نہ صرف زرعی شعبہ بلکہ صنعتی پیداوار بھی متاثر ہوئی ہے ہمیں ابھی تک معلوم نہیں کہ سابقہ حکومت نے بھاری بیرونی قرضے لیتے وقت کون سی شرائط قبول کی ہیں، مگر ہم ساتھ ساتھ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب بھی معیشت میں مشکلات پیدا ہوں، ہمارا یہ خیال ہے کہ ملک کے اندر اتنا پیسہ ہے کہ اگر اسے صحیح طریقے سے استعمال کیا آج بھی اور ہر وقت کے لیے ایک جسٹ کاز (منصفانہ مؤقف) سمجھتے ہیں۔

اس مہینے کے آخر میں ہمارے پڑوسی ملک ہندوستان کے وزیراعظم پاکستان آرہے ہیں۔ میں امید کرتی ہوں کہ ہماری منتخب حکومتیں دونوں ممالک کے درمیان کشیدگی کو کم کرسکیں گی، انصاف اور مساوات کی بنا پر اپنا رشتہ قائم کرسکیں گے۔

ہمیں پاکستان کی خواتین پر فخر ہے، انہوں نے بے جگری سے جنگ آزادی میں حصہ لیا۔ انہوں نے گولیوں کی پروا نہیں کی، وہ اپنے نونہالوں کو گود میں لیے جیل گئیں، لیکن انہوں نے حوصلہ نہیں ہارا۔ ہم ایسے تمام قوانین منسوخ کردیں گے، جن سے خواتین کی حق تلفی ہوتی ہے، انہیں کام کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ وہ آزادی سے اپنے لیے روزگار کا انتخاب کرسکیں گی۔ انہیں منصفانہ اور سازگار حالات کار مہیا کیے جائیں گے۔ مساوی کام کے لیے وہ مساوی معاوضے کی حق دار ہوں گی۔ علاوہ ازیں انہیں زچگی کی چھٹی تنخواہ کے ساتھ ملے گی، ہم موجودہ معاشرتی اور اقتصادی حقائق کے تقاضوں کے مطابق خواتین سے متعلق قوانین کی اصلاح کریں گے۔

یہ طویل جدوجہد پارٹی کارکنوں کے لیے عوام کے لیے اور ہماری قوم کے لیے آسان جدوجہد نہیں تھی۔ یہ جدوجہد جو جمہوریت کی بحالی کی جدوجہد تھی، عوام کی طاقت سے اپنی منزل تک پہنچی ہے۔ پارلیمنٹ کے دروازے جو بند کیے گئے تھے آئین جس کو ایک کتاب سمجھ کر پھاڑا گیا تھا۔ ان سب باتوں نے ملک کو مشکلات میں مبتلا کردیا تھا، ہم امید رکھتے ہیں کہ اب وہ وقت ختم ہوچکا ہے زندگی بہت جلدی بدل بھی سکتی ہے، مگر

Marfat.com

جب زندگی کو بدلنے کے لیے جدوجہد کی جاتی ہے تو کبھی کبھی یوں محسوس ہوتا ہے' جیسے جدوجہد بہت وقت لے رہی ہے۔ اس وقت ہمیں صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم ان گیارہ سالوں میں اپنا حوصلہ بلند رکھنے پر کہتے تھے کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ سچائی کے لیے ہم میں سے ہر ایک کو جدوجہد کرنی چاہیے۔

اگر کل پاکستان پیپلز پارٹی یا مجھ سے کوئی غلطی ہو تو میں اپنے بھائیوں اور بہنوں سے یہ توقع رکھتی ہوں کہ وہ آگے آ کر مجھے بتائیں گے' اس لیے کہ نکتہ چینی کے بغیر بحث کے بغیر' برداشت کے بغیر' صحیح پالیسیاں تشکیل نہیں دی جا سکتیں۔ جب آپ نے ہمیں یہ اعزاز عطا فرمایا اور میں حلف اٹھانے کے لیے پارلیمنٹ کے اندر گئی تھی تو اس موقع پر جو لوگ جمع ہوئے تھے انہوں نے یہ نعرہ بلند کیا' زندہ ہے بھٹو زندہ ہے' جو بندہ اپنی قوم کی خدمت کرتا ہے' اس کو لوگ کبھی بھولتے نہیں۔ یہ پیسہ کیا چیز ہے' یہ رشوت کیا چیز ہے' ہمیں فخر ہے کہ ہم ایک مسلمان ملک میں رہتے ہیں' ہمیں اپنے دین سے طاقت لینی چاہیے اور ہمیں ہمارے بھائیوں اور بہنوں کی خدمت کرنا چاہیے' اگر ہم یہ نہ سوچیں کہ حکومت ہمیں کیا دے سکتی ہے بلکہ ہم یہ سمجھیں کہ ہم اپنے آپ کو کیا دے سکتے ہیں' اگر ہم متحد ہو جائیں تو اس سے بہت بہتر صورتحال پیدا ہو سکتی ہے۔ پاکستان پیپلز پارٹی ایک اعلیٰ تربیت یافتہ ساز و سامان سے لیس اور جذبے سے سرشار دفاعی فوج کو بہت زیادہ اہمیت دیتی ہے' ملک کی علاقائی سالمیت اور اس کا دفاع ہماری نظر میں ایک مقدس امانت ہے۔

ہمارا عہد ہے کہ ہر شہری کو جدید طبی سہولتیں مہیا کی جائیں گی۔ اس مقصد کے لیے ہم قومی صحت کا ایک جامع منصوبہ تشکیل دیں گے۔ اس شعبہ میں ہمارے منشور میں جو وعدے کیے گئے ہیں' انہیں پورا کرنے کے لیے ہم بہت جلد اپنی پالیسیوں کا اعلان کریں گے۔

تعلیم ایک روشن خیال معاشرے کی بنیاد ہے۔ ملک میں ناخواندگی کی شرح بہت زیادہ ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں اپنے نوجوانوں کے لیے روزگار حاصل ہو تاکہ ان کا علم

Marfat.com

بیروزگاری میں ضائع ہونے کی بجائے ملک وقوم کے لیے مفید ثابت ہو ہماری کوشش ہوگی کہ اعلیٰ تعلیم کا معیار بین الاقوامی سطح تک لایا جائے۔ جتنی جلدی ممکن ہو ہم قومی تعلیمی فنڈ قائم کریں گے' کچھ سالوں کے لیے سٹوڈنٹس یونینوں پر پابندی لگائی گئی تھی' آج ہم یونیورسٹیوں یا کالجوں کو دیکھیں تو کتابوں کے ساتھ طلبا کے پاس بندوقیں بھی ہوتی ہیں یہ ایک آمریت کا اثر ہوا ہے جب قانون کا احترام نہیں کیا گیا تو پھر پورے ملک کے اندر لوگوں نے قانون کا احترام نہیں کیا۔ جب حکومت بندوق کے زور پر چلائی گئی تو ہمارے نوجوانوں میں بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ اصل قوت بندوق سے آئی ہے' قانون سے نہیں۔ لہٰذا ہم نے دیکھا ہے کہ ہماری یونیورسٹیوں اور کالجوں میں ہمارے نوجوان پڑھتے ہیں' وہاں ہر وقت وہ صحیح فضا قائم نہیں رہتی' جس سے تعلیم کے دروازے وا رہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سٹوڈنٹس یونینوں پر پابندی لگا دی گئی تھی۔ جب طلباء کی یونینوں پر پابندی لگتی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ سوچ پر پابندی لگتی ہے' برداشت پر پابندی لگتی ہے ڈیبیٹ (Debate) اور (Discussion) پر پابندی لگتی ہے' مگر جب سٹوڈنٹس یونینوں پر پابندی لگتی ہے اور طلبہ سیاسی طور پر اپنے مسئلہ کا آغاز کر سکیں اور اپنے مسئلوں کے لیے سیاسی آواز بلند کر سکیں تو اس وقت آہستہ آہستہ بندوقوں پر توجہ کم ہو جاتی ہے۔ اس لیے پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت فوری طور پر سٹوڈنٹس یونینوں کو بحال کرتی ہے اور ساتھ ساتھ جہاں مزدور یونینوں پر پابندی لگائی گئی ہے وہ بھی پابندی ہٹائی جاتی ہے اور مزدور یونین بھی بحال ہو جاتی ہے۔

جہاں سرکاری ملازموں اور مزدوروں کی سیاسی بنا پر ان سے انتقام لینے کے لیے چھانٹی کی گئی ہے' تو ان سب کیسوں پر حکومت نظر ثانی کرے گی اور انشاء اللہ وہاں بھی سب کو انصاف ملے گا۔ ایک کامیاب خارجہ پالیسی پر عمل پیرا ہونے کے لیے ضروری ہے کہ قوم کے سامنے کوئی واضح نصب العین ہو' اور پوری قوم متفقہ طور پر اس کے حق میں ہو' ہم انصاف اور حقوق کی یکساں پاسداری کی بنیاد پر علاقائی امن کے خواہاں

Marfat.com

ہیں۔ ہم امریکہ سے اپنے تعلقات کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں۔ ہم سوویت یونین سے بہتر تعلقات کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں۔ ہم چین سے اپنی روایتی دوستی کو مزید آگے بڑھائیں گے، ہم اپنے اسلامی ورثے کا احساس کرتے ہیں اور ہم تیسری دنیا کے مفادات اور حقوق کی حمایت کریں گے۔ ہم اپنے فلسطینی بھائیوں کے مقصد کو جسے ہم بھی اپنا مقصد سمجھتے رہے ہیں اب بھی ہم ان کے ساتھ ہیں۔ جب ہم اپنے مقصد آگے رکھیں، عوام کو آگے رکھیں، تو کوئی طاقت ہمیں روک نہیں سکتی، میں آپ کی بہن ہوں، میں آپ کے ساتھ ہوں۔ ہر وقت آپ کے ساتھ رہوں گی، یہ اقتدار کوئی بڑی چیز نہیں۔ سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ عوام کی آنکھوں میں عزت ہو، پیپلز پارٹی اور میں یہ کوشش کریں گے کہ ہم آپ کی خدمت کر سکیں، اور یہ کہ آپ کی آنکھوں میں ہمارے لیے ہر وقت عزت رہے، آخر میں صدر غلام اسحاق خان اور اپنی مسلح افواج کے سربراہوں کو بھی سلام پیش کرنا چاہتی ہوں کہ 17 اگست کے واقعہ کے بعد انہوں نے جمہوریت کی بحالی کے لیے اپنی پوری قوت استعمال کی اور جب جمہوریت کے دشمنوں نے یہ کوشش کی کہ انتخابات ملتوی ہو جائیں تو انہوں نے تمام دباؤ کے باوجود ملک کو جمہوریت کی منزل تک پہنچایا۔ اب یہ ہم سب کا کام ہے کہ جو پاکستان میں رہتے ہیں، جو اس ملک سے محبت کرتے ہیں کہ ہم اکٹھے کام کریں اور یہ کوشش کریں کہ ہمارے ملک میں ہر ایک کو عزت نفس کی زندگی کا موقع ملے۔ شکریہ

''پاکستان زندہ باد''

Marfat.com

Marfat.com

بے نظیر بھٹو شہید
کے چند یادگار مضامین

Marfat.com

بھٹو کی شہادت کی کہانی بے نظیر کی زبانی

میں 2 اپریل کی صبح فوج کی طرف سے فراہم کردہ چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی جب میری والدہ اچانک کمرے میں داخل ہوئیں۔ انہوں نے میرے گھریلو نام سے پکارا ''پنکی'' یہ ایسا لمحہ تھا کہ میرا تمام جسم اکڑ گیا۔ ''باہر فوجی افسران کا کہنا ہے کہ ہم دونوں آج تمہارے والد سے ملاقات کرلیں۔ اس کا کیا مطلب ہے؟''

مجھے مکمل فہم تھا کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ اسی طرح میری والدہ بھی جانتی تھیں۔ لیکن ہم دونوں اس بات کا اعتراف کرنے کے لیے تیار نہیں۔ یہ دن عمومی طور پر میری والدہ کے ملاقات کا دن تھا انہیں ہفتے میں ایک بار ملنے کی اجازت تھی۔ میری ملاقات ہفتے کے آخر میں متعین تھی۔ اب وہ ہم دونوں کو اکٹھے ملاقات کے لیے جانے کو کہہ رہے تھے اس کا مطلب تھا کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہوگی۔ ضیاء نے میرے والد کے قتل کا فیصلہ کرلیا تھا۔ میرا ذہن تیزی سے حرکت میں آ گیا۔ میں نے سوچا ہمیں ملک سے باہر عالمی رائے عامہ اور اپنے عوام تک یہ خبر فوراً پہنچانا چاہیے۔ وقت ہاتھوں سے نکلتا جا رہا تھا کہ میں نے والدہ کو کہا کہ انہیں بتا دیں ''کہ میری طبیعت خراب ہے' والدہ گارڈز کے ساتھ بات کرنے کے لیے گئیں۔ میں نے جلدی سے پہلے سے تحریر شدہ پیغام لفافے سے نکالا اور نیا تحریر کردیا۔ میں نے جلدی جلدی اپنی دوست کے لیے ایک نیا پیغام رقم کیا ''میرا خیال ہے کہ وہ ہمیں آخری ملاقات کے لیے لے جا رہے ہیں۔ تم فوراً غیر ملکی سفیروں تک یہ پیغام پہنچاؤ۔ اس کے ساتھ ساتھ عوام کو متحرک کرو کہ وہی ہماری آخری امید ہیں۔''

''فوراً یہ لفافہ یاسمین تک لے جاؤ'' میں نے اپنے وفادار ملازم ابراہیم کو بتایا یہ

Marfat.com

جانتے ہوئے کہ میں ایک خطرہ مول لے رہی ہوں۔ اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ کسی ایسے پہرہ دار کی ڈیوٹی کا انتظار کرتا جو طبعاً سست ہو یا ہمارا ہمدرد ہو۔ اس کی تلاش کا امکان تھا اور اس کا تعاقب بھی کیا جاسکتا ہے۔ وہ پوری طرح احتیاطی تدابیر شاید اختیار نہ کر سکے۔ خطرہ تو تھا مگر اس کے بغیر چارہ بھی نہیں تھا۔ ''ابراہیم جاؤ'' میں نے زور دے کر کہا۔ ''پہرہ داروں کو بتاؤ تم میرے لیے دوائی لینے جا رہے ہو۔'' وہ فوراً بھاگ کھڑا ہوا' میں نے کھڑکی میں سے باہر جھانک اور دیکھا کہ مارشل لاء کے اہلکار آپس میں صلاح مشورہ کر رہے تھے۔ وائرلیس سیٹ پر انہوں نے پیغام ارسال کیا ''میری طبیعت ناساز ہے اور میں نہیں جاسکتی'' اب انہیں حکام کے احکامات کا انتظار تھا۔ اس افراتفری میں ابراہیم گیٹ تک پہنچ چکا تھا۔ ''مجھے بے نظیر صاحبہ کے لیے دوائی لانی ہے'' پہرے دار جو میری ناساز طبع کے متعلق سن چکے تھے انہوں نے ابراہیم کو نہیں روکا اور وہ معجزانہ طور پر باہر نکل گیا۔ چند منٹ بعد میری والدہ میرے کمرے کے اندر آگئیں۔ میرے ہاتھ مسلسل کپکپا رہے تھے مجھے یقین نہیں تھا کہ میرا پیغام یاسمین تک پہنچ جائے گا۔

دریچے سے باہر وائرلیس سیٹ کھڑکھڑا اٹھے' حکام نے میری والدہ کو بتایا کہ چونکہ ان کی بیٹی کی طبیعت ناساز ہے اس لیے دونوں کی ملاقات اگلے روز ہوگی۔ ہمیں اب اپنے والد کی جان بچانے کے لیے مزید 24 گھنٹے مل گئے تھے۔ ابراہیم کے باہر جانے کے بعد صحن کے بڑے دروازے فوراً بند کر دیئے گئے اور ہمیں کسی بری خبر کا منتظر ہونا پڑا۔

لڑنا ہے ہمیں بہر صورت والد کی زندگی بچانے کی جنگ لڑنا ہے مگر کیسے؟ ان کی زندگی کے لمحات دھیرے دھیرے کم ہو رہے تھے۔ اس کا بھی ہمیں احساس تھا' کیا ہمارا پیغام مل چکا ہوگا؟ کیا لوگ بندوقوں اور سنگینوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے؟ جن کا اب تک وہ مقابلہ بے جگری سے کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ان کی رہنمائی کون کرے گا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے لیڈروں کی اکثریت جیلوں میں قید تھی اسی طرح

Marfat.com

عوام الناس میں ہمارے ہمدرد بھی جیلوں میں بند تھے اور ان میں پہلی دفعہ کثیر تعداد عورتوں کی بھی شامل تھی۔ لاتعداد لوگ آنسو گیس کا شکار ہوئے انہوں نے کوڑے کھائے صرف اس بات پر کہ انہوں نے میرے والد کا نام بلند آواز سے پکارا تھا۔ ان کے نیم برہنہ جسموں پر کوڑوں کے نشان اب تک ثبت ہیں۔ کیا لوگ ہماری آخری آواز پر لبیک کہیں گے؟ کیا یہ آواز ان تک پہنچ بھی سکے گی؟

سوا آٹھ بجے شب میں نے اور میری والدہ نے بی بی سی کی ایشیاء رپورٹ سننے کے لیے ریڈیو آن کیا۔ میرے جسم کا ریشہ ریشہ اکڑ چکا تھا۔ میں متوقع خبر سننے کے لیے متوجہ ہوئی جب بی بی سی نے رپورٹ دی کہ میں نے حراست سے ایک پیغام ارسال کیا ہے کہ کل مورخہ 3 اپریل کو والد کے ساتھ ہماری آخری ملاقات ہوگی پیغام تو نشر ہوا لیکن عوام الناس کو احتجاج میں اٹھنے کی جو کال ہم نے دی تھی وہ بی بی سی کے اعلان نامہ میں مفقود تھی۔ اس کے برعکس بی بی سی نے رپورٹ کیا کہ اس خبر کی کوئی تصدیق جیل سپرنٹنڈنٹ سے نہیں ہوئی بلکہ میرے والد ہی کے ایک سابق وزیر کا حوالہ دیا گیا جس میں کہا گیا ''وہ بلاوجہ تشویش میں مبتلا ہوگئی ہے'' میری والدہ اور مجھ میں ایک دوسرے کو دیکھنے کی بھی سکت نہ رہی۔ ہماری آخری امید گل ہوگئی۔ اگلے روز ایک تیز رفتار جیپ میں ہمیں جیل پہنچا دیا گیا' حفاظتی افواج کے پیچھے خوف زدہ لوگوں کا ہجوم تھا جنہیں اپنے وزیر اعظم کی قسمت کے متعلق کوئی خبر نہیں' جیل کی میٹرن نے میری والدہ اور میری تلاشی لی' ایک مرتبہ جب ہم سہالہ جیل سے روانہ ہوئیں اور دوسری مرتبہ جب ہم راولپنڈی سنٹرل جیل پہنچیں۔

''آج تم دونوں اکٹھی یہاں کیوں آئی ہو؟'' میرے والد نے اپنی کال کوٹھڑی کی دوزخ سے آواز دی۔

میری والدہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

''کیا یہ آخری ملاقات ہے؟'' انہوں نے پوچھا۔

میری والدہ جواب دینے کا یارا نہیں رکھتیں۔

Marfat.com

''میرا خیال ہے ایسا ہی ہے'' میں نے جواب دیا۔

وہ جیل سپرنٹنڈنٹ کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو پاس ہی کھڑا ہے (یہ لوگ ہمیں پاپا کے ساتھ تنہا چھوڑنے پر کبھی تیار نہیں ہوئے)

''کیا یہ آخری ملاقات ہے؟'' میرے والد اس سے پوچھتے ہیں۔

''ہاں'' جواب میں جیلر کہتا ہے جیل سپرنٹنڈنٹ حکومت کا یہ پیغام دیتے ہوئے شرمسار محسوس ہوتا ہے۔

''کیا تاریخ کا تعین ہوگیا ہے؟''

''کل صبح'' جیل سپرنٹنڈنٹ کا جواب ہے۔

''کتنے بجے؟''

''جیل قواعد کے مطابق صبح پانچ بجے۔''

''یہ اطلاع تمہیں کب ملی؟''

''کل رات'' اس نے رکتے رکتے جواب دیا۔

میرے والد اسے نظر بھر کر دیکھتے ہیں۔

''اپنے اہل وعیال سے ملاقات کا کتنا وقت دیا گیا ہے؟''

''نصف گھنٹہ''

''جیل قواعد کے مطابق ہمیں ایک گھنٹہ ملاقات کا حق ہے'' وہ کہتے ہیں۔

''صرف نصف گھنٹہ'' سپرنٹنڈنٹ دہراتا ہے۔ ''یہ میرے احکامات ہیں۔''

''غسل اور شیو کرنے کے لیے انتظامات کرو۔''

میرے والد اسے کہتے ہیں۔ ''دنیا خوبصورت ہے اسے میں اسی حالت میں الوداع کہنا چاہتا ہوں۔''

''صرف نصف گھنٹہ'' اس شخص سے ملاقات کے لیے..... صرف نصف گھنٹہ جو مجھے زندگی کی ہر شے سے زیادہ عزیز ہے' سینے میں درد سے گھٹن محسوس ہوتی ہے' مجھے رونا نہیں چاہیے' مجھے اپنے ہوش بھی نہیں کھونے چاہئیں کیونکہ اس طرح میرے والد

Marfat.com

کی اذیت بڑھ جائے گی۔

وہ فرش پر پڑے گدے پر بیٹھے ہوئے ہیں' ان کی کوٹھڑی میں اب صرف یہی فرنیچر باقی رہ گیا ہے۔ جیل حکام کرسی اور میز لے جا چکے ہیں' چارپائی بھی وہاں سے اٹھائی جا چکی ہے' میگزین اور کتابیں جو میں پاپا کے لیے لائی تھی' وہ میرے حوالے کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ''انہیں لے جاؤ میں نہیں چاہتا یہ لوگ میری کسی چیز کو ہاتھ لگائیں۔''

وہ چند سگار جو ان کے وکلاء وہاں چھوڑ گئے تھے' میرے حوالے کرتے ہیں.... میں آج شب کے لیے صرف ایک رکھ لیتا ہوں۔ شالیمار کولون کی شیشی بھی رکھ لیتے ہیں۔ وہ اپنی انگوٹھی بھی مجھے دینا چاہتے ہیں لیکن میری والدہ انہیں کہتی ہیں ''اسے پہنے رکھیں'' وہ کہتے ہیں ''اچھا ابھی میں رکھ لیتا ہوں لیکن بعد میں بے نظیر کے حوالے کردی جائے۔''

''میں نے ایک پیغام باہر کی دنیا تک پہنچا دیا ہے'' میں نے بہت آہستہ سے انہیں بتایا (جیل کے حکام میری آواز سننے کی کوشش کرتے ہیں)
میں تفصیلات بتاتی ہوں وہ اطمینان محسوس کرتے ہیں ''یہ سیاست کے اسرار و رموز میں ماہر ہو چکی ہے'' ان کے چہرے کے تاثرات سے ظاہر ہوتا ہے موت کی کوٹھڑی میں روشنی مدھم سی ہے میں انہیں صاف طور پر نہیں دیکھ سکتی۔ اس سے قبل ہر ملاقات کوٹھڑی میں ان کے پاس بیٹھ کر ہوتی رہی لیکن آج ایسا نہیں ہے۔ کوٹھڑی کے باہر دروازے کی سلاخوں کے ساتھ میں اور میری والدہ سکڑ کر بیٹھی ہوئی ہیں۔ باتیں کھسر پھسر کے انداز میں کرتے ہیں۔ ''دوسرے بچوں کو میرا پیار دینا'' وہ میری ممی سے کہتے ہیں۔ ''میر' سنی اور شاہ کو بتانا میں نے ہمیشہ ایک اچھا باپ بننے کی کوشش کی اور میری خواہش ہے کہ کاش انہیں بھی الوداع کہہ سکتا'' میری والدہ سر ہلاتی ہیں منہ سے کچھ نہیں بول سکتیں۔

''تم دونوں نے بہت تکالیف اٹھائی ہیں'' وہ کہتے ہیں ''وہ آج مجھے قتل کرنے

Marfat.com

جا رہے ہیں۔ میں تمہیں تمہاری مرضی پر چھوڑتا ہوں اگر چاہو تو پاکستان سے اس وقت تک باہر چلے جاؤ جب تک آئین معطل ہے۔ اور مارشل لاء نافذ ہے اگر تمہیں ذہنی سکون چاہیے اور زندگی نئے سرے سے گزارنا چاہتی ہو تو یورپ چلی جاؤ میری طرف سے اجازت ہے۔"

(ہمارے دل ٹوٹ رہے ہیں) "نہیں، نہیں" می کہتی ہیں۔ "ہم نہیں جاسکتے" ہم کبھی نہیں چاہیں گے جرنیلوں کو کبھی یہ تاثر نہیں دیں گے کہ وہ جیت چکے ہیں۔ ضیاء نے انتخابات کا دوبارہ پروگرام بنایا ہے اگرچہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ ایسا کرنے کی جرأت بھی کرے گا یا نہیں.... ہم باہر چلی گئیں تو پارٹی کی رہنمائی کے لیے کوئی نہیں ہوگا اور یہ وہ پارٹی ہے جس کی آپ نے بنیاد رکھی اور پروان چڑھایا۔

"اور تم پنکی!" میرے والد پوچھتے ہیں۔

"میں بھی کبھی نہیں جاسکتی" میرا جواب ہے۔

وہ مسکراتے ہیں۔ "میں بہت خوش ہوں.... تم نہیں جانتی مجھے تم سے کتنا پیار ہے۔"

"تم میری لعل ہو اور ہمیشہ ہی رہی ہو۔"

"وقت ختم ہو چکا" سپرنٹنڈنٹ پکارتا ہے۔ "وقت ختم ہو چکا"۔

میں سلاخوں کو پکڑ لیتی ہوں۔

برائے مہربانی کوٹھڑی کا دروازہ کھول دو میں اسے کہتی ہوں میں اپنے پاپا کو الوداع کہنا چاہتی ہوں۔"

سپرنٹنڈنٹ انکار کر دیتا ہے۔

میں دوبارہ التجا کرتی ہوں "میرے والد پاکستان کے منتخب وزیراعظم ہیں۔ میں ان کی بیٹی ہوں یہ ہماری آخری ملاقات ہے مجھے ان سے مل لینے دو۔"

سپرنٹنڈنٹ انکار کر دیتا ہے۔

سلاخوں کے درمیان سے میں اپنے والد کے جسم کو چھونے کی کوشش کرتی

Marfat.com

ہوں۔ وہ اس قدر نحیف و ناتواں ہو چکے ہیں ملیریا' پیچش اور ناکافی خوراک کھانے کی وجہ سے جسم بالکل نحیف اور باریک ہو چکا ہے۔ لیکن وہ سیدھا اٹھ بیٹھے ہیں اور میرے ہاتھ کو چھو لیتے ہیں۔

''آج شب علائم دنیا سے آزاد ہو جاؤں گا'' چہرے پر ایک چمکتی روشنی لیے کہتے ہیں۔

''میں اپنی والدہ اور اپنے والد کے پاس چلا جاؤں گا۔'' میں لاڑکانہ میں اپنے اجداد کی زمینوں کی طرف واپس جا رہا ہوں تاکہ اس سرزمین کا اس کی خوشبو اور اس کی فضا کا حصہ بن جاؤں۔''

''خلق خدا میرے بارے میں گیت گائے گی میں اس کی کہانیوں کا جاوداں حصہ بن جاؤں گا۔''

وہ مسکراتے ہوئے کہتے ہیں ''لیکن لاڑکانہ میں آج کل بہت گرمی ہے۔''

''میں وہاں ایک سائبان تعمیر کر دوں گی'' میں بمشکل کہہ سکی۔ جیل حکام آگے بڑھتے ہیں۔

''الوداع پاپا!'' میں والد کی طرف دیکھ کر پکار اٹھتی ہوں اور میری ممی سلاخوں میں سے ان کی چھو لیتی ہیں۔ ہم گرد آلود صحن میں سے گزرتے ہیں۔ میں مڑ کے پیچھے دیکھنا چاہتی ہوں لیکن حوصلہ نہیں پڑتا۔ مجھے معلوم ہے میں ضبط نہیں کر سکوں گی۔

''ہم جب پھر ملیں گے اس وقت تک خدا حافظ' مجھے ان کی آواز سنائی دیتی ہے۔

تاہم میں چل پڑتی ہوں۔ مجھے چلنے کا مطلق احساس نہیں ہو رہا۔ میں پتھر بن چکی ہوں جیل حکام ہمیں جیل وارڈ کے اندر واپس لے جاتے ہیں۔ صحن میں فوجیوں کے متعدد ٹنیٹ ایستادہ ہیں میں مدہوشی کے عالم میں چلی جا رہی ہوں صرف اپنے سر کی موجودگی کا احساس ہے۔ سر بلند رہنا چاہیے وہ لوگ ہماری طرف متوجہ ہیں۔

مقفل دروازوں کے اندر کار ہماری منتظر ہے تاکہ باہر ہجوم ہمیں دیکھ نہ سکے۔ میرا جسم اس قدر بوجھل ہو گیا ہے کہ کار کے اندر داخل ہونا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔

Marfat.com

کار دروازوں کے بیچ میں سے تیزی سے حرکت کرتی ہے۔ اسے دیکھتے ہی ہجوم کے ایک سرے پر کھڑی اپنی دوست یاسمین پر اچانک میری نظر پڑتی ہے جس کے ہاتھ میں والد کو دینے کے لیے خوراک کا ٹفن کیریئر ہے۔ ''یاسمین! وہ آج رات انہیں مار دیں گے'' میں کار کے شیشوں میں سے چلائی۔ ''کیا اس نے میری آواز سنی؟'' کیا میں نے کوئی آواز نکالی بھی یا نہیں.... کیا کہہ سکتی ہوں؟''

صبح کے پانچ بج گئے پھر چھ بجے.... ہر سانس جو میں لیتی مجھے اپنے والد کے آخری سانسوں کی یاد دلاتا۔ ''اے خدا! کوئی معجزہ ہی رونما ہو جائے'' میری ماں اور میں نے دعا مانگی۔ ''کچھ نہ کچھ ہو جانا چاہیے'' میری چن چن جسے میں اپنے ساتھ قید خانے میں لے آئی تھی، وہ بھی تناؤ کو محسوس کر رہی تھی۔ اس نے اپنے بلونگڑوں کو کہیں چھپا دیا تھا وہ کہیں نظر نہیں آ رہے تھے۔

ہم ناقابل یقین امید کے ساتھ چپکے ہوئے تھیں۔ سپریم کورٹ نے متفقہ طور پر سفارش کی تھی کہ میرے والد کی سزائے موت کو عمر قید میں بدل دیا جائے مزید براں پھانسی دیئے جانے کی صورت میں پاکستانی قانون کے مطابق ایک ہفتہ قبل دن اور تاریخ کا تعین اعلانیہ کر دیا جائے۔ لیکن ایسا کوئی اعلان سرے سے کیا ہی نہیں گیا۔

پی پی پی کے رہنماؤں نے بھی ہمیں یہ پیغام ارسال کیا کہ ضیاء نے سعودی عرب، متحدہ امارات اور دوسرے ملکوں کو یہ یقین دلایا تھا کہ وہ میرے والد کی سزائے موت کو تبدیل کر دے گا۔ مستقل خدشات کی بدولت، جب بھی پھانسی کی حتمی تاریخ کا حکومت کی طرف سے اعلان کیا گیا۔ سعودی عرب کے وزیر خارجہ اور لیبیا کے وزیراعظم نے فوراً بذریعہ طیارہ پاکستان پہنچنے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔ ''کیا انہوں نے بی بی سی پر میرا پیغام سن لیا تھا؟ کیا ابھی بھی ان کے پاس پاکستان پہنچنے کا وقت تھا؟''

چینیوں کا ایک وفد اسلام آباد میں تھا، میرے والد ہی نے پاکستان چین دوستی کا آغاز کیا تھا کیا وہ ضیاء کو اپنے فیصلے سے منحرف کرا سکیں گے؟

میری والدہ اور میں سہالہ کی شدید گرمی میں بے حس و حرکت اور خاموش بیٹھی

Marfat.com

تھیں، ضیاء نے یہ بات بھی پھیلائی تھی کہ وہ رحم کی اپیل اس وقت ہی سنے گا اگر یہ میرے والد یا ہماری طرف سے کی گئی۔ میرے والد نے ایسا کرنے کو سختی سے منع کر دیا تھا۔

موت کی جانب گنتی کے یہ لمحات کیسے گزرتے ہیں؟ میری والدہ اور میں گم سم بیٹھی تھیں۔ بعض اوقات ہم چلاتی بھی تھیں۔ جب ہم میں بیٹھنے کی سکت باقی نہ رہی تو ہم بستر کے تکیوں پر گر گئیں۔ وہ ان کی زندگی ختم کر دیں گے' میں متواتر سوچتی رہی۔ وہ ان کی زندگی ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان کے اپنے احساسات اس بھرپور تنہائی میں کیسے ہوں گے۔ جب کہ ان کے پاس اس وقت کوئی بھی نہیں؟ انہوں نے اپنے پاس کوئی کتاب بھی نہیں رکھی۔ انہوں نے اپنے پاس کچھ بھی نہیں رکھا' صرف ایک سگاران کے پاس تھا۔ میرا گلا گھٹن سے جڑ گیا اور میں اسے پھاڑ کر کھول دینا چاہتی تھی لیکن میں ان پہرہ داروں کو جو ہماری کھڑکی کے باہر ہر وقت ہنستے اور باتیں کرتے رہتے تھے اپنی چیخوں سے استہزاء کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتی تھی۔ ممی! میں برداشت نہیں کرسکتی بالکل نہیں کرسکتی۔ ''سونے کی کوشش کرو'' انہوں نے کہا۔

آٹھ گھنٹے کے بعد میں اپنے بستر میں اچانک اٹھ بیٹھی..... والدہ کے گلے کا پھندا میں نے اپنے گلے کے اردگرد محسوس کیا۔

آسمانوں سے اس شب برف کے آنسو برسے۔ لاڑکانہ میں ہماری خاندانی زمینوں پر اولے پڑے۔ گڑھی خدابخش میں ہمارے آبائی قبرستان میں فوجی دستوں کی ہلچل سے لوگ جاگ اٹھے۔ جب میری والدہ اور میں اپنے قید خانے میں رات کے وقت کرب کی گھڑیاں گزار رہی تھیں' میرے والد کی میت گڑھی خدا بخش میں دفنانے کے لیے بذریعہ طیارہ لے جائی جا رہی تھی۔

Marfat.com

ذوالفقار علی بھٹو کا ایک خفیہ اہم پیغام بینظیر بھٹو شہید کے نام

(21 جون 1978ء ڈسٹرک جیل راولپنڈی سے بھیجا گیا اہم خط)

ایک سزا یافتہ قیدی کس طرح اپنی خوبصورت اور ذہین بیٹی کو اس کے یوم پیدائش پر تہنیت کا خط لکھ سکتا ہے جبکہ اس کی بیٹی (جو خود بھی مقید ہے اور جانتی ہے کہ اس کی والدہ بھی اس کی طرح تکلیف میں مبتلا ہے) اس کی جان بچانے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے یہ رابطہ سے زیادہ بڑا معاملہ ہے۔ محبت و ہمدردی کا پیغام کس طرح ایک جیل سے دوسری جیل اور ایک زنجیر سے دوسری زنجیر تک پہنچ سکتا ہے۔

نہرو بھی اپنی بیٹی سے بہت محبت کرتے تھے نہرو نے بھی جیل سے اسے اس کی یوم پیدائش پر تہنیت کا خط بھیجا تھا۔ جکارتہ سے 14 سال پہلے میں نے جو خط لکھا تھا اس میں میں نے تمہیں متنبہ کر دیا تھا کہ میں نہرو کی نقالی نہیں کر رہا ہوں۔ میں نے ان کی نقالی اس وقت بھی نہیں کی تھی اور نہ ہی اب میں ان کی پیروی کر رہا ہوں۔ بے شک اس وقت میں بھی جیل میں ہوں اور وہ بھی اس وقت جیل ہی میں تھے جب انہوں نے اپنی بیٹی کو خطوط لکھے تھے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی تذبذب نہیں ہے کہ میری بیٹی جواہر لال نہرو کی بیٹی کے مقابلہ میں جن کو بھارت کی دیوی کہا جاتا ہے کہیں بہتر ہے میں کوئی جذباتی یا ذاتی قسم کا اندازہ نہیں لگا رہا ہوں۔ یہ میری دیانتدارانہ رائے ہے۔ تم میں اور اندرا گاندھی میں ایک قدر مشترک ہے کہ تم دونوں یکساں طور پر بہادر ہو۔ تم دونوں پختہ فولاد کی بنی ہوئی ہو یعنی تم دونوں کی قوت ارادی فولادی نوعیت کی ہے لیکن تمہاری صلاحیت و ذہانت تمہیں کہاں لے جائے گی؟ عام طور پر یہ صلاحیت و ذہانت تمہیں اعلیٰ ترین مقام تک پہنچائے گی۔ لیکن ہم ایک ایسے معاشرے میں زندگی بسر کر رہے ہیں جہاں ذہانت و صلاحیت ایک نقص شمار ہوتی ہے اور دم گھوٹنے والی معمولی قسم کی ذہانت ایک اثاثہ شمار کی جاتی ہے۔ سوائے تمہارے والد کے قائداعظم اور شاید سہروردی کے اس ملک پر حکومت شعبدہ بازوں اور کپتانوں

Marfat.com

نے کی ہے۔ شاید اس صورتحال میں تبدیلی پیدا ہو جائے' اگر کوئی جنگجو قسم کا نوجوان جدوجہد کا آغاز کرے۔ اگر حالات تبدیل نہیں ہوتے تو پھر تبدیل کرنے کے لئے کچھ نہیں بچے گا۔ یا تو اقتدار عوام کو حاصل ہو گا یا پھر ہر شے تباہ و برباد ہو جائے گی۔

تمہارے دادا نے مجھے فخر کی سیاست سکھائی۔ تمہاری دادی نے مجھے غربت کی سیاست کا سبق دیا۔ میں ان دونوں باتوں کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہوں تاکہ ان دونوں کا انضمام ہو سکے۔ پیاری بیٹی میں تمہیں صرف ایک پیغام دیتا ہوں۔ یہ پیغام آنے والے دن کا پیغام ہے اور تاریخ کا پیغام ہے۔ صرف عوام پر یقین کرو۔ ان کی نجات و مساوات کے لئے کام کرو۔ اللہ تعالیٰ کی جنت تمہاری والدہ کے قدموں تلے ہے۔ سیاست کی جنت عوام کے قدموں تلے ہے۔ تم بڑی نہیں ہو سکتی ہو جب تک کہ تم زمین چومنے کے لئے تیار نہ ہو یعنی عاجزی کا رویہ اختیار نہ کرو' تم زمین کا دفاع نہیں کر سکتی جب تک کہ تم زمین کی خوشبو سے واقف نہ ہو۔ میں اپنی زمین کی خوشبو سے واقف ہوں۔ نظریات' اصول' تحریریں تاریخ کے دروازے سے باہر ہی رہتی ہیں۔ غالب عنصر عوام کی تمنائیں ہیں اور ان کے ساتھ مکمل ہم آہنگی ہے۔ جب اس راگ یا موسیقی کے معنی سمجھ لیے جاتے ہیں تو منزل کے نشان واضح ہو جاتے ہیں۔

میں اس جیل کی کوٹھڑی سے تمہیں کیا تحفہ دے سکتا ہوں جس میں سے میں اپنا ہاتھ بھی نہیں نکال سکتا؟ میں تمہیں عوام کا ہاتھ تحفہ میں دیتا ہوں میں تمہارے لیے کیا تقریب منعقد کر سکتا ہوں؟ میں تمہیں ایک مشہور نام اور ایک مشہور یادداشت کی تقریب کا تحفہ دیتا ہوں۔ تم سب سے قدیم تہذیب کی وارث ہو۔ اس قدیم تہذیب کو انتہائی ترقی یافتہ اور انتہائی طاقتور بنانے کے لئے اپنا بھرپور کردار ادا کرو۔ ترقی یافتہ اور طاقتور سے میری مراد یہ نہیں کہ معاشرہ انتہائی ڈراونا ہو جائے۔ ایک خوفزدہ کرنے والا معاشرہ ایک مہذب معاشرہ نہیں ہوتا۔ مہذب کے معانی میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور طاقتور معاشرہ وہ ہوتا ہے جس نے قوم کی خصوصی جذبے کی شناخت کر لی ہو۔ جس نے ماضی و حال سے اور سائنس سے جدیدیت اور تصوف سے مادیت اور روحانیت سے سمجھوتا کر لیا ہو۔ ایسا معاشرہ ہیجان و خلفشار سے پاک ہوتا ہے اور کلچر سے مالا مال ہوتا ہے۔ مارشل لاء کسی بھی مہذب ملک کے لئے ایک سرطان کی مانند ہے پاکستان کے لیے

Marfat.com

تو مارشل لاء اس کے وجود کے اسباب ہی کی نفی ہے اس لئے کہ پاکستان ایک جمہوری تحریک کے ذریعے عوام کی تخلیق ہے۔ دوسرے دنیا میں کوئی بھی ملک اپنے جی این پی کا اس قدر حصہ مسلح افواج پر خرچ نہیں کر رہا جس قدر کہ پاکستان کر رہا ہے۔ دنیا کے ایک غریب ترین ملک کے عوام کی یہ جرا تمندانہ قربانی سال بہ سال جاری ہے۔ مسلح افواج کے حق میں عوام کی اس قربانی کا مقصد یہ ہے کہ مسلح افواج پاکستان کی سالمیت کو جو خطرات لاحق ہیں ان سے نمٹے۔ اس لیے نہیں ہے کہ مسلح افواج پاکستان کی خارجی حیثیت کے بارے میں ملک پر غلبہ حاصل کرنے کیلئے سمجھوتا کر لیں۔ وہ فوجی جو فوجی بیرکوں کو خیر باد کہہ دیتے ہیں اور سرکاری محلوں میں رہتے ہیں وہ جنگیں ہار جاتے ہیں اور جنگی قیدی بن جاتے ہیں جیسا کہ 1971ء میں ہوا تھا۔ پاکستانی فوج کے جرنلوں نے اس تاریخ کو دہرانے کا تہیہ کر رکھا ہے۔ فوجی ڈکٹیٹروں نے ایشیاء لاطینی امریکہ اور افریقہ کو روند ڈالا ہے۔ ان کے اس اقدام کے نتیجہ میں انہوں نے مارکس اور اینگل، لینن اور ماؤ کی تصنیفات سے زیادہ کمیونزم کو پھیلانے کے لئے کام کیا ہے۔ وہ بعد کے نو آبادیاتی دور کے بدترین ظالم ہیں۔ انہوں نے قابل احترام اداروں کو تباہ کیا اور اپنے عوام کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کیا ہے۔ ان فوجی ڈکٹیٹروں نے آزادی کے لئے جنگ نہیں لڑی ہے اور نہ ہی وہ کسی نظریے کے پابند ہیں۔ وہ ایسے سازشی ہیں جو سماجی لحاظ سے نچلے درجے سے تعلق رکھتے ہیں لیکن یکا یک ترقی کر کے اعلیٰ طبقہ میں شمار ہونے لگے ہیں۔ وہ غیر ملکی سفارتکاروں کے ''شوبوائے'' ہیں۔ وہ عوام کا مخالف ایسا پیشہ ور ہے جو ہر چھوٹے موقع کی تلاش میں رہتا ہے کہ اپنے پیشہ کو خیر باد کہہ کر اپنے مالک کے پیشے کو اپنا لے۔ وہ ایسا شخص ہے جو لوگوں سے متنفر اور بیزار ہے۔ وہ ایسا شخص ہے جو ایک اعلیٰ افسر کی بیساکھی پر بھروسہ کرتا ہے۔ وہ ایسا شخص ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ افراط زر میں ایک یا دو فیصد کی کمی کا مطلب کشمیر کی آزادی ہے۔

پیشہ ور فوجی ڈکٹیٹروں کے دماغ ایک جیسے خطوط پر عمل کرتے ہیں۔ ان کا موقف اور طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے مجبوراً اور عارضی طور پر فوجی بیرکوں کو خیر باد کہا ہے جن کو وہ ہرگز چھوڑنا نہیں چاہتے اور یہ کہ انہوں نے ایسا ملک کو خانہ جنگی اور کمیونزم کے خطرہ سے بچانے کی خاطر کیا ہے اور گندے سیاستدانوں نے جو گڑبڑ پیدا کی ہے اس کو صاف کرنے کیلئے اور سیاسی

Marfat.com

استحکام قائم کرنے کیلئے یہ اقدام کیا ہے اگر آپ ایوب خان' یحییٰ خان اور ضیاء الحق کی تقاریر کا مطالعہ کریں تو آپ کو یہ مشترکہ عنصر بغیر کسی مشکل کے معلوم ہو جائے گا۔

براہ کرم یہ خیال نہ کرنا کہ فوجی جنتا نے میرے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس کی وجہ سے میں نے بہت زیادہ سختی کے ساتھ اپنی رائے قائم کی ہے۔ مجھے تاریخ کی کافی معلومات ہیں اور میں جانتا ہوں کہ پانسا پلٹ جاتا ہے اور کل کے شہنشاہ آج کے فقیر بن جاتے ہیں۔ تمہیں علم ہے کہ میں نپولین بونا پارٹ کا مداح ہوں۔ تمہیں معلوم ہے کہ فرانسیسی انقلاب اور نپولین کے دور کے ساتھ میری جذباتی وابستگی کس قدر ہے۔ انقلابیوں نے نہ صرف اپنے بادشاہ کو قتل کیا بلکہ وہ اپنے ہی لائے ہوئے انقلاب میں غرق ہو گئے۔ روبسپیئر اور ڈینٹن کو پھانسی کے تختے پر چڑھنا پڑا اور وہ دونوں ممتاز انقلابی تھے۔ انتقام پر انتقام لیا گیا۔ نپولین جو ایک غیر معمولی صلاحیتوں کا انسان تھا اور تہذیب کے قافلہ کا مکمل کپتان تھا اس کو ایلبا اور سینٹ ہیلینا میں مقید کر دیا گیا۔

میں تمہیں بہت زیادہ عوامی مقبولیت کے نظریہ سے محتاط رہنے کے بارے میں کہہ رہا ہوں۔ کبھی کبھی ایک مقبول فیصلہ بالآخر عوام کے لئے مفید نہیں ہوا کرتا ہے' نہ تو عملیت کا نظریہ اور نہ ہی عوامی مقبولیت کا نظریہ بنیادی سیاسی اور سماجی واقتصادی اصول ہیں اور نہ ہی میں یہ کہتا ہوں کہ تم انہیں آزماؤ۔ میں نے اذیت کی حالت میں یہ افسردہ قسم کا تجزیہ کیا ہے۔ جیل کی فضا نے میری غیر جانبداری کو متاثر نہیں کیا ہے۔ میں یہ نہیں دیکھنا چاہتا کہ چونکہ میں موت کی کوٹھڑی میں ہوں اس لئے ساری دنیا موت کی کوٹھڑی میں ہو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہائی کورٹ میں ساری دنیا کو موت کی سزا سنا دی ہے کہ اس لئے کہ اس نے مجھے موت کی سزا سنائی ہے۔ میں اپنے آپ کو سب سے زیادہ خوش قسمت انسان تصور کروں گا اگر بنی نوع انسان کے تاریک موسم سرما میں دھوپ کی کرن پھوٹ پڑے اور رنگ برنگ کے پھول کھل جائیں۔ دنیا تو بہت خوبصورت ہے۔ ایک خوبصورت شے تو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے مسرت وشادمانی کا باعث ہوا کرتی ہے۔ سطح مرتفع کی خوبصورتی ہے۔ بلند و بالا پہاڑوں کی خوبصورتی ہے۔ ہرے بھرے میدانوں کا حسن ہے۔ غیر ہموار ریگستانوں کا اپنا حسن ہے۔ پھولوں اور جنگلات کا حسن ہے۔ نیلے سمندروں اور بل کھاتے ہوئے دریاؤں کا حسن ہے۔ طرز تعمیر کی شان وشوکت ہے۔ موسیقی کی شان وشوکت ہے۔ اور رقص

Marfat.com

کی چمک دمک کا حسن ہے۔سب سے بڑھ کر تو مرد اور عورت کا اپنا حسن ہے جو اللہ تعالیٰ کی مکمل تخلیق ہے۔

افریقہ پاگلوں یا خرد ماغ لوگوں سے نجات حاصل کرلے گا۔افریقہ یہ ثابت کرنے کیلئے زندہ رہے گا کہ سیاہ رنگ بھی خوبصورت ہوا کرتا ہے افریقہ قدیم ہے لیکن ایشیا تو سدا جوان ہے۔اس کے بانکپن والے حسن نے تو بنی نوع انسان کی پیدائش کے وقت سے ہی تہذیب کو چار چاند لگائے ہیں۔اس کے شعلہ کی لو میں کس قدر حسن ہے۔یورپ آب و تاب والا اور محبت کیے جانے کے قابل ہے۔وہ کئی بار چہروں کو خوبصورت اور پرکشش بنوانے کے باوجود بھی دلکش اور خوبصورت ہے۔امریکہ کے بحری ساحل پر رکاوٹیں کھڑی کردی گئی ہیں۔اس کے رکے ہوئے پانی کے بہاؤ میں اس کے حسن کی عکاسی ہوتی ہے۔فضائی اصطلاح میں تو ساری دنیا خوبصورت ہے۔طبیعاتی معنی میں میں نے شاذ و نادر ہی اس سے زیادہ مناظر کی خوبصورتی دیکھی ہے جیسی میں نے کیلیفورنیا اور ٹیکساس میں دیکھی ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ طاقتور معاشرہ یا ملک کی اندھی قوت اس خوبصورتی کو ایسی بری شکل میں تبدیل کررہی ہے جیسی کہ ڈورین گرے کی تصویر ہے۔

☆ میں شبلی کے وجودیت کے نظریہ کی حمایت کرتا ہوں۔حسن ہر جگہ ہے۔ایک مکمل تباہی والی جنگ میں بھی حسن کو بالکل ملیامیٹ کردینا ممکن نہیں ہوگا۔حسن اس قدر زیادہ حسین ہے کہ وہ بالکل ختم نہیں ہوسکتا۔اس قید تنہائی کے بارہ مہینوں میں میں نے ماضی کا کوئی ناخوشگوار منظر مشکل سے ہی یاد کیا ہے۔جب میں اس قید خانہ کی دیواروں کو گھنٹوں تک دیکھتا رہتا ہوں تو ماضی کے بہت سے واقعات میرے ذہن میں آتے ہیں۔ ماضی کے کچھ مناظر از سرنو نظروں کے سامنے آئے ہیں جو کبھی بھی میری نظروں کے سامنے دوبارہ نہیں آتے' اگر میں یہاں مقید نہ کیا جاتا۔میں نے بار بار اپنے بچپن کے زمانہ کو جو میں نے گڑھی خدابخش میں گزارا تھا' ان برسوں کو جو میں نے بمبئی میں اسکول میں گزارے اور ان آب و تاب والے برسوں کو جو میں نے برکلے اور آکسفورڈ میں گزارے یاد کیا ہے۔آگرہ کے تاج محل کی شاہانہ شان و شوکت بار بار میرے ذہن میں آتی ہے۔اسی طرح مجھے وہ پرسکون دن یاد آتے ہیں جو میں نے سری نگر' گلمرگ اور پہلگام میں

Marfat.com

گزارے تھے۔ وادی کشمیر حیرت انگیز طور پر خوبصورت ہے۔ اپنے طور پر یورپ کا حسن عدیم النظیر ہے۔کوئی شخص بھی اس طمانیت قلب کو نہیں بھول سکتا۔جو کرائسٹ چرچ کے سبزہ زاروں میں چہل قدمی کر کے حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی فرد کیلیفورنیا میں ساحل سمندر پر کارمل کی طلسماتی کشش کو فراموش کرسکتا ہے۔

☆ زندگی محبت کاملہ ہے۔نیچر کی ہر خوبصورتی کے سامنے اظہار عشق کیا جاتا ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی پس وپیش نہیں ہے کہ میرا سب سے زیادہ جذباتی عشق اور جذبات خیز یا جسم میں جھرجھری پیدا کردینے والا رومانس عوام کے ساتھ رہا ہے۔سیاست اور عوام کے درمیان کبھی نہ ختم ہونے والی شادی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''آدمی ایک سیاسی جانور ہے'' اور ریاست یا مملکت ایک سیاسی تھیٹر ہے۔میں بیس سال سے زائد ہنگامہ خیز برسوں سے اس سیاسی سٹیج پر رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ مجھے اب بھی اب کوئی رول ادا کرنا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ لوگ اب بھی چاہتے ہیں کہ میں سیاست کے سٹیج پر رہوں۔لیکن اگر مجبوراً مجھے سیاسی سٹیج سے علیحدہ رہنا پڑا تو میں تمہیں اپنے احساسات کا تحفہ دیتا ہوں۔میرے مقابلہ میں تم زیادہ بہتر طور پر یہ جنگ لڑسکوگی۔تمہاری تقاریر میری تقاریر کے مقابلے میں زیادہ فصیح و بلیغ ہوں گی۔عوام کے ساتھ تمہاری وابستگی مساوی طور پر مکمل ہوگی۔تمہاری جدوجہد میں زیادہ توانائی اور جوانی کا جوش ہوگا۔تمہارے اقدامات زیادہ جراتمندانہ ہوں گے۔میں اس انتہائی مقدس مشن کی برکتیں تمہیں منتقل کرتا ہوں۔صرف یہی تحفہ میں تمہیں تمہاری پیدائش کی سالگرہ پر دے سکتا ہوں۔

چار معاملات ہیں جن کے ذکر کے ساتھ ہی میں اس خط کو ختم کرنا چاہوں گا۔

1۔ جب میں نے تمہاری والدہ کے ساتھ ستمبر 1951ء میں شادی کی تھی تو میں ہنی مون منانے کیلئے انہیں استنبول لے گیا تھا۔استنبول ایک خوبصورت شہر ہے۔ یہ مشرق ومغرب کے درمیان ایک پل ہے تاہم میں انہیں استنبول اس لیے لے گیا تھا کہ میں ان کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اسلامی تاریخ کے سنہرے اور سب سے زیادہ جراتمند بابوں یا ادوار کے کاریڈوروں میں سے ہوکر گزروں۔اسلام کی تاریخ جذبات میں تموج پیدا کرنے والی ہے لیکن جس قدر وہ ترکی میں متواتر حیثیت سے جذبات میں تموج پیدا کرتی ہے اس قدر کسی اور ملک میں نہیں کرتی۔

Marfat.com

2۔ جوانی کے زمانے سے ہی میں برطانوی سامراجیت کے خلاف جنگ کرتا رہا ہوں۔ مجھے سامراجیت سے سخت نفرت ہے لیکن جب میں ان ذلت آمیز یا تذلیل کن دنوں کے بارے میں سوچتا ہوں تو میرے اندر کوئی تلخی باقی نہیں ہے۔ اب وہ دور ایک بند باب کی طرح ہے۔ تم ماضی کی جدوجہد کی یاد میں تو زندگی نہیں گزار سکتی ہو کہ جب تم مکمل طور پر حال کی جدوجہد میں مصروف ہو۔

3۔ 15 جون 1978ء کو جنرل شوکت مجھے دیکھنے کیلئے آئے اس لئے کہ میں بیمار تھا انہوں نے سول اور ملٹری ہاسپٹل راولپنڈی میں میرا آپریشن 1963ء میں کیا تھا جب میں وزیر خارجہ تھا۔ ہمیں یاد تھا کہ جب میں کلوروفارم کے اثر سے مغلوب ہوتا جارہا تھا تو میں باربار کہتا جارہا تھا کہ میں اکبر بگٹی کو حکومت کے ہاتھوں موت کی سزا نہیں ہونے دوں گا۔ میں اکبر بگٹی اور خیر بخش مری کے نام پکارتا رہا۔ تاریخی واقعات کا گھروندا کس قدر عجیب ہے؟ 1973ء میں پاکستان کی صدر کی حیثیت سے میری پاکستان کی خاطر ہی بلوچ لیڈروں سے محاذ آرائی ہوئی۔ اگر اتفاق سے تمہاری ملاقات ان لیڈروں سے ہو جائے تو ان سے کہنا کہ مجھے اس بات پر یقین ہے کہ ایک بلوچ ایک بہادر باپ کا بیٹا اور ایک ایسی ماں کا بیٹا ہوتا ہے جس کو اپنے او پر فخر ہوتا ہے۔ بہادری اور فخر دونوں ہی بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس کے چہرے سے نمایاں ہوتے ہیں۔

4۔ 1957ء کے موسم سرما میں جب تم 4 سال کی تھیں تو ہم المرتضیٰ کے بلند چبوترے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ صبح کے وقت موسم بڑا خوشگوار تھا میرے ہاتھ میں دونالی بندوق تھی میں نے بغیر سوچے سمجھے ایک جنگلی طوطا مار گرایا۔ جب طوطا چبوترہ کے قریب آ کر گرا تو تم نے چیخ ماری تم نے اسے اپنی موجودگی میں دفن کرایا۔ تم برابر چیختی رہیں۔ تم نے کھانا کھانے سے بھی انکار کر دیا۔ ایک مردہ طوطے نے 1957ء کے موسم سرما میں لاڑکانہ میں ایک چھوٹی سی لڑکی کو رلا دیا تھا۔ 21 سال بعد وہ چھوٹی سی لڑکی ایک نوجوان لڑکی بن گئی ہے جس کے اعصاب فولادی ہیں اور جو ظلم کی طویل ترین رات کی دہشت کا بہادری سے مقابلہ کر رہی ہے۔ حقیقتاً تم نے بلاشبہ ثابت کر دیا ہے کہ بہادر سپاہیوں کا خون تمہاری رگوں میں موجزن ہے۔

Marfat.com

میں جو کچھ لکھتا ہوں وہ کمزوریوں سے پر ہے۔ میں بارہ مہینے سے قید تنہائی میں ہوں اور تین مہینے سے موت کی کوٹھڑی میں ہوں اور تمام سہولتوں سے محروم ہوں۔ میں نے اس خط کا کافی حصہ ناقابل برداشت گرمی میں اپنی ران پر کاغذ کو رکھ کر لکھا ہے۔ میرے پاس حوالہ دینے کا کوئی مواد یا لائبریری نہیں ہے۔ میں نے نیلا آسمان بھی شاذ و نادر ہی دیکھا ہے۔ حوالہ جات ان چند کتابوں سے لیے گئے ہیں جن کو پڑھنے کی مجھے اجازت تھی اور ان اخبارات و رسائل سے لیے گئے ہیں جو تم یا تمہاری والدہ اس دم گھوٹنے والی کوٹھڑی میں مجھ سے ہفتہ میں ایک بار ملاقات کرنے کے وقت ساتھ لیکر آتی ہو۔ میں اپنی خامیوں کے لئے بہانے نہیں تراش رہا ہوں۔ لیکن اس قسم کے جسمانی اور ذہنی حالات میں گرتی ہوئی یادداشت پر بھروسہ کرنا بہت مشکل ہوا کرتا ہے۔

میں 50 سال کا ہوں اور تمہاری عمر میری عمر سے نصف ہے۔ جس وقت تک تم میری عمر کو پہنچو گی تمہیں عوام کے لئے اس سے دگنی کامیابی حاصل کرنی چاہئے جس قدر کہ میں نے ان کے لئے حاصل کی ہے۔ میر غلام مرتضیٰ جو میرا بیٹا اور وارث ہے وہ میرے ساتھ نہیں ہے اور نہ ہی شاہنواز اور صنم میرے ساتھ ہیں۔ میرے ورثے کے حصہ کے طور پر اس پیغام میں ان کو بھی شریک کیا جائے۔

''ہر نسل کا اپنا مرکزی مسئلہ ہوتا ہے کہ آیا جنگ کو ختم کرنا ہے' نسلی ناانصافی کو مٹانا ہے یا کارکنوں کی حالت کو بہتر بنانا ہے''۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آجکل کے نوجوانوں کو انفرادی انسان کے وقار کی فکر ہے اور وہ ضرورت سے زائد اختیار اور طاقت کی حد بندی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ وہ ایسی حکومت چاہتے ہیں جو اپنے شہریوں سے براہ راست اور دیانت داری کے ساتھ بات کرے۔ امکانات تو بہت زیادہ ہیں۔ داؤ پر بہت کچھ لگا ہوا ہے۔ میں آنے والی نسل کیلئے ٹینی سن کا مایوس کن لیکن ایک طرح سے پیغمبرانہ پیغام چھوڑتا ہوں کہ ''50 سال کی عمر میں میں کیسا ہو جاؤں گا اگر قدرت نے مجھے زندہ رکھا جب کہ اس پچیس سال ہی کی عمر میں میں دنیا کو اس قدر تلخ پاتا ہوں''۔

ذوالفقار علی بھٹو

(ڈسٹرکٹ جیل' راولپنڈی 21 جون 1978ء)

Marfat.com

قریبی ساتھیوں کی بے نظیر بھٹو شہید سے وابستہ چند یادیں

شیری رحمٰن (مرکزی سیکرٹری اطلاعات' پی پی پی)

بے نظیر بھٹو مجھے خود سیاست میں لے کر آئی تھیں' ہمیشہ مجھے تحفظ دیا' حکومتی اقدامات پر اگر پریشان ہوتی تھی تو وہ مجھے حوصلہ دیتیں' وہ بڑے وژن اور عالمی سطح کی راہنما تھیں' پاکستان میں ان کے مقابلہ کا کوئی سیاسی رہنما موجود نہیں' وہ آمریت کو شکست دینے کیلئے ہمیشہ پرعزم رہیں' وہ کہتی تھیں کہ لیڈر کا کام قوم کو راستہ دکھانا ہوتا ہے۔ وہ کہتی تھیں کہ سیاست میں بروقت فیصلوں کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ روزانہ ان کی دو تین ای میلز میرے پاس آتی تھیں۔ 27 دسمبر کو بھی مجھے انہوں نے دو ای میل کی تھیں اور کچھ ہدایات دی تھیں۔ ایک دفعہ میں نے رات ڈھائی بجے محترمہ بے نظیر بھٹو کو ایک ای میل کی جس کے ساتھ ہی ان کا جواب آ گیا' مجھ سے پوچھا کہ ابھی تک کام کر رہی ہو' پھر کہا کہ دیکھو ہم خواتین کتنی دیر تک کام کرتی ہیں۔

شیری رحمٰن

سینٹر میاں رضا ربانی

محترمہ بے نظیر بھٹو کے متعلق یہ رائے کہ وہ کسی کی بات نہیں سنتی تھیں اور اپنے فیصلے سناتی تھیں' یہ بالکل غلط تاثر ہے۔ وہ ہمیشہ دلیل کے ساتھ بات کرنا پسند کرتی تھیں' اگر کسی مسئلہ پر اختلاف رائے ہوتا تو پوری بات خاموشی کے ساتھ سنتی تھیں اور میری باتوں کا دلیل کے ساتھ جواب دیتیں۔ جب میرے پاس دلائل ختم ہو جاتے اور میں لفاظی پر آ جاتا تو مجھے ٹوک دیتیں کہ اب آپ کے پاس دلائل ختم ہو گئے ہیں' اگر دلائل ٹھوس ہوتے تو وہ اپنی رائے تبدیل بھی کر لیتی تھیں' اور یہ اکثر ہوتا۔ ایک مرتبہ کابینہ کے اجلاس میں' میں نے ان سے ایک معاملہ پر اختلاف کیا اور متعدد دلائل دیئے' جو انہوں نے مسترد کر دیئے اور اپنے دلائل دیئے' لیکن ڈیڑھ گھنٹے کے

Marfat.com

بعدان کا فون آ گیا اور انہوں نے مجھے بلالیا اور کہا کہ آپ کے دلائل صحیح ہیں۔ میں نے غور کیا ہے کہ میری رائے صحیح نہیں تھی' آپ کی رائے صحیح ہے اور اپنا فیصلہ تبدیل کر لیا۔

سینٹر میاں رضا ربانی

اعتزاز احسن

2 دسمبر 1988ء بھی ایک تاریخی دن تھا۔ یہ تصویر اسی روز کی ہے۔ 2 دسمبر 1988ء کو دنیا کی پہلی منتخب مسلمان خاتون نے وزارت عظمیٰ کا قلم دان سنبھالا تھا۔ یہ محترمہ شہید بے نظیر بھٹو تھیں۔ وزارت عظمیٰ کے حلف اٹھانے کے فوراً بعد کی ان کی پہلی پریس کانفرنس کی ہے جس میں میں بطور نامزد وزیر داخلہ وقانون سیاسی قیدیوں کی رہائی کا اعلان کر رہا ہوں۔ اس بات کا پس منظر بھی دلچسپ تھا۔ وزارت عظمیٰ کا حلف لینے سے پہلے محترمہ شہید نے کئی نشیب وفراز دیکھے۔ ہارورڈ اور آکسفورڈ کی تعلیم یافتہ نازوں میں پلی لڑکی وطن لوٹتے ہی مصائب سے ٹکرانے لگی۔ 1977ء کا مارشل لاء' والد کی گرفتاری اور ان پر مقدمے کے دشوار مراحل' پھر خود اپنی نظر بندی کے دوران والد کا جنرل ضیاء کے ہاتھوں قتل اور اس کے بعد بھی طویل قید تنہائی۔ رہائی کے بعد جلاوطنی کڑے امتحان تھے' مگر ہر مقابلے کا ڈٹ کے مقابلہ کیا اور کبھی حوصلہ نہیں ہارا۔ خوشیاں بھی دیکھی تھیں' جن میں سب سے نمایاں شادی کی خوشی اور اپنے شوہر آصف علی زرداری سے ہم آہنگی اور پھر ایک بیٹے بلاول کی ماں بننے کی خوشی' عزم وہمت کی بلندی کا تو یہ عالم تھا کہ 1988ء کی انتخابی مہم کے دوران ہی بلاول پیدا ہوا اور والدہ نے ایک محنت کش' جفاکش عورت کی طرح انتخابی مہم صرف دو تین روز کے لیے معطل کی اور پھر جلسے جلوسوں کی قیادت شروع کر دی۔

16 نومبر 1988ء کو عام انتخابات ہوئے۔ اس دوران جنرل ضیاء کا جہاز گر چکا تھا۔ انتخابات کے نتائج واضح طور پر محترمہ اور پیپلز پارٹی کے حق میں تھے۔ ان کے علاوہ کسی اور کا وزیر اعظم بننا دشوار تھا۔ گو صدر اسحٰق خان دیگر امیدواروں کے بارے سوچا کیے۔ کیونکہ اس وقت وزیر اعظم کا ابتدائی چناؤ صدر مملکت کی صوابدید میں تھا۔ بہرحال صدر اسحٰق کے پاس بھی بالآخر کوئی چارہ نہ تھا' اور 30 نومبر کو انہیں محترمہ کو نامزد کرنا ہی پڑا اور اس بات کا باضابطہ اعلان کر دیا گیا۔

Marfat.com

اب جب یہ مرحلہ بھی طے ہوگیا تو ایک سوال یہ اٹھا کہ حلف برداری کے بعد محترمہ کی حکومت کا پہلا اقدام کیا ہوگا؟ محترمہ خود طویل عرصہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر چکی تھیں ان کا پہلا خیال بھی ان سیاسی قیدیوں کی جانب گیا اور ان سزا یافتہ افراد کی طرف جن کو بے شمار فوجی عدالتوں نے غیر آئینی طور پر پابند سلاسل کر رکھا تھا۔ بی بی سب سے پہلے ان کی رہائی کے احکامات جاری کرنا چاہتی تھیں اور یونہی ہوا لہٰذا 30 نومبر 1988ء کو ہی انہوں نے مجھے اس کا نوٹیفیکیشن تیار کرنے اور رہائی کے مستحق قیدیوں کی اقسام متعین کرنے کو کہا۔ آج خود ایک نظر بند کی حیثیت سے میں محترمہ کے جنازہ اور قل خوانی میں شمولیت کی اجازت نہ ملنے کے باعث شرکت نہ کر کے سوچ رہا ہوں کہ 2 دسمبر 1988ء والی محترمہ بے نظیر بھٹو کے ذہن میں سیاسی قیدیوں اور نظر بندوں کی کتنی توقیر تھی۔ کیا اب کوئی بھی ان جیسا حساس دل والا ہوگا؟

اعتزاز احسن

قاسم ضیاء (سابق صدر پیپلز پارٹی پنجاب)

یہ فروری 2002ء کا واقعہ ہے۔ پیپلز پارٹی صدارت سنبھالنے کے ایک سال بعد میں محترمہ بے نظیر بھٹو کے ساتھ امریکی دورہ پر تھا۔ ڈاکٹر اکبر خواجہ بھی ہمارے ساتھ تھے واشنگٹن میں ایک سیمینار میں شرکت کے بعد ہم ایک شاپنگ مال میں چلے گئے۔ میں نے محترمہ بے نظیر بھٹو سے کہا پنجاب میں چار ضلعی صدور تبدیل کرنے کی اجازت لینا تھی۔ میں نے چلتے چلتے یہ ذکر چھیڑ دیا۔ محترمہ نے تین صدور تبدیل کرنے کی منظوری دے دی لیکن وہ چوتھا ضلعی صدر تبدیل کرنے پر راضی نہ تھیں جس پر میں خاموش ہوگیا۔ اس دوران ہم ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھ گئے۔ کھانے کا وقت تھا۔ بی بی اپنا کھانا پلیٹ میں لا کر ٹیبل پر بیٹھ گئیں جب کہ میں وہیں خاموش بیٹھا تھا۔ انہوں نے دیکھا اور کہا تم اپنا کھانا کیوں نہیں لا رہے۔ پھر میرے چہرے کو غور سے دیکھ کر کہا تم چپ کیوں ہوگئے، اچھا واپس جا کر چوتھے صدر کو بھی بدل دینا۔ اب اٹھو اور جا کر کھانا کھا لینا۔ محترمہ نے میری ضد ایسے پوری کی جیسے وہ اپنے بچوں کی پوری کرتی تھیں۔ وہ مجھ سے ہمیشہ اسی طرح شفقت سے پیش آتیں۔ مجھے انہوں نے ہمیشہ ایک ماں اور بڑی بہن کی طرح پیار کیا۔ ان کی شہادت سے نہ صرف ہم ایک قائد سے محروم ہوگئے بلکہ ہماری زندگیوں میں ایک ایسا خلاء

Marfat.com

پیدا ہو گیا جو ہم کبھی پر نہ کر سکیں گے۔

قاسم ضیاء

زمرد خان ایڈووکیٹ

لیاقت باغ راولپنڈی میں 27 دسمبر کو ہونے والے جلسے کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ سٹیج پر محترمہ بےنظیر بھٹو شہید نے مجھے کہا کہ آپ میرے بائیں جانب کھڑے رہیں' وہ مجھ سے کہنے لگیں کہ بعض اوقات اسمبلی کے ممبران اپنے بھتیجے اور بھانجوں یا رشتہ داروں کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ سب امیدواروں سے حلف لے لیں' جس پر شہید لیڈر نے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے تمام امیدواروں سے حلف لیا کہ وہ منتخب ہو کر پارٹی کے کارکنوں اور غریب لوگوں کو ملازمتیں دلوائیں گے۔ وہ کہنے لگیں ''زمرد خان' میں چاہتی ہوں کہ غریب کارکنوں کی فلاح و بہبود کیلئے کچھ کیا جائے۔ آپ کارکنوں کی فہرست بنا کر دیں' میں چاہتی ہوں کہ خود براہ راست بھی ان سے رابطہ کیا کروں۔ میں چاہتی ہوں کہ ان کے مسائل معلوم کروں اور انہیں حل کروں۔ میں حکومت میں آ کر راولپنڈی میں یونیورسٹی بناؤں گی' کوہ نور ملز' ٹیکسلا اور واہ کینٹ کے مزدوروں کیلئے لیبر کالونیاں بناؤں گی۔''

زمرد خان نے بتایا کہ میں واحد امیدوار ہوں' جس کی انتخابی مہم میں حصہ لینے وہ میرے گھر آئیں۔ جب میں نے انہیں اپنے گھر آنے کی دعوت دی تو وہ زیر لب مسکرا کر کہنے لگیں ''کیا گھر آنے سے کم شرط پر بات نہیں بن سکتی''۔ میں نے کہا ''نہیں'' تو انہوں نے وعدہ کیا کہ میں ضرور آؤں گی اور مجھے فخر ہے کہ انہوں نے یہ وعدہ نبھایا اور اپنے ایک کارکن کا مان رکھا۔

میرے گھر آ کر بھی انہوں نے نہ صرف خطاب کیا' بلکہ کارکنوں سے ملاقاتیں کیں اور بہت خوش ہوئیں۔ خوش تو وہ لیاقت باغ کے جلسے کی کامیابی پر بھی بہت تھیں۔ ملاقات میں انہوں نے ایک مرتبہ کہا کہ ''زمرد خان' میں نے تمہاری ایک تصویر اپنے ڈرائینگ روم میں لگائی ہوئی ہے' جس میں تم نے کارکنوں پر تشدد کرنے والے پولیس اہلکار سے رائفل چھین لی تھی۔'' زمرد خان نے مایا کہ یہ واقعہ 24 دسمبر 2004ء کا ہے' جب آصف علی زرداری نے آنا تھا اور ہم نے جلوس

Marfat.com

نکالا تھا' جس پر پولیس نے تشدد کیا۔انہوں نے بتایا کہ محترمہ بے نظیر بھٹو مجھ سے اسی لیے بہت پیار محبت کرتی تھیں کہ اس حلقے سے اعجاز الحق کئی مرتبہ منتخب ہوئے تھے اور میں نے 2002ء میں ان کی ضمانت ضبط کرادی تھی' جس کے بعد وہ اس مرتبہ اس حلقہ سے بھاگ گئے اور امیدوار ہی نہیں بنے۔ بے نظیر بھٹو کہتی تھیں کہ الیکشن میں تمام لوٹوں کو بھگانا ہے۔

زمرد خان

یوسف رضا گیلانی

سید یوسف رضا گیلانی نے کہا کہ بے نظیر بھٹو جیسی لیڈر صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ ان میں نہ صرف ملکی معاملات چلانے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی بلکہ وہ بین الاقوامی سطح پر بھی پاکستان کا نام اجاگر کرنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔انہوں نے اسٹیبلشمنٹ سے مفاہمت کی بجائے عوام کے حقوق کی جدوجہد کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا اور اس راستہ میں ہی انہوں نے جان قربان کردی۔ پاکستان کی عوام مدتوں انہیں یاد رکھیں گے۔

سید یوسف رضا گیلانی نے بے نظیر بھٹو کے ساتھ ایک دلچسپ واقعے کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ اسلام آباد میں شیخ زید بن سلطان النہیان کے اعزاز میں بے نظیر بھٹو نے ظہرانہ دیا۔ وزیراعظم کے دائیں طرف شیخ زید سے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ میرے سپیکر نہ صرف روحانی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ بہت اچھے شاعر بھی ہیں۔محترمہ مجھے واقعی شاعر سمجھتی تھیں کیونکہ میں کئی مواقع پر ان کی موجودگی میں اشعار پڑھ چکا تھا۔لیکن انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اشعار میرے اپنے نہیں ہیں۔

میں کچھ پریشان ہوا اور میں نے وزیراعظم سے سرگوشیانہ انداز میں کہا کہ میں شاعر نہیں ہوں۔انہوں نے کہا کہ اب تو بات ہو چکی ہے۔ہمیں یہ خیال نہ تھا کہ اس تعارف کے بعد اس موضوع پر مزید کوئی گفتگو ہو سکتی ہے۔شیخ زید کے مترجم نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ عزت مآب آپ کے تازہ کلام کا کوئی شعر سننا چاہتے ہیں۔ میں نے ایک شعر جو مجھے یاد تھا وہ سنایا جو یہ تھا:

تجھے چاہا تیری دہلیز پہ سجدہ نہ کیا　　　وہ میرا عشق تھا یہ میری خودداری ہے

Marfat.com

دلچسپ بات اس وقت پیش آئی جب شیخ زید ائرپورٹ پر واپسی کے وقت ملے تو انہوں نے کہا کہ سپیکر صاحب! آپ مجھے اپنا دیوان ضرور بھجوائیں۔

سید یوسف رضا گیلانی نے ایک اور یادگار واقعہ بتایا کہ جب وہ سپیکر قومی اسمبلی تھے اور حج کر کے واپس آئے تو وزیر اعظم بے نظیر بھٹو میرے دفتر تشریف لائیں اور میرے حج کی مبارکباد دی۔ میں نے انہیں شاہ فہد کی طرف سے ان کے لیے خانہ کعبہ کے دروازے کھولنے کی اجازت مل جانے کی خوشخبری دی جس پر وہ بہت خوش ہوئیں اور اپنے پرس میں سے ہیروں اور فیروزوں سے جڑی ایک تسبیح مجھے دیتے ہوئے کہا کہ مجھے یہ شاہ فہد نے اس وقت دی جب میں عمرے کی ادائیگی کے لئے گئی تھی۔ میں ان سے ملاقات کے وقت تسبیح پڑھ رہی تھی۔ انہوں نے مجھ سے وہ لے کر اس کی جگہ یہ دے دی اور کہا کہ یہ تسبیح آپ کے شایان شان ہے۔ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے مجھے کہا کہ یہ آپ میری طرف سے اپنی بیگم کو تحفہ میں دے دیں۔

یوسف رضا گیلانی

مخدوم شاہ محمود قریشی نے کہا کہ بے نظیر بھٹو اپنی مثال آپ تھیں۔ انہوں نے ہمیشہ عوام کے حقوق کی جدوجہد کی۔ میں ان کے طرز سیاست سے متاثر رہا ہوں اور خواہش ہے کہ ملک و قوم کے لیے وہی کر پاؤں جو بے نظیر بھٹو کرنا چاہتی تھیں۔

مخدوم شاہ محمود قریشی نے صدر پرویز مشرف کے خلاف پیپلز پارٹی کے مارچ کے حوالہ سے یادگار قصہ سنایا کہ جب بے نظیر بھٹو کو نظر بند کر دیا گیا تو بے نظیر بھٹو نے مجھے ہدایت کی کہ میں ان کی غیر موجودگی میں پیپلز پارٹی کے لانگ مارچ کی قیادت شروع کر دوں۔ میں نے محترمہ بے نظیر بھٹو سے کہا کہ اس وقت تو حالات بہت سنگین ہیں۔ ہر طرف کارکنوں کی پکڑ دھکڑ ہو رہی ہے' لانگ مارچ کے لیے لوگوں کا اکٹھا ہونا مشکل ہو جائے گا۔ بے نظیر بھٹو نے کہا کہ تم عوام کے حقوق کی جدوجہد میں نکل رہے ہو' اس راستہ میں آنے والی کسی دشواری کو خاطر میں نہ لاؤ۔ تم نکلو گے تو لوگ پھر خود ہی ساتھ ملتے جائیں گے۔ مخدوم شاہ محمود قریشی نے بتایا کہ میں نے مارچ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور یہ بھی سوچ لیا کہ مجھے اکیلے ہی چلنا پڑا تو گریز نہیں کروں گا۔ لیکن گھر سے تو میں اکیلا ہی نکلا لیکن پھر قافلہ بنتا گیا اور ہزاروں افراد اکٹھے ہو گئے۔

شاہ محمود قریشی نے کہا کہ محترمہ بے نظیر بھٹو بہت آگے تک دیکھنے کی صلاحیت رکھنے والی سیاستدان تھیں۔ وہ مدتوں عوام کے دلوں میں زندہ رہیں گی۔

مخدوم شاہ محمود قریشی

Marfat.com

بے نظیر بھٹو شہید کے دوستوں کا خراج تحسین

(بے نظیر بھٹو شہید کے چند قریبی دوستوں کے تاثرات)

''بی بی کو بلیاں بہت پسند تھیں' مجھے یاد ہے کہ اس کے اسکول کے بیگ پر پنکی بھٹو لکھا ہوا تھا' والد کی گرفتاری کے موقع پر وہ سیاہ بینڈ باندھ کر اسکول آتی تھیں' بی بی جیسی شخصیات صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں' وہ زبردست یادداشت کی حامل تھیں' بی بی پاکستان میں ہی نہیں' بھارت میں بھی بہت مقبول تھیں۔'' اسی قسم کے خیالات کا اظہار بی بی کے مختلف ادوار کے دوستوں نے دوران گفتگو کیا۔ بے نظیر بھٹو کی اسکول کی دوست نرمین حسن خان نے بے نظیر سے جڑی اپنی یادوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ میرا اور بی بی کا تقریباً 41 برس کا ساتھ تھا۔ بچپن میں بی بی بہت شرارتی تھی۔ اسے بلیاں بہت پسند تھیں۔ ہم آپس میں بلی کے بچوں کا تبادلہ کرتے رہتے تھے۔ وہ مطالعے کی بہت شوقین تھیں اور اداکاری بھی پسند کرتی تھیں۔ سیاست کے حوالے سے پوچھے گئے سوال کے جواب میں نرمین نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ بچپن کے ابتدائی دور میں انہیں سیاست کا کوئی خاص شوق نہیں تھا' لیکن ان کے والد کی یہی خواہش تھی۔ نرمین نے کہا کہ بینظیر بھی ری ٹیل تھیراپی کی قائل تھیں' جو عموماً ڈپریشن میں کی جاتی ہے' لیکن وہ اس وقت بھی بے دریغ خرچ نہیں کرتی تھیں۔ بی بی بہت سادگی پسند تھیں۔ ان کی شادی سو فی صد ارینج میرج تھی' لیکن دونوں میاں بیوی میں کافی اچھی انڈر اسٹینڈ نگ تھی۔ مجھے حیرت ہوتی تھی' جب لوگ ان کی شادی کے حوالے سے الٹی سیدھی خبریں پھیلایا کرتے تھے۔ میں نے تو ہمیشہ دونوں میاں بیوی کو ایک دوسرے سے بہت قریب اور بے حد چاہنے والا پایا۔ دونوں زندگی کے تمام اہم تہواروں پر ایک دوسرے کو لازماً گفٹ دیا کرتے تھے۔ بچوں کے معاملے میں بھی وہ بے حد حساس تھیں۔ اپنے بچوں' خصوصاً چھوٹی بیٹی آصفہ کو بے انتہا چاہتی تھیں۔ اپنے بچوں کا ہوم ورک باقاعدگی سے

Marfat.com

پر ایک دوسرے کو لازماً گفٹ دیا کرتے تھے۔ بچوں کے معاملے میں بھی وہ بے حد حساس تھیں۔ اپنے بچوں، خصوصاً چھوٹی بیٹی آصفہ کو بے انتہا چاہتی تھیں۔ اپنے بچوں کا ہوم ورک باقاعدگی سے چیک کرتیں، اسکول کی ماہانہ میٹنگز میں شریک ہوتیں اور جمعہ کا دن صرف اپنے بچوں کے لیے وقف رکھتیں۔ انہیں گھمانے لے جاتیں، بازار جاتیں تو بچوں کے لئے چھوٹی چھوٹی چیزیں خریدتی تھیں۔ انہوں نے اپنے بچوں کو خود قرآن پڑھایا۔ وہ روزانہ کسی نہ کسی آیت کا ترجمہ کر کے بچوں کو سنایا کرتیں۔ ہمارے ساتھ جمعہ کی نماز اور نماز تراویح میں بھی شریک رہتیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ صرف عظیم لیڈر، بے مثال بیٹی ہی نہیں، انتہائی وفادار اور شاندار ماں بھی تھیں، بلکہ یوں کہیے کہ بے نظیر واقعی بے نظیر تھی۔

دبئی میں مقیم بی بی کے دوست جوڑے مسٹر اینڈ مسز ڈاکٹر اکرام اللہ نے بی بی کے بارے میں کہا کہ ''بی بی جیسی شخصیات صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کی خصوصیت سے لوگ صحیح معنوں میں واقف ہو ہی نہیں سکے۔ ان کی سوچ بہت بلند تھی۔ پاکستان کے بارے میں ان کی سوچ کے بارے میں لوگ شاید کبھی نہ جان سکیں کہ وہ پاکستان اور پاکستانی عوام سے کس قدر محبت کرتی تھیں۔ ان کی یادداشت بہت زبردست تھی۔ اگر آپ انہیں سالگرہ پر کوئی معمولی سا بھی گفٹ بھیجیں تو وہ بھی اس کا جواب ضرور دیتی تھیں۔ سیاست اور دنیا کے دیگر موضوعات پر ان کا علم اور معلومات بہت وسیع تھیں۔''

دبئی میں مقیم ان کی ایک اور دوست تہمینہ گل نے بی بی کے بارے میں کہا کہ ''دبئی میں میری بیٹی کی سالگرہ کی تقریب میں بی بی آئی تھیں اور بہت خوش تھیں۔ تقریب میں شریک تقریباً 200 مہمانوں سے گھل مل گئیں۔ وہ شاپنگ کی شوقین تھیں اور ان کے دوست بہت تھے۔ انہیں گھر کی سجاوٹ کا بھی بہت شوق تھا۔''

Marfat.com

شاید ہمارا خاندان دنیا میں قربانیاں دینے کیلئے آیا ہے

بے نظیر کی کتاب ''دختر مشرق'' سے ایک اقتباس

شاہنواز کے قتل کے بعد جب میں نے پاکستان جانے کا فیصلہ کیا تو میری والدہ نے تقریباً چیختے ہوئے کہا:
''پنکی'' تم ہرگز واپس نہیں جاؤ گی۔ میں پہلے ہی اپنے بیٹے شاہنواز سے محروم ہو چکی ہوں اب میں اپنی بیٹی کو کھونا نہیں چاہتی۔ میں نے والدہ سے کہا: ''شاہنواز نے میرے لیے بہت کچھ کیا'' مگر میں کبھی اسے نہ پوچھ سکی کہ میں اس کے لیے کیا کر سکتی ہوں۔ کافی عرصہ پہلے جب وہ لاڑکانہ آیا تھا تو مجھ سے پوچھتا تھا کہ بابا کو کہاں دفنایا گیا ہے مجھے وہاں لے چلو میں ان کے مزار کی تصویر بنانا چاہتا ہوں۔''
مجھے یاد ہے کہ 21 اگست 1985ء کو میں شاہنواز کی میت لے کر پاکستان آئی تھی۔ ضیاء الحق کی حکومت نے نہ چاہتے ہوئے بھی ہمیں اجازت دے دی تھی کہ شاہنواز کو لاڑکانہ دفن کر سکیں۔ ضیاء حکومت کو چونکہ اندیشہ تھا کہ اس موقع پر لوگ جذباتی ہو کر ہنگامہ آرائی کر سکتے ہیں لہٰذا اس نے کراچی سے موہنجوداڑو بذریعہ پرواز میت لے جانے کی اجازت دی۔ ضیاء حکومت چاہتی تھی کہ شاہنواز کو فوری طور پر سپرد خاک کر دیا جائے مگر حکومت کو معلوم نہیں تھا کہ جس بچے کو وہ عجلت میں دفنانا چاہتی ہے دنیا میں اس کی کس قدر مقبولیت تھی۔ اس 27 سالہ نوجوان کی موت پر دنیا کے اہم ممالک کے سربراہان نے تعزیت کی۔ شاہنواز کی آخری رسومات میں شرکت کے لیے

Marfat.com

ہزاروں لوگ گاڑیوں' موٹر سائیکلوں' ٹرکوں' اونٹ گاڑیوں پر سوار ہو کر آئے۔ پیدل آنے والوں کا شمار ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس موقع پر شاہ نواز شہید کی بڑی بڑی تصاویر بھی سینکڑوں میل پیدل چل کر آنے والوں کے ہاتھوں میں تھیں۔ اس سے پہلے ہمارے خاندانی مولوی نے شاہ نواز کو غسل دیا تھا جس کے بعد میں نے اپنے گھریلو ملازمین سے کہا تھا کہ وہ شاہ کی میت ڈرائینگ روم میں لائیں تاکہ وہاں موجود رشتہ دار اس کی مغفرت کے لیے دعا کر سکیں۔ آخر وہ لمحات بھی آ گئے جب میں نے شاہ نواز کو خدا حافظ کہنا تھا۔

یہ لمحات بڑے دردناک تھے جب ایمبولینس اس کی میت لے کر جانے لگی تو میں دوڑ کر اس کے پیچھے گئی اور ملازمین سے کہا وہ کچھ دیر کے لیے شاہ نواز کو واپس لائیں میں نہیں چاہتی تھی کہ میرا چھوٹا اور پیارا بھائی اتنی جلدی مجھ سے جدا ہو جائے۔ بالآخر جب اس کی ایمبولینس گیٹ کے قریب سے گزری تو وہاں کھڑی سوگوار خواتین نے اس کے لیے باآواز بلند دعا کی اور پھر میرا بھائی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں سوچتی ہوں کہ آخر ہمارے خاندان کے افراد ہی ظلم کا شکار کیوں بنتے ہیں' میرے باپ کو برداشت کیا گیا نہ میری والدہ کو برداشت کیا گیا۔ اگر ماضی سے حال تک ایک نظر ڈالوں تو ہمارا خاندان ہمیشہ آزمائشوں کی چکی میں پستا رہا۔ شاید میرا خاندان قربانیاں دینے کے لیے ہی پیدا ہوا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

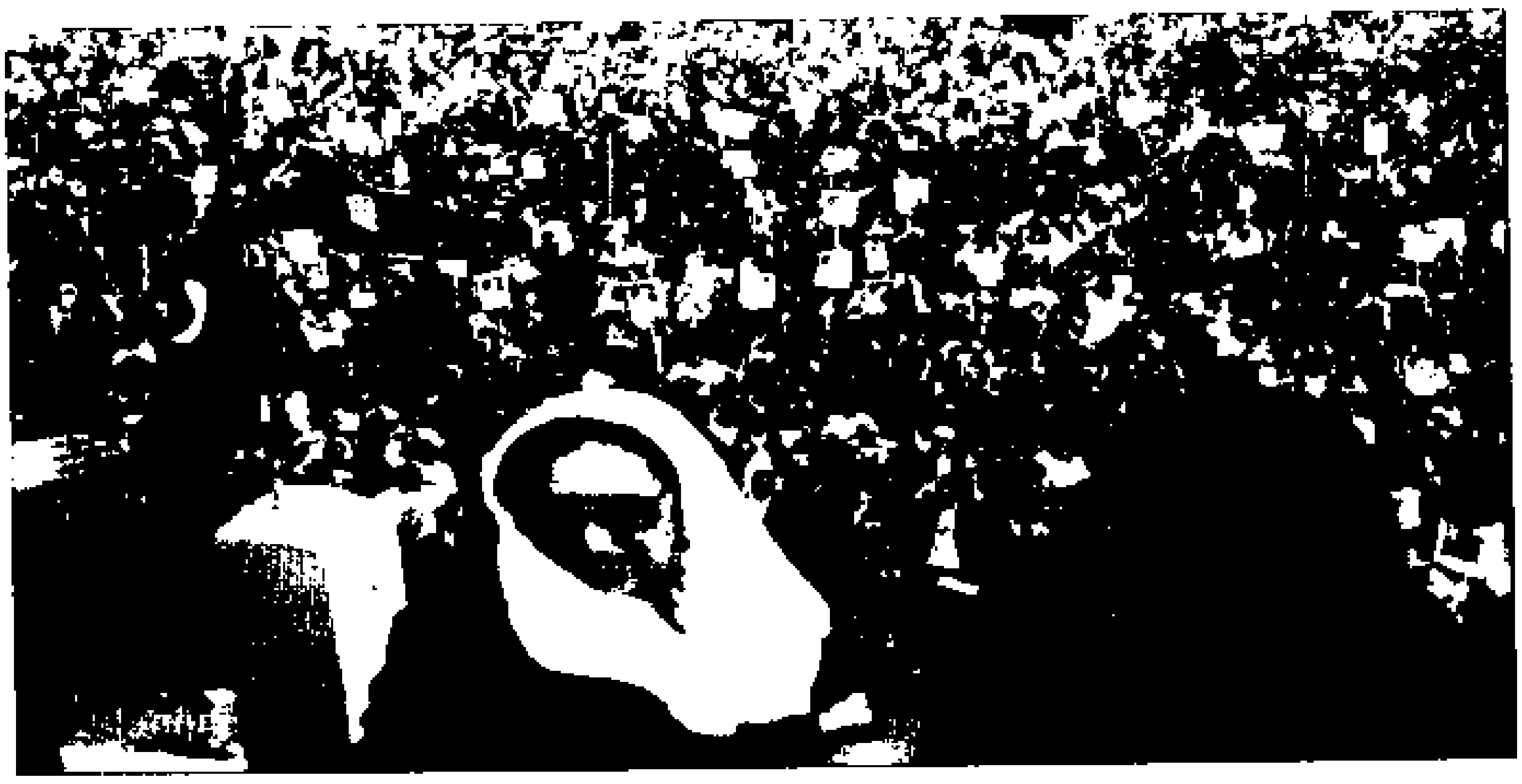

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

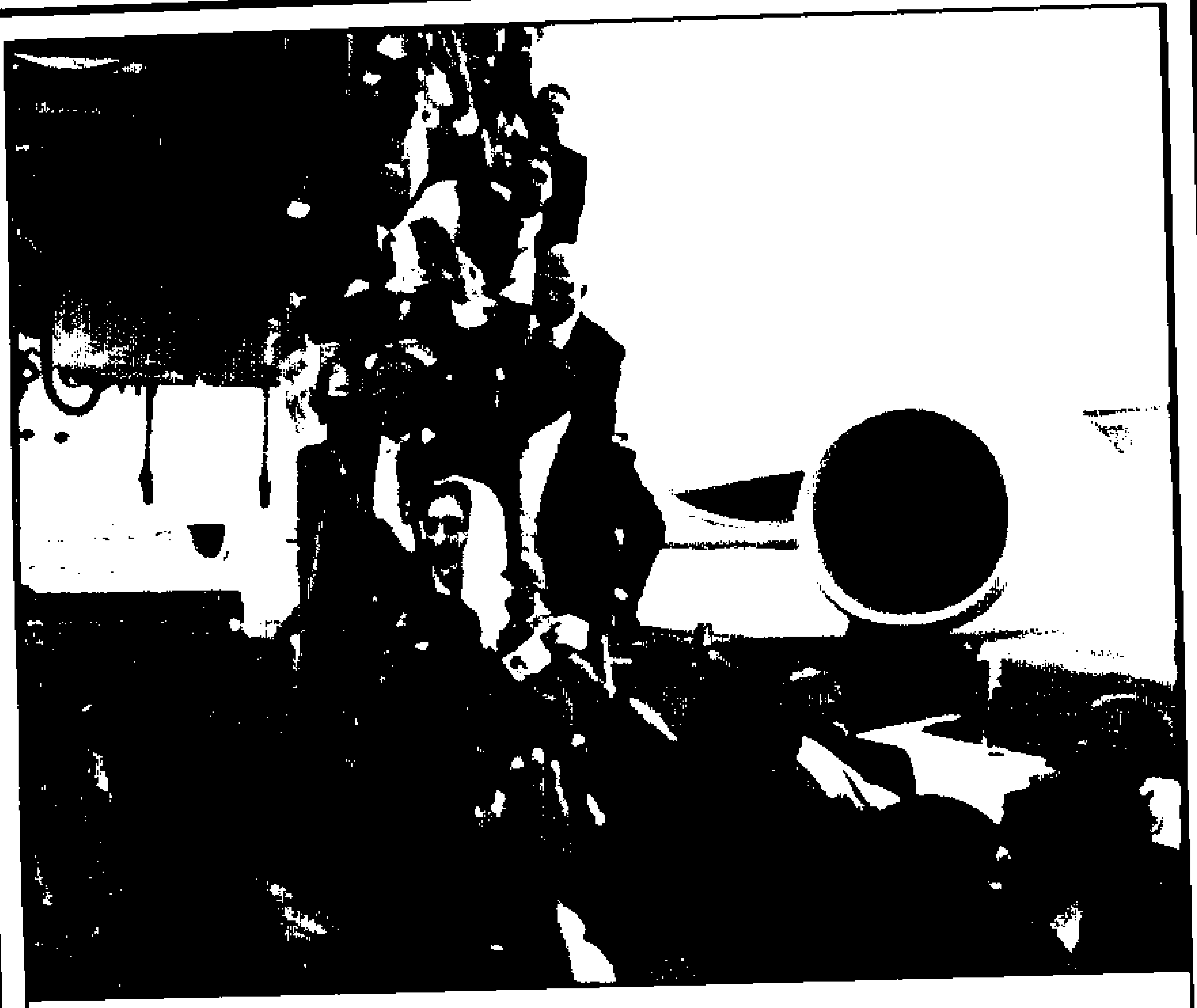

Marfat.com

بے نظیر بھٹو کی پاکستان واپسی

پھر آ گئی ہے ظلم کی زنجیر توڑ کر پھر چھا گئی ہے جبروتشدد پر بے خطر
محنت کشوں کے دیس کی تقدیر بینظیر اے فخر ایشیاء تیری تصویر بینظیر

پیپلز پارٹی کی چیئر پرسن اور سابق وزیراعظم بینظیر بھٹو ساڑھے آٹھ سالہ جلاوطنی ختم کر کے 18 اکتوبر کو کراچی پہنچیں۔ انہوں نے امارات ایئر لائنز کی پرواز سے دوپہر ایک بجے کراچی ایئر پورٹ پر لینڈ کیا' اس موقع پر ان کے ہمراہ ایک 200 رکنی وفد بھی تھا۔ جس میں ملکی اور غیر ملکی صحافی شامل تھے۔ پنجاب' سندھ' سرحد' بلوچستان اور آزاد کشمیر سمیت ملک بھر سے پیپلز پارٹی کے کارکن اپنی قائد کا استقبال کرنے کراچی پہنچ چکے تھے جس کے باعث شہر میں جشن کا سماں تھا۔ بینظیر بھٹو کی آمد کے حوالے سے سیکورٹی انتظامات کو حتمی شکل دے دی گئی تھی۔ ایئر پورٹ سے شاہراہ قائدین اور بلاول ہاؤس تک پولیس اور دیگر قانون نافذ کرنے والے اداروں کی بھاری نفری تعینات تھی۔ حکومت سندھ کے ذرائع کے مطابق منگل کو پاکستان پیپلز پارٹی کے رہنما اور محکمہ داخلہ سندھ کے اعلیٰ حکام کے درمیان منعقدہ اجلاس میں اس بات پر کسی حد تک اتفاق پایا گیا تھا کہ استقبال میں آنے والے لوگوں کو ائرپورٹ کے نزدیک شاہراہ فیصل پر روکا جائے گا۔ حکومت سندھ کے حکام نے یہ تجویز دی تھی کہ استقبال کرنے والے ہجوم کو ایئر پورٹ سے دور روکا جائے۔ خاص طور پر گاڑیوں کو شاہراہ فیصل سے اندر ایئر پورٹ کی جانب نہ جانے دیا جائے کیونکہ ایسا کرنے سے بینظیر بھٹو کو ایئر پورٹ سے فوراً روانہ کیا جاسکے گا بصورت دیگر ہجوم یا گاڑیوں کے ایئر پورٹ تک آنے سے بینظیر بھٹو کو وہاں سے نکلنے میں کئی گھنٹے لگ سکتے ہیں۔ اس سے نہ صرف ایئر پورٹ آپریشنز متاثر ہوں گے بلکہ ایئر پورٹ کی تنصیبات کو بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ پیپلز پارٹی کی قیادت بھی یہی چاہتی تھی۔ بینظیر بھٹو اور جلوس کے اندر کے حفاظتی انتظامات پیپلز پارٹی کی ذمہ داری تھی جبکہ جلوس کے بیرونی حلقے کی ذمہ داری پولیس اور قانون نافذ کرنے والے دیگر اداروں کی

Marfat.com

تھی۔ ذرائع کے مطابق مرکزی جلوس کے راستوں اور ارد گرد سے آنے والے جلوسوں کی حفاظت کے لیے 20 ہزار سے زائد پولیس اور رینجرز کے اہلکار تعینات کیے گئے تھے۔
بینظیر بھٹو کی وطن واپسی کے موقع پر کراچی پولیس کے جانب سے حتمی سیکورٹی پلان ترتیب دے دیا گیا تھا۔ محکمہ داخلہ کی جانب سے شہر میں سات دن کے لیے دفعہ 144 نافذ کر دی گئی تھی جبکہ اسلحہ کی نمائش پر بھی پابندی تھی۔ قافلوں کی کراچی آمد کے بعد کراچی کا سیاسی ماحول ہی تبدیل ہو گیا تھا۔ مزید برآں سیکورٹی کے اقدامات کے طور پر بم ڈسپوزل سکواڈ کی سات ٹیمیں تشکیل دے دی گئیں تھیں۔ جلوس کے راستے اور جلسہ گاہ کو بھی بم ڈسپوزل سکواڈ کلیئر کر رہا تھا جبکہ کراچی ایئر پورٹ کے جناح ٹرمینل آنے جانے کے لیے صرف ایک راستہ چھوڑا گیا تھا۔ بینظیر بھٹو وطن واپسی پر بلٹ پروف ٹرک پر سوار ہو کر استقبالی جلوس کی قیادت کر رہی تھیں اور اس ٹرک کی حفاظت کے لیے پانچ ہزار رضا کار اور سینکڑوں پولیس اہلکار مقرر تھے۔ یہ تمام انتظامات پیپلز پارٹی کی خصوصی سیکورٹی ٹیم کے رکن آغا سراج درانی نے کئے تھے۔ اس خصوصی سیکورٹی ٹیم میں ذوالفقار مرزا' جنرل ریٹائرڈ احسان احمد' آغا سراج درانی اور عامر مگسی شامل تھے۔ آغا سراج درانی نے بتایا تھا کہ بینظیر کی سواری کے لیے ٹرک کو خصوصی طریقے سے تیار کیا گیا ہے اور ان کے شیشوں کی دیواروں پر رائفل کی گولیاں' راکٹ لانچر اور دھماکہ خیز مواد تجرباتی بنیادوں پر استعمال کیا گیا ہے۔ بینظیر بھٹو کی سیکورٹی ٹیم اور حکومت سندھ کے حکام کے درمیان اٹھارہ اکتوبر کے جلوس کو محفوظ بنانے کے حوالے سے پانچ مشترکہ اجلاس کراچی میں ہوئے تھے۔ بینظیر کی سیکورٹی ٹیم نے کراچی ایئر پورٹ سے براستہ شاہراہ فیصل مزار قائد تک پندرہ مقامات کی نشاندہی کی تھی جو اٹھارہ اکتوبر کو سیکورٹی رسک بن سکتے تھے۔
آغا سراج درانی نے بتایا انہوں نے اٹھارہ اکتوبر کے جلوس کی نگرانی کے لیے پولیس فورس کی ہیلی کاپٹر پٹرولنگ کا مطالبہ بھی کیا تھا اور شاہراہ فیصل کے بعض اپارٹمنٹس کی چھتوں پر پولیس اور جانثار فورس کے مشترکہ جتھے مقرر کرنے کی بھی سفارش کی تھی۔
اٹھارہ اکتوبر کو بینظیر بھٹو کے حفاظتی انتظامات کی نگرانی ان کے شوہر آصف زرداری خود کر رہے تھے۔

Marfat.com

بینظیر بھٹو نے کہا تھا کہ میری وطن واپسی کا صدارتی انتخاب اور مفاہمتی آرڈیننس سے کوئی تعلق نہیں' مشکل میں گھرے پاکستان کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔کوئی سچا مسلمان مجھ پر خودکش حملہ نہیں کرے گا۔اٹھارہ اکتوبر کو وطن واپس جانے کا وعدہ پورا کروں گی' مجھے ذوالفقار علی بھٹو کی فکری رہنمائی حاصل ہے۔ ملک کو بچانے کے لیے انتخابات کے علاوہ کوئی راستہ نہیں۔ ہمیں اپنا طرز سیاست اور حکومت بدلنا ہوگی۔ اگر الیکشن میں دھاندلی ہوئی تو تمام جماعتیں مل کر احتجاج کریں گی۔ میں حکومت عرب امارات کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جنہوں نے میرے بچوں کو رہنے کی اجازت دی۔ پاکستان میں دہشت گردی پر دل خون کے آنسو روتا ہے۔ مجھے واپسی موخر کرنے کا مشورہ دیا جارہا ہے لیکن میں عوام سے کیا گیا وعدہ پورا کروں گی۔ پاکستان میں آمریت اور لاقانونیت ختم کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے بہت مشکلات دیکھی ہیں۔ پاکستان کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔ ہم منتخب اسمبلیوں کو آزاد کرانا چاہتے ہیں۔ ہمسایہ ممالک سے دوستی کے خواہشمند ہیں۔ میں قتل کی دھمکیوں سے خوف زدہ نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ملک میں افرتفری نہیں چاہتے اس لیے مذاکرات کا راستہ اختیار کیا۔ پیپلز پارٹی نے ہر قسم کی آمریت کے خلاف جدوجہد کی ہے' مشرف کو وردی اتارنا ہوگی۔ میری واپسی کا عدلیہ کے فیصلوں سے کوئی تعلق نہیں۔ میری وطن واپسی کا فیصلہ آزادانہ تھا جس کا صدارتی انتخاب اور مفاہمتی آرڈیننس سے کوئی تعلق نہیں۔ پیپلز پارٹی باوردی صدر کے ساتھ نہیں چل سکتی۔ ہم نے جمہوریت کے لیے مذاکرات کیے' ڈیل نہیں کی۔ میں اپنے استقبال کے لیے کراچی آنے والے کارکنوں کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ بینظیر بھٹو نے کہا کہ آصف زرداری نے بغیر کسی سزا کے آٹھ سال جیل میں کاٹے اور میری کئی برسوں سے کردار کشی کی گئی۔ پیپلز پارٹی کے کارکنوں کو ڈرایا دھمکایا نہیں جاسکتا دوسری پارٹیوں نے ڈیل کی مگر ہم نے کوئی ڈیل نہیں کی اور بحالی جمہوریت کے لیے مذاکرات کیے۔ نہ پاکستان مجھ سے دور ہوسکتا ہے اور نہ میں پاکستان سے دور ہوسکتی ہوں۔ پاکستان میرا ایمان اور پاکستان کی عوام میری جان ہیں۔ انہوں نے کہا کہ کراچی سے لے کر وزیرستان تک حالات خراب ہیں۔ انتہاپسندی کو روکنے کے لیے قبائلی علاقوں میں اصلاحات کا پروگرام شروع

Marfat.com

کرنا ہوگا۔ مسائل کا واحد حل جمہوریت سے ہی ممکن ہے ملک میں آمریت کا خاتمہ ہونا چاہیے۔ صدر جنرل پرویز مشرف سپریم کورٹ کے سامنے حلف اٹھانے سے قبل وردی اتارنے کا وعدہ کر چکے ہیں اور یہ عوام کی کامیابی ہے۔ آئندہ عام انتخابات منصفانہ ہوئے تو فیصلہ عوام کا ہوگا۔ لیکن انتخابات میں دھاندلی ہوئی تو سب سیاسی جماعتیں احتجاج کریں گی۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ قومی مفاہمت کے آرڈیننس پر مداخلت کرنے والی سپریم کورٹ نے سابق وزیراعظم نواز شریف کی طرف سے چالیس ۔ وٹ کیس سعودی عرب لے جانے اور ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے معاملے میں مداخلت نہیں کی جو دوہرے معیار کا مظاہرہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ انتقام کی سیاست پر یقین نہیں رکھتیں اور اختر مینگل اور تمام بلوچ رہنماؤں کی رہائی کے حق میں ہیں۔ سندھ کے وزیراعظم کو پھانسی دے دی گئی اور پنجاب کے وزیراعظم کو چھوڑ دیا گیا۔ کیا یہ انصاف ہے۔

Marfat.com

بینظیر بھٹو کا شاندار استقبال

روشن مثال صبحِ وفا بے نظیر ہے !
یعنی متاعِ دستِ دعا بے نظیر ہے !
کس نے صلیبِ وقت پہ لکھا ہے خون سے
اس ملک کا نصیب سدا بے نظیر ہے

18 اکتوبر کو سابق وزیراعظم بینظیر بھٹو تقریباً ساڑھے آٹھ سالہ جلاوطنی کے بعد وطن واپس پہنچیں تو کراچی ائیر پورٹ پر لاکھوں کارکنوں نے ان کا والہانہ استقبال کیا۔ ائیر پورٹ پہنچتے ہی بینظیر فرطِ جذبات اور خوشی سے آبدیدہ ہوگئیں۔ انہیں قرآن پاک کے سائے میں طیارے سے نیچے لایا گیا پرجوش کارکن رکاوٹیں توڑتے ہوئے ٹرمینل تک پہنچ گئے۔ کراچی آمد کے بعد بینظیر بھٹو کا قافلہ مزار قائد کی جانب روانہ ہوا۔ بینظیر بھٹو جب ایمریٹس ائیرلائن کی پرواز EK-606 سے مقررہ وقت سے 45 منٹ تک رن وے پر آہستہ آہستہ چلنے کے بعد ٹھیک 2 بجے جناح ٹرمینل پر پارک ہوا اور 2 بج کر 11 منٹ پر بینظیر بھٹو طیارے سے باہر آئیں۔ ان کے جناح ٹرمینل کی حدود میں قدم رکھتے ہی فضا ''جئے بینظیر'' ''جئے بینظیر'' کے نعروں سے گونج اٹھی۔ بینظیر بھٹو اپنے استقبال کے لیے آنے والے پارٹی رہنماؤں اور پاکستان کی دھرتی پر قدم رکھتے ہوئے آبدیدہ ہوگئیں۔ اس موقع پر انہوں نے روتے ہوئے ملک کی خوشحالی اور سلامتی کے لیے دعا بھی مانگی۔ طیارے کے کراچی ائیر پورٹ پر لینڈ کرتے ہی طیارے میں سوار پیپلز پارٹی کے رہنماؤں نے ''ویلکم بینظیر ویلکم بینظیر'' کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ اس موقع پر ائیر پورٹ سیکورٹی فورس کے اہلکاروں نے مکمل طور پر بینظیر بھٹو کو اپنے حصار میں

Marfat.com

لے لیا بعد ازاں بینظیر بھٹو مخدوم امین فہیم' رحمٰن ملک اور ناہید خان کے ہمراہ وی آئی پی لاؤنج میں چلی گئیں۔ ان کے استقبال کے لیے لاکھوں افراد ائیر پورٹ کے اردگرد جمع تھے۔ جو نعرے لگاتے رہے۔ بینظیر کی کراچی آمد سے پہلے ہی جیالے ان پر متعدد بار پولیس اور رینجرز کی لاٹھی چارج کے باوجود سیکورٹی کے تمام حصار توڑ کر ٹرمینل کے اندر پہنچ چکے تھے۔ بینظیر بھٹو وی آئی پی لاؤنج سے باہر آ کر خصوصی طور پر تیار کردہ فلوٹ میں بیٹھ گئیں۔ ان کے فلوٹ پر آتے ہی لاکھوں کارکنان اور ورکرز نے ان کے استقبال میں والہانہ انداز میں نعرے لگانے شروع کر دیئے کارکنوں کو کنٹرول کرنے کے لیے بینظیر کی ذاتی سیکورٹی پر مامور پیپلز یوتھ' پی ایس ایف' سپاف اور دیگر فورس نے اپنے ہی کارکنوں پر مجبوری میں لاٹھی چارج کیا لیکن جیالے لاٹھیاں کھاتے ہوئے بھی بینظیر بھٹو کے فلوٹ کے قریب پہنچ گئے اور تمام رکاوٹیں توڑ دیں۔ کارکنوں کو قریب دیکھ کر اور پر جوش نعرے لگانے پر محترمہ بینظیر بھٹو نے ہاتھ ہلا کر نعروں کا جواب دیا۔ جس کے بعد کارکن ڈسپلن میں آ گئے اور زبردست جوش وخروش کے ساتھ نعرے لگاتے رہے اور رقص کرتے رہے۔ ٹرک پر بینظیر بھٹو کے ساتھ مخدوم امین فہم' یوسف رضا گیلانی' قائم علی شاہ' رضا ربانی' نوید قمر' نثار کھوڑو' شیری رحمان' ناہید خان' راجہ پرویز اشرف' مراد علی شاہ' قاسم ضیا' آغا سراج درانی' ذوالفقار مرزا' رحمان ملک اور دیگر فیڈرل کونسل کے اراکین بھی موجود تھے۔ ٹرک پر بینظیر بھٹو کی سیکورٹی کے لیے بلٹ پروف شیشے لگائے گئے تھے لیکن وہ عوام کے ہجوم کو دیکھ کر سیکورٹی کی پرواہ کیے بغیر ٹرک پر لگائے گئے بلٹ پروف شیشوں کے احاطے سے باہر آ گئیں اور پارٹی کے عہدیداران کے ساتھ کھڑی ہوگئیں۔ وہ بہت ہی خوش دکھائی دے رہی تھیں اور اپنے موبائل فون سے مختلف ایس ایم ایس بھی کرتی رہیں۔ بینظیر بھٹو کے ائیر پورٹ سے باہر آتے ہی سٹار گیٹ اور دیگر جگہوں سے تمام رکاوٹیں آہستہ آہستہ ہٹا دی گئیں اور پھر بینظیر بھٹو کا قافلہ جلسہ گاہ کی طرف رواں دواں ہوگیا۔ ان کے استقبال کے لیے ملک بھر سے قافلے کراچی پہنچے تھے۔ استقبال کے

Marfat.com

دوران چاروں ملک کی تمام ثقافتوں کا رنگ واضح طور پر نظر آ رہا تھا۔ سڑک پر بے پناہ رش کے باعث کارکنان ناتھا خان سے ایئر پورٹ تک پیدل چل کر وہاں پہنچے۔ سخت ترین گرم دن کے باوجود لوگ دن بھرا کتارہ' چپڑی (روایتی سندھی ساز) اور ڈھول کی تھاپ پر ڈانس کرتے رہے۔ اس موقع پر سخت حفاظتی انتظامات کیے گئے تھے اور ان کے فلوٹ کو پولیس اہلکاروں' رینجرز اور بینظیر بھٹو کے جانثاروں نے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ ان کا قافلہ عوام کی بڑی تعداد کے باعث بہت ہی سست رفتاری سے اپنی منزل کی طرف گامزن رہا۔ صرف ٹرمینل ون سے سٹار گیٹ تک دو فرلانگ کا سفر قافلے نے تین گھنٹوں میں طے کیا۔ پرانے ایئر پورٹ کے زیادہ تر حصے کو کناتیں لگا کر بند کر دیا گیا تھا۔ شاہراہ فیصل کے دونوں ٹریک پر لاکھوں افراد کا جلوس ہونے کے باعث صرف سر ہی نظر آ رہے تھے۔ ہر طرف جشن کا سماں تھا۔ اسی دوران فضا میں مسلسل سیکورٹی ہیلی کاپٹرز پرواز کرتے رہے۔ کارکنوں نے بڑے بڑے پارٹی پرچم' بینرز ذوالفقار علی بھٹو بینظیر بھٹو کی تصاویر اٹھا رکھی تھیں۔ رش کے باعث شہر میں ٹریفک جام رہی۔ پیپلز پارٹی کے کارکن مٹھائیاں تقسیم کرتے رہے۔ اس موقع پر چراغاں اور آتشبازی کا مظاہرہ بھی جاری رہا۔ ایئر پورٹ کے ٹرمینل ون حج ٹرمینل اور اولڈ ایریا سمیت 8 راستوں کو مکمل طور پر سیل کر دیا گیا تھا اور حفاظتی انتظامات کے حوالے سے ایئر پورٹ کے اطراف میں 10 ہزار پولیس اہلکار اور اڑھائی ہزار رینجرز اہلکار تعینات تھے۔ ان کے ساتھ جرمنی سے منگوائے گئے سراغ رساں کتے بھی موجود رہے۔ بعض مواقع پر مجمع کو کنٹرول کرنے کے لیے پولیس اور ایئر پورٹ سیکورٹی فورس کے اہلکاروں کو ہلکا لاٹھی چارج بھی کرنا پڑا۔

بینظیر نے نجی ٹی وی سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ وہ انتقامی سیاست میں یقین نہیں رکھتیں اور سیاست میں رواداری اور برداشت کا مظاہرہ ہونا چاہیے۔ پیپلز پارٹی اپنی ماضی کی غلطیوں سے سبق سیکھے گی اور اچھے کاموں کو دہرائے گی۔ انہوں نے کہا کہ جمہوریت میں اختلاف رائے ہوتا ہے لیکن اختلاف رائے کا یہ مطلب نہیں کہ اسلحہ اٹھایا

Marfat.com

جائے یا تشدد کا راستہ اختیار کیا جائے انہوں نے کہا کہ سیاسی جماعتیں ایک دوسرے کا ساتھ دیں گی تو اس سے ملک کا فائدہ ہوگا۔اگر پاکستان ہے تو ہم سب ہیں۔انہوں نے ناظم کراچی کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے ان کی آمد پر تعاون کیا ہے۔انہوں نے کہا کہ وردی اور جمہوریت ایک ساتھ نہیں چل سکتی۔قوم کو ان میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ بینظیر بھٹو نے کہا کہ لاہور کے استقبال میں دس لاکھ لوگ آئے تھے اور آج تیس لاکھ لوگ موجود ہیں۔ائیر پورٹ پر صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے بینظیر بھٹو نے کہا کہ میں روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ لے کر وطن واپس آئی ہوں۔عوام نے مجھ سے جو توقعات وابستہ کر رکھی ہیں ان پر پورا اتروں گی۔ مجھے مجبوراً جلاوطنی کی زندگی بسر کرنا پڑی۔ بینظیر بھٹو نے کہا کہ میری حفاظت اللہ اور پاکستانی عوام کریں گے۔ لاکھوں افراد کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر نے جمہوریت اور پیپلز پارٹی کے حق میں اپنا فیصلہ سنا دیا ہے۔ملکی اور غیر ملکی صحافیوں سے پرانے ائیر پورٹ کے مہران لاؤنج میں بات چیت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ پیپلز پارٹی نے مذاکرات کے دوران کامیابی حاصل کی اور تکنیکی طور پر جنرل مشرف کی وردی مذاکرات کے نتیجے میں اتروا دی۔جس بارے میں جنرل مشرف سپریم کورٹ میں بیان حلفی بھی دے چکے ہیں۔

Marfat.com

18 اکتوبر کو کراچی کے استقبالی جلوس میں بینظیر کو ہلاک کرنے کی کوشش

پیپلز پارٹی کی سربراہ بینظیر بھٹو کی وطن واپسی کے جلوس میں کراچی کے علاقے کارساز کے قریب 18 اکتوبر 2007 کو تقریباً رات بارہ بجے دو خودکش بم دھماکوں میں 140 افراد جاں بحق اور سینکڑوں زخمی ہو گئے تھے۔ جن میں 20 پولیس اہلکار بھی شامل تھے۔ زخمیوں میں پیپلز پارٹی کی مرکزی رہنما بیگم عابدہ حسین بھی تھیں۔ تفصیلات کے مطابق پیپلز پارٹی کی سربراہ بینظیر بھٹو کی وطن واپسی کے جلوس میں بینظیر کے سامنے والی گاڑی میں دو خودکش بم دھماکوں میں 140 افراد جاں بحق' سینکڑوں زخمی ہوئے' دھماکوں سے انسانی اعضا دور دور تک بکھر گئے' ہر طرف چیخ و پکار تھی' پہلے دھماکے کے فوری بعد دوسرا دھماکہ ہوا۔ دھماکے بے نظیر بھٹو کے ٹرک کے سامنے ہوئے تاہم خوش قسمتی سے سابق وزیراعظم' پیپلز پارٹی کی مرکزی قیادت اور ان کے ساتھی محفوظ رہے تھے۔ بعدازاں پارٹی کے صدر مخدوم امین فہیم اور دیگر رہنما محترمہ بینظیر بھٹو کو دوسری کار میں بلاول ہاؤس لے گئے' جس کے بعد مزار قائد کے سامنے ہونے والا جلسہ عام منسوخ کر دیا گیا۔ پیپلز پارٹی کے سینکڑوں کارکن بھی ہسپتال پہنچ گئے۔ لوگوں سے خون کا عطیہ دینے کی اپیل کی گئی۔ دھماکے سے پولیس وین میں آگ لگ گئی' جس میں موجود متعدد پولیس اہلکار زندہ جل گئے ایک کار بھی جل کر خاک ہوگئی۔ اس کے علاوہ تین پولیس موبائلوں کو بھی نقصان پہنچا۔ پیپلز پارٹی کی رکن قومی اسمبلی فوزیہ وہاب کے مطابق دھماکے کے وقت بینظیر بھٹو کے ساتھ خصوصی ٹرک پر 30 کے قریب رہنما موجود تھے۔ دھماکے کے بعد بینظیر بھٹو غم سے نڈھال ہوگئیں۔ بعض افراد کو بم کے ٹکڑے لگے۔ دھماکوں کے بعد جلوس

Marfat.com

کے شرکا میں افراتفری پھیل گئی۔ لوگوں نے محفوظ مقامات کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ بینظیر بھٹو کے سیکورٹی ایڈوائزر رحمٰن ملک نے بتایا تھا کہ دھماکہ کے دس منٹ پہلے بینظیر آرام کے لیے ٹرک کے اندر چلی گئی تھیں' تاہم دھماکہ کے فوری بعد انہیں ٹرک سے اتار کر بلاول ہاؤس پہنچا دیا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ دھماکہ کے بعد راجہ پرویز اشرف کے کپڑوں میں آگ لگ گئی۔ مخدوم امین فہیم گاڑی سے نیچے گر گئے جبکہ میرے بھی بال جل گئے۔ ٹرک کو بھی جزوی نقصان پہنچا۔

عینی شاہدین کے مطابق ایک شخص بم ہے' بم ہے چیختا ہوا آیا۔ لوگ مذاق سمجھے اور ہنسنے لگے۔ خودکش حملہ آور بینظیر کے ٹرک کو نشانہ بنانا چاہتا تھا لیکن ٹرک کے گرد سیکورٹی حصار کے باعث اسے موقع نہیں ملا اور وہ پولیس موبائل نمبر SP-6510 سے ٹکرا گیا' جس میں ایک انسپکٹر اور 4 اہلکار سوار تھے۔

Marfat.com

18 اکتوبر بم دھماکوں کے بارے میں حکومت کی رپورٹ

حساس اداروں نے سانحہ کراچی کی ابتدائی رپورٹ صدر جنرل مشرف کو پیش کی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ حملہ خودکش تھا اور اس کا براہِ راست نشانہ بینظیر بھٹو تھیں۔ لیکن بکتر بند گاڑی کی وجہ سے وہ محفوظ رہیں۔ خودکش حملوں کی کڑیاں چارسدہ اور آرمی میس میں ہونے والے دھماکوں سے ملتی ہیں۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ایک حملہ خودکش تھا جبکہ دوسرے کے حوالے سے مکمل شواہد ابھی تک نہیں مل سکے۔ خیال کیا جاسکتا ہے کہ پہلا دستی بم مجمع کو منتشر کرنے کے لیے پھینکا گیا تاکہ بینظیر کے ٹرک تک رسائی حاصل کی جاسکے۔ دوسرا حملہ بینظیر بھٹو کو نشانہ بنانے کے لیے کیا گیا ہے۔ رپورٹ میں حساس اداروں نے کہا ہے کہ انہی خطوط پر مزید تحقیقات کی جارہی ہیں اور گرفتاریاں عمل میں لائی جارہی ہیں۔ رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان خودکش دھماکوں کا تعلق چارسدہ خودکش حملے اور آرمی میس کے دھماکوں سے ملتی ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ حملہ آور کی ٹائمنگ بھی صحیح تھی، محترمہ اتفاقاً بلٹ پروف گاڑی کے اندر جانے کی وجہ سے بچ گئیں۔

حکومتی ذرائع نے اس حملہ کو خودکش اور طالبان کی کارروائی قرار دیا تھا لیکن بے نظیر اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھیں، ان کا مؤقف تھا کہ طالبان یا کوئی اور گروہ اندرونی سپورٹ کے بغیر مجھ پر حملہ نہیں کرسکتا۔ انہوں نے 18 اکتوبر کے بم دھماکوں کے بعد اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ ہمیں یہ نہ بتایا جائے کہ القاعدہ یا طالبان نے یہ حملہ کیا ہے بلکہ ہمیں یہ بتایا جائے کہ اس حملے کے آرگنائزر، فنانسرز اور سپانسرز کون ہیں۔ ایک دوسرے موقع پر انہوں نے کہا تھا پاکستان میں میری زندگی کو شدید خطرہ لاحق ہے میں ان افراد کو جانتی ہوں جو مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

Marfat.com

18 اکتوبر سانحہ کی بے نظیر بھٹو کی طرف سے ایف آئی آر

بینظیر بھٹو نے سانحہ کارساز کی ایف آئی آر ان کی مدعیت میں درج کرنے کے لیے بہادر آباد تھانے میں درخواست دی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ انہوں نے صدر جنرل پرویز مشرف کو 16 اکتوبر کو خط لکھ کر جن 3 اشخاص سے متعلق خدشات کا اظہار کیا تھا ان کو بم دھماکوں کے سلسلے میں شامل تفتیش کیا جائے' پولیس نے ان کی درخواست وصول کرنے کے بعد کہا تھا کہ ایک واقع کی 2 ایف آئی آرز درج نہیں کی جاسکتیں تاہم بینظیر بھٹو کی درخواست کو تحقیق کا حصہ بنایا جائے گا۔ بینظیر بھٹو کو لاحق سیکورٹی خدشات کے باعث یہ درخواست ان کی جانب سے پی پی پی کے رہنماؤں قائم علی شاہ' شیریں رحمان' نثار کھوڑو اور آفتاب شعبان میرانی' جمیل سومرو اور وقار مہدی نے بہادر آباد تھانے کے انچارج انسپکٹر عابد حسین شاہ کو جمع کرائی تھی۔ 2 صفحات پر مشتمل درخواست میں بینظیر بھٹو نے اپنی سابقہ حکومت کے خاتمے سے لے کر سانحہ 18 اکتوبر تک کے واقعات کا ذکر کیا ہے' تھانے میں درخواست جمع کرانے کے بعد قائم علی شاہ نے صحافیوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ بینظیر بھٹو کی جانب سے سانحہ کی دوسری ایف آئی آر درج کرائی جائے گی' انہوں نے بتایا کہ بینظیر بھٹو نے ایف آئی آر میں بتایا ہے کہ انہوں نے وطن واپسی سے تین روز قبل صدر مشرف کو خط لکھا تھا جس میں واضح کر دیا تھا کہ انہیں 3 افراد سے خطرہ ہے' انہوں نے بتایا کہ ان حملوں میں 3 سال کے بچے اور خواتین بھی شہید ہوئی ہیں اصل مدعی ہم ہیں لیکن حکومت نے اپنی مدعیت میں ایف آئی آر درج کرانے میں جلدی کی۔ ہم نے جو درخواست جمع کرائی ہے یہی اصل ایف آئی آر ہے' قائم علی شاہ نے کہا کہ ہم نے نام دے دیئے ہیں اور اب اس سے متعلق تفتیش کی جائے' اس سلسلے میں پولیس کا کہنا تھا کہ کراچی بم دھماکوں کا مقدمہ نمبر 183/07 پہلے ہی درج ہو چکا ہے اور واقعے کی ایک ایف آئی آر کے بعد مقدمے میں دوسری ایف آئی آر درج نہیں ہوتی پولیس کے مطابق واقعے کی ایف آئی آر بم دھماکوں کے 3 گھنٹے بعد تھانہ بہادر آباد کے ایس ایچ او عابد حسین شاہ کی مدعیت میں جمع کرائی جا چکی تھی۔

Marfat.com

بے نظیر بھٹو نے کن دشمنوں کے نام دیئے تھے

بینظیر بھٹو کی جانب سے بلاول ہاؤس میں ایک پریس کانفرنس کے دوران تین دشمنوں کے ذکر اور ان کے نام صیغۂ راز میں رکھنے کے بعد مختلف حلقوں میں متعدد قیاس آرائیاں شروع ہوگئی تھیں۔ بینظیر بھٹو نے اپنی ایک پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ وہ اپنے دشمنوں کو پہچانتی ہیں۔ ان کے نام لکھ کر انہوں نے صدر جنرل پرویز مشرف کو دے دیئے۔ خط میں پہلے ہی خدشات کا اظہار کیا تھا۔ ان کے اس بیان کے بعد مختلف لوگ ان کے متعدد مخالفین کی قیاس آرائیاں کرتے رہے۔ اس سلسلہ میں متعدد حلقے ان کی چند روز قبل کی پریس کانفرنس کا بھی حوالہ دیتے رہے، جس میں انہوں نے کہا تھا کہ فوج کے بعض ریٹائرڈ جنرلوں سے ان کو خطرہ ہے جو ملک میں جمہوریت نہیں چاہتے۔ ان حلقوں کا خیال ہے کہ ان کا ایک اشارہ غالباً آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل حمید گل کی طرف تھا جبکہ وہ ان جنرلوں کی بھی سخت مخالفت کرتی رہی ہیں جو سابق صدر جنرل ضیاء الحق کی حکومت کے دوران ان کے دستِ راست تصور کیے جاتے تھے۔ ایسے افراد میں جنرل ضیاء الحق کے صاحبزادے اعجاز الحق، جنرل اختر عبدالرحمان کے صاحبزادے اور وفاقی وزیر ہمایوں اختر کے نام بھی ان کے مخالفین میں شامل ہوسکتا ہے جبکہ انہوں نے اپنی حکومت کے دوران فوج سے میجر سطح کے بعض افسران کو ملازمت سے اس الزام پر نکالا تھا کہ وہ ان کے خلاف بنیاد پرستوں کی مدد کرتے رہے ہیں۔

بینظیر بھٹو نے اپنی سیکورٹی کے حوالے سے صدر مملکت کو لکھے گئے خط میں مجموعی طور پر چار افراد کے نام ظاہر کیے تھے، سولہ اکتوبر کے خط میں بینظیر بھٹو کی جانب سے صدر کو لکھے گئے خط میں چار نام دیئے گئے اور کہا گیا کہ جو لوگ ان کے خلاف سازش کرسکتے ہیں، ان میں صوبہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ چودھری پرویز الٰہی، گورنر پنجاب کے سیکرٹری حسن

Marfat.com

وسیم افضل اور ڈائریکٹر انٹیلی جنس بیورو بریگیڈیئر اعجاز شاہ کے نام شامل ہیں۔ خط کے آخر میں بینظیر بھٹو نے لکھا تھا کہ اگر ان پر کوئی خودکش حملہ کیا گیا تو اس کے ذمہ دار تین افراد ہوں گے، جن میں چوہدری پرویز الٰہی، بریگیڈیئر ریٹائرڈ اعجاز شاہ اور لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ حمید گل شامل ہوں گے۔ اسی طرح بینظیر بھٹو نے وسیم حسن کا نام نکال دیا۔ اس طرح مجموعی طور پر چار افراد کو بینظیر بھٹو نے خود پر قاتلانہ حملوں کے ذمہ دار قرار دیا۔ مبصرین کے مطابق بینظیر بھٹو نے حکومت کو بدنام کرنے کی کوشش کی اور یہ کہ لیفٹیننٹ جنرل ریٹائرڈ حمید گل کے حوالے سے مبصرین کا کہنا ہے کہ حمید گل آئی جے آئی کے قیام کے وقت ڈی جی آئی ایس آئی تھے اور آئی جے آئی بینظیر بھٹو کی جماعت کے خلاف قائم ہوئی تھی۔ مبصرین کے مطابق چاروں افراد کی نامزدگی کے پیچھے اہم وجوہات شامل ہیں۔

بینظیر بھٹو کے ان خیالات کے باعث ایوان صدر نے دوسرے آپشنز پر غور کرنا شروع کر دیا تھا کیونکہ بےنظیر بھٹو شہید بنیادی طور پر ایک مفاہمتی سمجھوتے کے تحت پاکستان واپس آئی تھیں لیکن پاکستان آ کر انہیں معلوم ہوا کہ یہاں حالات ایسے ہیں اگر الیکشن سے پہلے پرویز مشرف سے کوئی سمجھوتہ کیا جاتا ہے تو عوام اسے قبول نہیں کریں گے، اس لیے انہوں نے پہلے عوام کے پاس جانے کا فیصلہ کیا اور ان کی خواہش تھی کہ ہم پاکستان میں عوامی خواہشات کے خلاف قدم نہ اٹھائیں اور عوام کو اپنے ساتھ لے کر چلیں لیکن ایسے خفیہ ہاتھ جو پرویز مشرف سے بےنظیر بھٹو شہید کی مفاہمت نہیں چاہتے تھے انہوں نے مسلسل دوری پیدا کی اور آخر کار یہ دوری ان کی شہادت کی شکل میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہو گئی۔

سچ کی راہوں میں جو مر گئے ہیں
فاصلے مختصر کر گئے ہیں

Marfat.com

18 اکتوبر کے دھماکوں پر بینظیر بھٹو کا ردِعمل

بینظیر بھٹو کے جلوس میں دھماکوں اور وسیع پیمانے پر ہلاکتوں کے بعد بلاول ہاؤس میں بینظیر بھٹو نے ایک اہم اجلاس بلایا جو رات گئے تک جاری رہا' اجلاس میں پارٹی کی سینئر قیادت مخدوم امین فہیم' یوسف رضا گیلانی' شاہ محمود قریشی' چوہدری غلام عباس' صفدر عباسی' ناہید خان اور دیگر رہنماؤں نے شرکت کی تھی۔ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے بینظیر بھٹو نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا تھا کہ ان کی جانب سے ان کی حفاظت کے حوالے سے پہلے سے خدشات کے باوجود حکومت نے حفاظتی انتظامات میں غفلت کا مظاہرہ کیا جس سے یہ سانحہ رونما ہوا۔ دھماکے کی شدید الفاظ میں مذمت کی جاتی ہے۔ دھماکوں سے پیپلز پارٹی ڈرنے والی نہیں ہے' میری جماعت آج (جمعہ کو) اجلاس منعقد کر کے اپنے لائحہ عمل کا اعلان کرے گی۔ اس سانحہ کے بعد پیپلز پارٹی کے کارکن مشتعل ہو گئے تھے اور رات گئے مشتعل افراد نے کراچی میں سپر ہائی وے پر ایک پٹرول پمپ کو آگ لگا دی اور سڑک بلاک کر دی۔ شہر کے مختلف علاقوں میں مشتعل افراد نے ہنگامہ آرائی کی اور گاڑیوں پر پتھراؤ کیا تھا۔ بینظیر بھٹو کے شوہر آصف علی زرداری نے ایک نجی ٹی وی سے گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا کہ حکومت اس سانحہ کی ذمہ دار ہے۔ ہمیں حکومت سے مفاہمت پر دوبارہ سوچنا پڑے گا۔ حملہ خودکش نہیں تھا' یہ ایجنسیوں نے کرایا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ بینظیر بھٹو نے صدر مشرف کو ایک خفیہ خط لکھا تھا جس میں ان کو بتایا تھا کہ مجھے ان لوگوں سے خطرہ ہے اور اگر انہیں کچھ ہوا تو یہ لوگ اس واقعہ کے ذمہ دار ہوں گے۔ آصف زرداری نے اس وقت ان افراد کے نام بتانے سے انکار کیا تھا۔ تاہم انہوں نے کہا تھا کہ اگر بینظیر نے اجازت دی تو میں ان کے نام ظاہر کر دوں گا۔ انہوں نے کہا کہ دہشتگرد ہمیں کیوں نشانہ بنا رہے ہیں' اللہ کی طاقت بہت بڑی ہے وہ

Marfat.com

ہماری حفاظت کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ اس واقعہ کے بعد ہمیں دوبارہ سوچنا پڑے گا۔ حکومت کے اندر عناصر نے یہ دھماکے کرائے ہیں۔ ہمیں سوچنا پڑے گا کہ کیا یہ ہماری مدد کر رہے ہیں یا ہمیں کمزور کر رہے ہیں۔ یہ دھماکے جمہوریت کو سبوتاژ کرنے کی کوشش ہے۔ اس موقع پر سابق وزیر اعظم میاں نواز شریف نے کہا تھا کہ کراچی میں بینظیر بھٹو کے جلوس میں دھماکوں سے انہیں شدید دکھ ہوا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا سانحہ ہے۔ پاکستان سے دوبارہ جلاوطن کیے جانے کے بعد کسی بھی چینل پر پہلی بار گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ میری تھوڑی دیر قبل ہی بینظیر بھٹو سے فون پر بات چیت ہوئی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ بالکل محفوظ ہیں۔ دھماکوں کے پس پردہ محرکات کے بارے میں سوال پر انہوں نے بتایا تھا کہ اس بات کا زیادہ بہتر جواب تو جنرل مشرف ہی دے سکتے ہیں۔ حکومت کو ایسے واقعات کی اطلاعات تھیں اور اس حوالے سے فول پروف انتظامات کیے جانے چاہئیں تھے۔ اپنی وطن واپسی کے سوال پر انہوں نے کہا کہ میں اس موقع پر اس بات کا جواب دینا مناسب نہیں سمجھتا' صرف جذبات کا اظہار کرنا چاہ رہا ہوں۔ تاہم پاکستان اور مجھ سے اور مجھے پاکستان سے دور نہیں رکھا جا سکتا۔ اس سوال کے جواب میں کہ قومی مفاہمت کے لیے کیا آپ اپنے بدترین سیاسی مخالف کے ساتھ بھی مل سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا میں پاکستان کی بہتری کے لیے کوئی اقدام بھی اٹھا سکتا ہوں۔

Marfat.com

حملے کے باوجود ملک میں ہی رہوں گی

18 اکتوبر کے حملے کے بعد بے نظیر بھٹو شہید کا اعلان

پاکستان پیپلز پارٹی کی چیئر پرسن اور سابق وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے اپنے قافلے پر خودکش حملے کے بعد اس کی مذمت کرتے ہوئے کہا تھا کہ حملے کے باوجود ملک میں ہی رہوں گی۔ یہ حملہ کسی فرد واحد پر نہیں بلکہ یہ ملک اور جمہوریت پر حملہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ جانوں کے نذرانے دینے کا مطلب ملک اور جمہوریت کو محفوظ بنانا ہے' ہم اپنی عظیم قوم کو دہشت گردوں کے ہاتھوں میں نہیں دے سکتے۔ ہمارے کارکنوں نے اپنی جانوں کی قربانی دی' خدا ان کی مغفرت کرے۔ انہوں نے بتایا کہ اس ہولناک حملہ میں 140 سے زائد معصوم لوگ جاں بحق ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ کوئی مسلمان عورت پر حملہ نہیں کرسکتا' میں خدا کی شکرگزار ہوں کہ اس نے پولیس اور بے نظیر جانثاروں کے ذریعے میری حفاظت کی۔ انہوں نے بتایا کہ میں نہیں چاہتی تھی کہ پارٹی کی ٹاپ قیادت میرے ساتھ ٹرک پر ہو کیونکہ میں جانتی تھی کہ مجھ پر حملہ ہوسکتا ہے لیکن رہنماؤں نے ٹرک پر جانے کی خواہش کی۔ انہوں نے بتایا کہ جب ہم شاہراہ فیصل پر پہنچے تو سورج غروب ہوگیا اور اسٹریٹ لائٹس بھی بند ہوگئیں' یہ حیرت انگیز بات تھی کیونکہ سیکورٹی کا معاملہ تھا' صدر کے ایڈوائزر طارق عزیز کو بتایا گیا کہ اسٹریٹ لائٹس بند ہوگئی ہیں اور ہماری سیکورٹی اندھیرے کی وجہ سے حملہ آور کو نہیں دیکھ سکے گی۔ انہوں نے کہا کہ یہ انتہائی سخت حملہ تھا کہ آرمرڈ ٹرک میں گڑھا پڑ گیا اور ہمارے 50 گارڈز مارے گئے۔ میرے ٹرک پر موجود تین افراد جاں بحق ہوئے جو اس حملے میں مار۔ ے گئے وہ ہمارا فخر ہیں۔ انہوں نے کہا اللہ نے ہماری حفاظت کی' ان کا کہنا تھا کہ برصغیر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کسی سیاسی رہنما پر بیک وقت کئی خودکش

Marfat.com

حملے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ کوئی اصلی مسلمان یہ کارروائی نہیں کرسکتا، معصوم لوگوں کو مارنا مذہب نہیں ہے، دہشت گرد اسلام کا نام مجروح کر رہے ہیں وہ پاکستان یا عوام کے خوابوں کو ختم کر رہے ہیں۔ یہ زمین انتہا پسندوں اور دہشت گردوں کی زمین نہیں ہے۔ یہ محنت کشوں، خواتین، اقلیتوں اور دانشوروں کی زمین ہے جو ملک کے لیے سوچتے ہیں۔ یہ حملہ کسی فرد واحد یا مجھ پر نہیں بلکہ جمہوریت اور ملک کے اتحاد پر تھا کیونکہ پیپلز پارٹی اتحاد اور وفاق کی علامت ہے یہ حملہ عوام کی قوت پر تھا۔ یہ حملہ کسی ایک سیاسی رہنما پر نہیں تمام سیاسی رہنماؤں پر تھا۔ حملہ آور نہیں چاہتے کہ ہم جمہوریت اور استحکام کی جانب بڑھیں، کم تعداد کے انتہا پسندوں کو عوام کی اکثریت کی حمایت حاصل نہیں ہے۔ ہم پاکستان کو عراق اور افغانستان جیسا نہیں دیکھنا چاہتے جہاں لوگ ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں۔ انہوں نے عوام سے اپیل کی کہ وہ دہشت گردوں کی حمایت نہ کریں۔

Marfat.com

کراچی بم دھماکوں میں انتہا پسند ملوث ہو سکتے ہیں

پاکستان پیپلز پارٹی کے 18 اکتوبر کے استقبال میں بم دھماکوں پر امریکہ نے کہا تھا کہ کراچی بم دھماکوں میں انتہا پسند ملوث ہو سکتے ہیں لیکن اس بارے میں کوئی مخصوص اطلاع نہیں ہے کہ دھماکے کس کی کارروائی ہیں۔ واشنگٹن میں وائٹ ہاؤس کے ترجمان ٹونی فراٹو نے صحافیوں سے گفتگو کے دوران کراچی بم دھماکوں کو ہولناک سانحہ قرار دیا تھا تاہم القاعدہ یا کسی اور تنظیم پر ذمہ داری عائد کرنے سے گریز کیا۔ ترجمان نے کہا کہ ان کے پاس ایسی کوئی مخصوص اطلاع نہیں کہ ان دھماکوں میں کون سی تنظیم ملوث ہو سکتی ہے تاہم ممکنہ طور پر انتہا پسند اس کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں جو سابق وزیراعظم بے نظیر بھٹو جیسی کسی شخصیت کو خطرہ سمجھتے ہیں۔ وائٹ ہاؤس کے ترجمان نے دھماکوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا تھا کہ امریکہ پاکستان جیسے اہم ملک میں اعتدال پسند اسلامی جمہوریت کا خواہشمند ہے۔

حملہ ہوا تو ذمہ دار کون ہوگا؟

بے نظیر بھٹو نے ایک خط کے ذریعے حکام کو آگاہ کیا تھا کہ اگر کراچی آمد پر ان کے ساتھ کوئی ناخوشگوار واقعہ ہوا تو اس کے ذمہ دار کون کون ہوں گے۔ ایک نجی ٹی وی نے بتایا تھا اس خط کی کاپی ایوان صدر بھی بھجوائی گئی تھی اور اس میں بتایا گیا تھا کہ اگر ان پر کوئی حملہ ہوتا ہے تو اس کا ذمہ دار کون کون ہوگا تاہم چینل کی طرف سے یہ نہیں بتایا گیا کہ کن لوگوں کو ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔

جلوس میں دھماکہ ایجنسیوں نے کرایا

بے نظیر بھٹو شہید کے شوہر آصف علی زرداری نے 18 اکتوبر کے بم دھماکوں کے بعد کہا تھا کہ کراچی میں پیپلز پارٹی کے جلوس میں ہونے والا دھماکے خودکش نہیں بلکہ

Marfat.com

یہ ایجنسیوں کی کارروائی ہے۔ حکومت اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں ناکام رہی ہے۔ جلوس میں ہونے والے دھماکے کی ذمہ داری جہادیوں پر نہیں ڈالی جاسکتی بلکہ اس میں ایجنسیاں ملوث ہیں۔ بے نظیر بھٹو شہید پہلے بھی کہہ چکی تھیں کہ حکومت میں شامل بعض عناصر ان کے خلاف سازشوں میں مصروف کار ہیں اور یہ کارروائی انہی عناصر کا کیا دھرا ہے۔

کراچی بم دھماکے ملک دشمن عناصر کی کارروائی ہے

متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف حسین نے کراچی بم دھماکوں کی شدید مذمت کرتے ہوئے ملک دشمن عناصر کی کارروائی قرار دیا تھا اور عوام سے اپیل کی تھی کہ وہ اس سانحے کے زخمیوں کی جانیں بچانے کے لیے زیادہ سے زیادہ خون کے عطیات دیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ یہ واقعہ بڑا سانحہ ہے اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے وہ کم ہے۔ انہوں نے پیپلز پارٹی کی سربراہ بے نظیر بھٹو اور تمام کارکنوں سے اظہار ہمدردی کیا تھا۔ انہوں نے دہشت گردی میں جاں بحق ہونے والوں کے اہل خانہ سے دلی تعزیت کا اظہار کیا تھا۔ انہوں نے وزیراعظم اور صدر سے مطالبہ کیا کہ اس دہشت گردی میں ملوث عناصر کو گرفتار کر کے عبرتناک سزائیں دی جائیں۔

Marfat.com

توجہ ہٹانے کے لیے القاعدہ کا نام

پاکستان پیپلز پارٹی نے القاعدہ کی جانب سے مبینہ طور پر بے نظیر بھٹو پر حملے کی ذمہ داری قبول کرنے والی اطلاعات کو مسترد کر دیا ہے۔

پارٹی کا کہنا ہے کہ اس طرح کی باتیں ممکن ہے اس لیے کہی جا رہی ہوں تا کہ اصل چہروں کو چھپایا جا سکے۔

پارٹی کے ترجمان فرحت اللہ بابر نے بی بی سی کو بتایا کہ 18 اکتوبر کو کراچی میں ہونے والے بم دھماکے کے بعد بھی اسی طرح کا ایک بیان جاری ہوا تھا اور قبائلی علاقے کے لیے ایک گروہ کے حوالے سے کہا گیا تھا کہ اس نے ذمہ داری قبول کی ہے لیکن اگلے ہی روز اسی گروہ نے اس کی تردید کر دی تھی۔

انہوں نے کہا کہ ہوسکتا ہے یہ بھی غلط بیان دیا گیا ہو۔ جو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ یہ القاعدہ یا طالبان کی جانب سے حملہ ہے وہ اصلی چہرے بے نقاب کرنا نہیں چاہتے' انہوں نے توجہ ہٹانے کے لیے یہ بات کی ہے۔

دوسری طرف ذرائع ابلاغ کے مطابق القاعدہ کی قیادت نے بے نظیر بھٹو پر قاتلانہ حملے کی ذمہ داری قبول کر لی ہے۔

افغانستان میں القاعدہ کے کمانڈر مصطفیٰ ابوالیزید نے پاکستان کے صحافی سید سلیم شہزاد کو ٹیلی فون کر کے یہ ذمہ داری قبول کی ہے۔

سلیم شہزاد نے بتایا کہ حملے کے فوری بعد ترجمان نے نامعلوم مقام سے ٹیلیفون پر رابطہ کر کے کہا کہ ہم نے بے نظیر بھٹو کو مار دیا ہے۔

انہوں نے بتایا کہ ترجمان کا کہنا تھا: ''ہم نے امریکہ کے قیمتی اثاثے کو ختم کر

Marfat.com

دیا ہے جو یہاں امریکہ کی جنگ لڑنے آئی تھی۔"

مصری مصطفیٰ ابوالیزید سابق بینکر ہیں جو القاعدہ کے دوسرے بڑے رہنما ایمن الظواہری کے قریبی سمجھے جاتے ہیں۔ انہیں افغانستان میں القاعدہ کا کمانڈر مقرر کیا گیا تھا۔

مقامی ٹی وی چینلز کے مطابق حکومت پاکستان نے بھی القاعدہ کے اس دعویٰ سے لاعلمی کا اظہار کیا۔

پیپلز پارٹی کے رہنما فرحت اللہ بابر نے کہا: "جو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ یہ القاعدہ یا طالبان کی جانب سے حملہ ہے وہ اصلی چہرے بے نقاب کرنا نہیں چاہتے' انہوں نے توجہ ہٹانے کے لیے یہ بات کہی ہے۔"

Marfat.com

سانحہ 18 اکتوبر پر سپریم کورٹ کا سوموٹو ایکشن

چیف جسٹس آف پاکستان جسٹس افتخار محمد چوہدری نے سانحہ کراچی نائن الیون کے بعد ایک بہت بڑا سانحہ ہے' عدالت عظمیٰ آنکھیں بند نہیں کر سکتی' حکومت ایک دو دن میں کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھاتی تو سپریم کورٹ اس کا ازخود نوٹس لے گی۔ یہ یقین دہانی انہوں نے پیپلز پارٹی کے سینٹر بابر اعوان کو پیر کو اس وقت کرائی جب وہ اچانک چیف جسٹس کے بنچ کے روبرو پیش ہوگئے' اس موقع پر چیف جسٹس نے ان سے خیریت دریافت اور سانحہ کراچی کی معلومات حاصل کیں۔ بابر اعوان نے بتایا کہ اس سانحہ میں ڈیڑھ سو کے قریب افراد جاں بحق اور 8 سو کے قریب زخمی ہوئے ہیں۔ انہوں نے چیف جسٹس سے کہا کہ وہ اس واقعہ کا ازخود نوٹس لیں' جس پر چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے ریمارکس دیئے کہ عدالت عظمیٰ اس سانحے پر آنکھیں بند نہیں کر سکتی' عدالت اس حوالے سے ہونے والی تفتیش کا جائزہ لے رہی ہے' حکومت ایک دو روز میں کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھاتی تو سپریم کورٹ اس کا ازخود نوٹس لے گی۔ اس موقع پر بابر اعوان نے سانحہ کراچی کی تفصیلات بتائیں تو عدالت کا ماحول سوگوار ہوگیا۔

چیف جسٹس افتخار محمد چودھری نے 18 اکتوبر کے سانحہ کراچی کا ازخود نوٹس لے لیا تھا اور اس مقدمہ کی سماعت شروع ہوگئی تھی۔ سپریم کورٹ کی طرف سے جاری کی گئی پریس ریلیز میں کہا گیا تھا کہ میڈیا رپورٹس کے مطابق سانحہ کراچی میں 130 سے زائد لوگ جاں بحق اور سینکڑوں زخمی ہوئے، ملک دہشت گردی کے واقعات اور خودکش حملوں میں گھرا ہوا ہے، سانحہ کراچی میں ایک بڑی جماعت کی تمام قیادت کو نشانہ بنانے کی کوشش کی گئی، اس واقعہ سے قوم کے اعتماد اور کاروباری سرگرمیوں کے ماحول کو خطرات لاحق ہوئے، اس سے مستقبل کی سیاسی سرگرمیاں بھی

Marfat.com

متاثر ہوں گی، از خود نوٹس میں کہا گیا تھا کہ ایک ہفتہ سے زائد گزرنے کے بعد بھی سانحہ کراچی میں ملوث عناصر کا سراغ نہیں لگایا جاسکا جب کہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل اور دیگر عالمی برادری نے بھی اس واقعہ پر تشویش ظاہر کی تھی۔ اس سماعت میں پیپلز پارٹی کی طرف سے دائر پٹیشن کو بھی یکجا کر دیا گیا تھا۔ سماعت کے لیے چیف جسٹس کی سربراہی میں تین رکنی بینچ تشکیل دے دیا گیا تھا، جس میں جسٹس میاں شاکر اللہ جان اور جسٹس ناصر الملک شامل تھے۔ لیکن بعد میں ایمرجنسی کے نفاذ کے نتیجے میں یہ تمام جج فارغ کر دیئے گئے اور 18 اکتوبر کے معاملہ پر عدلیہ کچھ نہ کرسکی کیونکہ عدلیہ کے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے اس کے علاوہ بھی بہت سے حساس معاملات پر سوموٹو ایکشن لے رکھے تھے۔

Marfat.com

بینظیر بھٹو کے خلاف مزید خودکش حملوں کا خدشہ ہے

سی سی پی او کے اظہر فاروقی نے 18 اکتوبر کے بم دھماکے کے بعد کہا تھا کہ بینظیر بھٹو کے خلاف مزید خودکش حملوں کا خدشہ ہے۔ انہوں نے بتایا کہ جلوس میں دو دھماکے ہوئے' پہلا دھماکہ کم شدت کی نوعیت کا تھا جبکہ دوسرا دھماکہ زوردار تھا۔ انہوں نے کہا کہ دھماکہ پولیس موبائل میں نہیں ہوا بلکہ موبائل کے قریب ہوا۔ انہوں نے کہا کہ جلوس کی حفاظت کے لیے پولیس نے مناسب انتظامات کیے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ بینظیر بھٹو کے خلاف حملوں کا خدشہ تھا جبکہ ان کیخلا اب بھی مزید خودکش حملوں کی اطلاعات ہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

سانحہ کراچی کے بعد

بے نظیر بھٹو شہید

کے چند چشم کشا بیانات

Marfat.com

خون رائیگاں نہیں جانے دیا جائے گا

26/10/2007

پیپلز پارٹی کی چیئر پرسن بینظیر بھٹو نے سیکرٹری داخلہ کے نام ایک خط میں حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ ان کی کراچی میں ریلی پر بم دھماکے کی تحقیقات کے لیے امریکہ اور برطانیہ سے مدد لی جائے۔ خط میں کہا گیا ہے کہ پاکستانی پولیس کے پاس وہ وسائل نہیں جو سکاٹ لینڈ یارڈ اور ایف بی آئی کے پاس ہیں، اس لئے اس واقعہ کے ذمہ داروں کو کیفر دار تک پہنچانے کے لیے ان اداروں سے مدد لی جائے۔ انہوں نے خط میں لکھا ہے کہ پاکستان کی سالمیت اور بقاء کے لیے دہشت گردوں کو انصاف کے کٹہرے میں لانا نہایت ضروری ہے۔ انہوں نے یاد دلایا کہ 22 اکتوبر کو اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل نے متفقہ قرار داد کے ذریعے کہا ہے کہ اس سانحے کے مرتکب افراد، منتظمین، مالی معاونت کرنے والے اور سرپرستوں کو پکڑا جائے تاکہ دہشتگردوں کو انصاف کے کٹہرے میں کھڑا کیا جاسکے اور اس ضمن میں تمام رکن ممالک سے پاکستان کی مدد کرنے کے لیے کہا گیا۔ بینظیر بھٹو نے خط میں مزید لکھا ہے کہ سندھ کی وزارتِ داخلہ کی جانب سے خطوط بھیجے گئے ہیں جن کی وجہ سے وہ محسوس کرتی ہیں کہ دہشت گردوں کی جانب سے حملے کا خطرہ دو چند ہوگیا ہے۔ بجائے اس کے کہ گاڑی میں کالا شیشہ اور اسلحہ ساتھ رکھنے کی بندش میں چھوٹ دی جاتی اور ان لوگوں نے کہا ہے کہ وہ ٹرانس پیرنٹ کھڑکیوں والی گاڑی میں سفر کریں اور عوام کے درمیان اسلحہ بردار پرائیویٹ گارڈز نہ رکھیں۔ انہوں نے حکومت سے ان فیصلوں پر

Marfat.com

نظر ثانی ک مطالبہ کیا۔ بینظیر بھٹو نے کہا ہے کہ 23 اکتوبر دہشتگردوں نے انہیں اور ان کے وکیل فاروق نائیک کو اسی طرح ذبح کرنے کی دھمکی دی ہے جس طرح بکرے کو ذبح کیا جاتا ہے۔ لیاقت علی خان، جنرل ضیاء جنرل آصف نواز اور میر مرتضیٰ بھٹو کے قتل کا معمہ اب تک حل نہیں ہو سکا کیونکہ تحقیقات ناقص تھیں۔ پاکستانی تحقیقات ناقص ہونے اور وسائل نہ ہونے کی وجہ سے دہشت گردوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ انہوں نے اس امید کا اظہار کیا کہ ان غیر ملکی ماہرین کو ایمرجنسی کی بنیاد پر مدعو کیا جائیگا۔ اس خط کی کاپیاں جنرل پرویز مشرف، اقوامِ متحدہ کی سیکیورٹی کونسل، چیف جسٹس آف پاکستان اور چیف جسٹس سندھ ہائی کورٹ کو بھی ارسال کی گئی ہیں دریں اثنا بلاول ہاؤس میں میڈیا کے نمائندوں سے گفتگوں میں بینظیر بھٹو نے کہا کہ خودکش دھماکے صدر مشرف کے بسر اقتدار آنے کے بعد شروع ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ کراچی دھماکوں میں جان دینے والوں کا خون رایئگاں نہیں جائیگا، کراچی دہشتگردی کے پیچھے کار فرما عناصر کو تلاش کرنا ہوگا، ہم خاموش ہوگئے تو عوام کا استحصال شروع ہوجائے گا۔ عوام دشمن قوتوں کو کبھی آگے نہیں بڑھنے دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے عوامی طاقت سے ماضی میں بھی جمہوریت کو بحال کیا تھا، آئندہ بھی آمریت کا خاتمہ کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ سانحہ 18 اکتوبر میں ملک بھر سے لوگ آئے تھے جو وفاق کی علامات ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہر ماں اپنے بچے کی ایسی تربیت کرے کہ اس میں زندگی کی اہمیت پیدا ہو جس سے خودکش حملوں کے تدارک میں مدد ملے گی۔ انہوں نے کہا کہ یحیٰی خان کی آمریت میں البدر اور الشمس گروپ سامنے آئے، ضیاء الحق کی آمریت میں ہتھوڑا گروپ سامنے آیا اور صدر مشرف کے دور میں خودکش حملہ آور سامنے آئے ہیں۔ آن لائن کی مطابق ایک انٹرویو میں بینظیر بھٹو نے کہا کہ ملک میں آمریت انتہا پسندی کو ہوا دے رہی ہے لہٰذا انتہا پسندی کی خلاف تمام معتدل قوتوں کو متحد ہو جانا چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ دہشت گردوں سے ڈر کر نہیں بیٹھا جاسکتا۔ انہوں نے کہا کہ عسکریت پسندوں کی میرے خلاف جنگ اب

Marfat.com

نہیں ہوئی بلکہ یہ 1988ء سے شروع ہے انہوں نے کہا کہ میں جانتی ہوں کہ سوویت یونین کے افغانستان پر قبضے کے خاتمے کے بعد کون لوگ اسامہ بن لادن کو پاکستان لائے تھے اور میں جانتی ہوں جن لوگوں نے میری حکومت کو غیر مستحکم کیا اور جمہوری عمل کو نقصان پہنچایا۔ کراچی میں ہماری ریلی پر حملے ایک سازش کا حصہ ہیں اس لئے سندھ اور پنجاب کے وزرائے اعلیٰ شور شرابہ کر کے حقائق دبانے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن پیپلز پارٹی اور دیگر جمہوری پسند قوتیں سازشی ٹولہ کے عزائم خاک میں ملا دیں گے۔ زلزلے سمیت ہر معاملے میں غیر ملکی امداد لی جا سکتی ہے تو اب کیوں نہیں، یہ نہ بتایا جائے کہ القاعدہ نے حملہ کیا بلکہ اس کے منصوبہ ساز، فنانسرز بتائے جائیں۔

Marfat.com

حکومتی سیکورٹی سے مطمئن نہیں،
ضیاء باقیات کو ختم کرنا ہوگا

27/10/2007

پیپلز پارٹی کی چیئر پرسن بینظیر بھٹو نے کہا کہ سانحہ کراچی کی تحقیقات کے لیے بیرونی ماہرین کی مدد حاصل کرنے میں کوئی حرج نہیں، ہم غیر ملکی امداد لے سکتے ہیں، کارگل جنگ کے بعد ان کی مدد حاصل کر سکتے ہیں، ہیلی کاپٹر اور جنگی جہاز خرید کر سکتے ہیں، زلزلے میں غیر ملکی مدد لے سکتے ہیں تو اس سانحہ میں ان کا تعاون کیوں حاصل نہیں کر سکتے۔ جمعرات کو بلاول ہاؤس میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے بینظیر بھٹو نے کہا کہ پانچ چھ روز گزرنے کے بعد بھی یہ طے نہیں ہوسکا کہ یہ بم دھماکے تھے، خودکش حملہ تھا یا دستی بموں سے حملہ کیا گیا۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمارے ماہرین کے پاس فنی صلاحیت نہیں۔ ہم نے سیکرٹری داخلہ سندھ کو خط لکھا ہے کہ اس سانحہ کی تحقیقات غیر ملکی ماہرین سے کرائی جائے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ان ماہرین کا تعاون حاصل نہ کیا گیا تو وہ تحقیقات کے نتائج قبول نہیں کریں گی۔ بینظیر بھٹو نے کہا کہ صدر مشرف اور وزیر اعظم شوکت عزیز اور میرے اوپر حملے ہوتے ہیں لیکن چوہدری شجاعت، پرویز الٰہی اور اعجاز الحق کے جلسوں پر حملہ کیوں نہیں ہوتا۔ ہمیں یہ نہ بتایا جائے کہ القاعدہ یا طالبان نے یہ حملہ کیا ہے، بلکہ ہمیں یہ بتایا جائے کہ اس حملے کے آرگنائزرز، فنانسرز اور سپانسرز کون ہیں۔ صدر مشرف اور سندھ ہائی کورٹ کی ہدایت کے مطابق ہمیں مناسب سیکورٹی بھی فراہم نہیں کی جارہی۔ انہوں نے کہا کہ فوجی حکومت کے دور میں ملک کو نقصان پہنچا اور ایک حصہ ملک سے الگ ہوگیا، اب بھی یہ خدشہ ہے کہ جمہوریت بحال نہ ہوئی تو ملک کو نقصان پہنچے گا۔ جمہوریت ہے تو پاکستان ہے۔ پاکستان کو بچانے کے لیے صوبوں کو خودمختاری دینا ہوگی۔ کچھ لوگ اس قسم کی بیان بازی کررہے ہیں جس سے مفاہمت کی فضا خراب ہوئی ہے۔ مجھے خوف

Marfat.com

زدہ کیا جاتا ہے کہ مجھے چھری سے ذبح کر دیا جائے گا لیکن زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ میں اس طرح کی باتوں سے نہیں ڈرتی اور کوئی مجھے عوام کے پاس جانے سے نہیں روک سکتا۔ انہوں نے کہا کہ وہ کل لاڑکانہ جائیں گی اور وہ اپنے دورے اعلانیہ اور غیر اعلانیہ کریں گی۔ انہوں نے کہا کہ سانحہ کی ایف آئی آر جلدی میں درج کر لی گئی اور ہمیں پوچھا تک نہیں گیا۔ انہوں نے مزید کہا کہ وہ فی الحال واقعہ کی جوڈیشل انکوائری نہیں چاہتیں، ملک میں مزید نقصان کا اندیشہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ اپنی سیکورٹی کے لیے صرف پولیس سیکورٹی کو نہیں لیتی بلکہ گارڈز بھی ساتھ لیتی ہوں حکومت کی جانب سے سیکورٹی کے لیے صرف دو گاڑیاں دی جارہی ہیں جبکہ کم از کم چار گاڑیاں دی جانی چاہئیں انہوں نے کہا کہ اسلام آباد سے کراچی اور قبائلی علاقوں تک دہشتگردی کرنے والوں کو رقم فراہم کرنے والے اور منتظمین کو ڈھونڈنا ہے۔ آئی این پی کے مطابق انہوں نے کہا کہ اگر 18 اکتوبر کو سٹریٹ لائٹس بند نہ کی جاتیں تو خودکش حملہ آور حملہ نہیں کر سکتے تھے۔ اکثر مدارس دین کی خدمت کر رہے ہیں مگر کسی مدرسے کو عسکریت پسندی اور انہا پسندی کی تعلیم کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ یہ فیصلہ اب دہشت گرد نہیں کریں گے کہ کس کی ریلی نکلنی چاہیئے اور کس کی نہیں نکلنی چاہیئے۔ ہم ان کو یہ حق نہیں دے سکتے۔ مفاہمتی آرڈیننس کے بارے ایک سوال پر بینظیر بھٹو نے کہا کہ پیپلز پارٹی کے فیصلہ کیا تھا کہ ملک میں جمہوریت کی بحالی کے لیے جنرل مشرف سے مذاکرات کرینگے اور ہم آج بھی اپنے موقف پر قائم ہیں اس سلسلے میں انہوں نے پارٹی سے مشاورت کی تھی، بعض نے اختلافات کیا تھا اور بعض لوگوں نے اس سے اتفاق کیا۔ انہوں نے کہا کہ ضیاء کی باقیات کو ختم کرنا ہوگا۔ بینظیر بھٹو نے مطالبہ کیا ہے کہ حکومت ملک میں میرے دوروں کے حوالے سے مجھے کاروں کے قافلے کے درمیان سفر کرنے کی اجازت دے، اس کاررواں میں موجود کاروں کے شیشے رنگدار ہونے چاہئیں تاکہ حملہ آوروں کو میری پہچان نہ ہو سکے کہ میں کس گاڑی میں سوار ہوں۔ انہوں نے کہا کہ حکومت عام انتخابات کی مہم کے لیے مجھے ضروری سیکورٹی فراہم کرے۔ اب تک اس حوالے سے کئے گئے اقدامات سے میں مطمئن نہیں ہوں۔

Marfat.com

سوات میں صورتِ حال حکومت کی غلط پالیسیوں کا نتیجہ ہے

28/10/2007

سابق وزیرِ اعظم بینظیر بھٹو نے کہا کہ مشرف سے ملاقات طے نہیں۔ انتہا پسند ہتھیار پھینک دیں۔ اعتدال پسندوں سے مذاکرات کریں گے۔ سوات میں صورتحال حکومت کی غلط پالیسیوں کا نتیجہ ہے۔ امریکہ سالانہ پاکستان کو 10 ارب ڈالر امداد دیتا ہے جس کا فائدہ عوام کو نہیں پہنچ رہا۔ آمریت اور جمہوری ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ جلد پنجاب کا دورہ کروں گی۔ ملک میں منصفانہ انتخابات ہوئے تو پیپلز پارٹی کامیاب ہوگی۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے کراچی دھماکے میں جاں بحق ہونے والے رہنماؤں اور کارکنوں کے اہلِ خانہ سے اظہارِ تعزیت، کارکنوں سے خطاب اور صحافیوں کے لیے ورثا سے اظہارِ ہمدردی اور تعزیت کی۔ ذرائع ابلاغ سے بات چیت کرتے ہوئے بینظیر بھٹو نے کہا کہ ان کے لاڑکانہ کے دورے کو الیکشن مہم کا آغاز سمجھ لیں اور ''اسے بینظیر اور عوام کے درمیان محبت کا دوبارہ آغاز بھی کہہ سکتے ہیں''۔ ایک سوال پر انہوں نے کہا کہ آمریت اور جمہوریت ایک ساتھ نہیں چل سکتے اور اسی لئے انہوں نے جنرل مشرف کے سویلین صدر بننے کی بات کی۔ دہشت گردوں کو اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ پی پی کے یا سیاسی رہنماؤں کے پروگرام ڈکٹیٹ کریں۔ میں ملک کے کونے کونے میں جانا چاہتی ہوں مگر حفاظتی انتظامات کی وجہ سے اپنے دورے خفیہ رکھنے پڑتے ہیں۔ اگرچہ ان کے پروگرام خفیہ رکھتے گئے تاہم بینظیر بھٹو کے ساتھ کافی مجمع تھا۔ سینیٹر ڈاکٹر صفدر عباسی کی رہائش گاہ پر صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے بینظیر نے کہا کہ انتہا پسندی کے خاتمے کے لیے اعتدال پسند سیاسی جماعتوں سے ڈائیلاگ کریں گے۔ پیپلز پارٹی عوامی نمائندہ جماعت ہے۔

Marfat.com

عوامی سمندر دیکھ کر حکومتی کارندے بوکھلاہٹ کا شکار ہو گئے۔ اگر ملک میں منصفانہ انتخابات کرائے گئے تو پیپلز پارٹی کامیابی حاصل کرے گی۔ پیپلز پارٹی کا راستہ دہشتگردی، دھماکے اور دھمکیاں نہیں روک سکتیں۔ موجودہ حکومت نے ہمارے خلاف سیاسی انتقامی کاروائیاں شروع کر دیں ہیں۔ بینظیر نے کہا ہے کہ امریکہ دس ارب ڈالر سالانہ پاکستان کو امداد دے رہا ہے لیکن یہ رقم کہاں خرچ ہو رہی ہے کوئی پتہ نہیں لیکن ملک سے غربت، بدامنی اور مہنگائی کو ختم کرنے کے لیے ہم اپنا کردار ادا کریں گے۔ انہوں نے کراچی دھماکے میں ہلاک ہونے والے نوجوان نظام الدین سموں کے اہلِ خانہ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ کارکنوں کی قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی۔

بینظیر بھٹو نے کہا کہ وہ اپنے ہی مسلمان بھائیوں کا خون کرنے والے انتہا پسندوں سے بات نہیں کریں گی۔ انہیں آئین اور قانون کا احترام کرتے ہوئے اسلحہ پھینک دینا چاہیے۔ پانچ برس سے جاری غلط پالیسیوں کی وجہ سے ملک موجودہ صورتحال سے دوچار ہے۔ سوات میں صورتحال بھی انہی غلط پالیسیوں کا نتیجہ ہے۔ جس کے نتیجے میں مختلف علاقوں میں پرائیویٹ آرمی سامنے آرہی ہیں تاہم وہ ہتھیار نہ اٹھانے والوں سے بات چیت کے لیے تیار ہیں۔ انتہا پسند قوتیں غریب عوام کو کمزور رکھنا چاہتی ہیں۔ کراچی میں سیاسی قوتوں پر حملہ کیا گیا۔ سانحہ کراچی کے ملزمان کو کیفر دار تک پہنچایا جائے گا۔ میری حکومت میں مسلمانوں نے مسلمانوں کا قتل نہیں کیا۔ میں سانحہ کراچی کے تمام شہداء کے گھر جا کر خود تعزیت کروں گی۔ انہوں نے کہا کہ ہماری توپیں اور کلاشنکوفیں عوام ہیں اور عوام کا ووٹ ہی ہماری بندوق اور کلاشنکوف ہے۔

Marfat.com

سانحہ کے حقائق سامنے آنے تک چین سے نہیں بیٹھیں گے

30/10/2007

پیپلز پارٹی کی چیئر پرسن بینظیر بھٹو نے کہا ہے کہ جو لوگ جمہوریت کی بحالی نہیں چاہتے وہ انتہا پسندوں کا ساتھ دے رہے ہیں۔ حکومت نے عبوری سیٹ اپ پر بات کی لیکن نگران وزیرِ اعظم کے معاملے پر ابھی کوئی بات نہیں کی گئی اگر بات ہوئی تو اس کا جائزہ لے کر معاملات آگے بڑھائیں گے۔ ایک نجی ٹی وی سے گفتگو کے دوران بینظیر بھٹو نے کہا کہ آج قبائلی علاقے ساتھ نہیں اور سوات میں بھی افسوسناک صورتحال ہے، جو لوگ جمہوریت کی بحالی نہیں چاہتے انتہا پسندوں کا ساتھ دے رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پورے پاکستان میں سکیورٹی کے مسئلہ سے متعلق سوال پر بینظیر بھٹو نے کہا کہ ان کی گاڑی جب کراچی ایئر پورٹ سے باہر نکل رہی تھی تو روڈ پر واقع ایک درخت پر مشتبہ شخص کو دیکھا گیا جو ان کے ٹرک کی اندرونی تصاویر اتار رہا تھا۔ اسے پکڑنے کی کوشش کی گئی تو وہ بھاگ گیا۔ اس مشتبہ شخص کو لاڑکانہ میں دوبارہ دیکھا گیا۔ سانحہ کارساز کے بارے میں بینظیر بھٹو نے کہا کہ اس واقعہ میں دستی بم کا ذکر تحقیقات مکمل ہونے سے قبل کیوں کیا گیا اور لائٹ کیوں بند تھی اس سے شبہات میں اضافہ ہوا ہے۔ بینظیر بھٹو نے کہا کہ خطرات کے باوجود سیاسی سرگرمیاں جاری رکھیں گی۔ جمہوریت کے دشمن میرے دشمن ہیں انہوں ے الزام لگایا کہ سانحہ کی تحقیقاتی ٹیم ہمارے ساتھ تعاون نہیں کر رہی۔ انہوں نے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کے استقبالیے میں خودکش دھماکے اور اے این پی کے رہنما بشیر احمد بلور کے گھر پر راکٹ حملے کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ تحقیقات کے بعد ان حملوں کے بھی شواہد

Marfat.com

اور لنکس مل جائیں گے۔ خفیہ ہاتھوں کو جب تک بے نقاب نہیں کیا جائے گا، اس وقت تک حقائق سامنے نہیں آئیں گے، سانحہ کار ساز کے حقائق سامنے آنے تک ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ کراچی روانگی سے قبل اپنی رہائش گاہ نوڈیرہ میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے بینظیر بھٹو نے کہا کہ ملک میں اس وقت بحران ہے پیپلز پارٹی بحران کو ختم کرنے کے لئے اپنا کردار ادا کر رہی ہے۔ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ تیسری بار وزیر اعظم کے متعلق حکمران لیگ یا پھر چوہدری برادران فیصلہ نہیں کر سکتے یہ فیصلہ عوام کو کرنا ہے۔ ادھر کراچی روانگی سے قبل سکھر ائیر پرٹ پر کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے بینظیر بھٹو نے کہا کہ میرا محافظ اللہ ہے، مجھے کسی کی طرف سے سیکورٹی اقدامات کی کوئی پرواہ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ بہت جلد عوامی حکومت قائم ہونے والی ہے اور اقتدار عوام کے ہاتھ میں ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ بیورو کریسی میں شامل چند متنازعہ افسران کی موجودگی میں شفاف انتخابات کا انعقاد مشکل نظر آتا ہے اس لئے ان افسران کو فوری طور پر ہٹایا جائے۔

Marfat.com

ایجنسیاں پہلے خود لیڈر پیدا کرتی ہیں
پھر کام نکلنے پر مار دیتی ہیں

31/10/2007

پیپلز پارٹی کی سربراہ بینظیر بھٹو نے کہا بم دھماکے کے باوجود وہ اپنے مقررہ پروگرام کے مطابق راولپنڈی ضرور جائیں گی۔ بینظیر بھٹو نے 9 نومبر کو راولپنڈی میں جلسہ عام کا اعلان کیا ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ راولپنڈی میں جلوس نکالنا چاہتی تھیں لیکن اب صرف لیاقت باغ میں جلسہ کیا جائے گا تا کہ کوئی ناخوشگوار واقعہ نہ ہو۔ کراچی میں گذشتہ روز بینظیر بھٹو بغیر سکیورٹی اہلکاروں کے اپنی گاڑی میں ضیاء الدین ہسپتال پہنچ گئیں۔ وہاں زخمی کارکنوں کی عیادت کی اور اپنا چیک اپ کروایا، ان کا کہنا تھا کہ اٹھارہ اکتوبر سے ان کے پاؤں میں سوجن ہوگئی ہے۔ بینظیر بھٹو نے راولپنڈی بم دھماکے کے حوالے سے کہا کہ انہیں ڈرانے کی کوشش کی جارہی ہے مگر وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتیں۔ انہوں نے کہا کہ "ہم پہلے ہی انٹیلی جنس بیورو پر شک کا اظہار کر چکے ہیں مگر اس شک کو دور کرنے کے لیے کوئی انتظامات نہیں کیے گئے ہیں، ہمیں شک ہے کہ اٹھارہ اکتوبر کو سفید آلٹو کار میں بم دھماکہ ہوا تھا"۔ پیپلز پارٹی کی سربراہ کا کہنا تھا کہ "پاکستان کے انٹیلی جنس ادارے ہر دور میں خود ساختہ رہنما پیدا کرتے رہے ہیں، پہلے انہیں پروان چڑھاتے ہیں اور کام نکل جانے کے بعد انہیں مار دیا جاتا ہے، جیسے نیک محمد اور غازی عبدالرشید کو بنایا گیا، اب مولانا فضل اللہ کو پروان چڑھایا جارہا ہے"۔ انہوں ے بتایا کہ سوات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ

Marfat.com

جمہوریت کو غیر مستحکم کرنے اور اسے تباہ کرنے کی کوشش ہے۔ بینظیر بھٹو کے مطابق قومی مفاہمت پر ایوانِ صدر خاموش ہے، قومی مفاہمتی آرڈیننس صدر نے جاری کیا تھا اور کابینہ نے اس کی منظوری دی تھی مگر اب مفاہمت نہ چاہنے والے عناصر بیان بازی کر رہے ہیں۔ بینظیر بھٹو نے کہا کہ ضیاء الحق کی باقیات اور خفیہ ادارے مجھے عوام سے جدا رکھنے کے لیے نت نئے کھیل کھیل رہے ہیں، پیپلز پارٹی عوامی جماعت ہے اسے کسی صورت میں عوام سے دور نہیں کیا جاسکتا ہے، راولپنڈی بم دھماکہ مجھے پنجاب کے عوام سے دور رکھنے کے لیے کیا گیا لیکن پیپلز پارٹی عوامی جماعت ہے اسے کسی صورت میں عوام سے دور نہیں کیا جاسکتا۔

Marfat.com

بے نظیر بھٹو شہید
کی المناک شہادت

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نور سے اس گھر کی نگہبانی کرے

Marfat.com

تجھ کو کتنوں کا لہو چاہیے اے ارضِ وطن
جو ترے عارضِ بے رنگ کو گلنار کریں
کتنی آہوں سے کلیجہ ترا ٹھنڈا ہوگا
کتنے آنسو ترے صحراؤں کو گلزار کریں
تیرے ایوانوں میں پرزے ہوئے پیماں کتنے
کتنے وعدے جو نہ آسودہ اقرار ہوئے
کتنی آنکھوں کو نظر کھا گئی بدخواہوں کی
خواب کتنے تری شہ راہوں میں سنگسار ہوئے
بلا کشانِ محبت پہ جو ہوا سو ہوا
جو مجھ پہ گزری' مت اس سے کہو' ہوا سو ہوا
مبادا ہو کوئی ظالم ترا گریباں گیر
لہو کے داغ تو دامن سے دھو' ہوا سو ہوا
ہم تو مجبور وفا ہیں مگر اے جانِ جہاں
اپنے عشاق سے ایسے بھی کوئی کرتا ہے؟
تیری محفل کو خدا رکھے ابد تک قائم
ہم تو مہماں ہیں گھڑی بھر کے' ہمارا کیا ہے

Marfat.com

بے نظیر بھٹو شہید کردی گئیں

یہ بازی خون کی بازی ہے   یہ بازی تم ہی ہارو گے
ہر گھر سے بھٹو نکلے گا   تم کتنے بھٹو مارو گے

سابقہ وزیر اعظم اور پاکستان پیپلز پارٹی کی چیئر پرسن بینظیر بھٹو 27 دسمبر 2007ء کو راولپنڈی کے لیاقت باغ کے تاریخی گراؤنڈ میں ایک بڑے جلسہ عام سے خطاب کے بعد واپس جاتے ہوئے خودکش دھماکے اور فائرنگ کے ذریعے شہید کردی گئیں جبکہ پولیس اہلکاروں سمیت پارٹی کے دیگر 30 افراد بھی اس حملے میں شہید اور 70 سے زائد زخمی ہوئے جن میں سے بعض کی حالت تشویشناک ہے۔ یہ افسوسناک خبر ملک بھر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور پیپلز پارتی کے کارکنوں میں صف ماتم بچھ گئی۔

تفصیلات یہ ہیں کہ بے نظیر بھٹو 27 دسمبر جمعرات کی شام جلسہ عام سے خطاب کے بعد جونہی لیاقت باغ کے مین گیٹ سے اپنی گاڑی میں سوار ہو کر باہر نکلیں تو گیٹ کی بائیں طرف سے ان پر نامعلوم حملہ آور نے فائرنگ کر دی اور بعد ازاں خود کو دھماکے سے اڑا دیا۔ ایک گولی بینظیر بھٹو کی گردن پر لگی، انہیں فوری طور پر جنرل ہسپتال پہنچایا گیا مگر طویل جدوجہد کے باوجود وہ جانبر نہ ہو سکیں اور سانس کی نالی کٹ جانے کے باعث جاں شہید ہو گئیں۔ دھماکہ اس قدر شدید اور خوفناک تھا کہ اس کی آواز دور دور تک سنی گئی، دھماکے سے ہر طرف خوف و ہراس پھیل گیا اور ہر طرف لاشوں کے ڈھیر لگ گئے جبکہ خودکش حملہ آور کا سر اور دھڑ بھی قریب سے مل گیا۔ دھماکے کے بعد لیاقت باغ گیٹ کے چوک میں انسانی اعضاء، دور تک بکھرے گئے اور ٹکڑے ہوا میں اڑتے ہوئے کافی دور جا گرے۔ جاں بحق ہونے والے تمام افراد کے جسم سیاہ ہو گئے تھے۔ ہر طرف دھواں پھیل گیا، شہید اور زخمی ہونے والوں کے جسموں سے کپڑے بھی پھٹ کر اڑ گئے۔

بینظیر بھٹو کو گولی لگتے ہی ان کا ڈرائیور گاڑی بھگا لے گیا اور انہیں ہسپتال پہنچا دیا۔

حادثہ کے بعد بم ڈسپوزل اسکواڈ، حساس اداروں کی ٹیمیں بھی موقع پر پہنچ گئیں اور انہوں نے جائے وقوعہ کو حصار میں لے کر بند کر دیا۔ ذرائع کے مطابق حملہ آور کافی دیر سے لیاقت باغ کے

Marfat.com

گیٹ کے قریب تاک میں بیٹھا ہوا تھا جبکہ میں گیٹ پر پولیس کی سکورٹی کے انتظامات انتہائی ناقص تھے۔ بینظیر بھٹو جلسہ سے خطاب کے بعد باہر جاتے ہوئے گیٹ کے باہر رش ہونے کے باعث پھنس گئیں جبکہ پولیس دونوں اطراف میں بڑی تعداد میں موجود تھی۔ پولیس نے گیٹ سے شہریوں کو نہیں ہٹایا کارکن اپنی قائد کی ایک جھلک قریب سے دیکھنے کے لیے گیٹ پر جمع تھے اور انہوں نے بینظیر بھٹو کی گاڑی کو گھیر لیا۔ گاڑی رکنے کی وجہ سے حملہ آور کو نشانہ لینے کا موقعہ مل گیا اس نے پہلے 5 فائر کیے جن میں سے ایک بینظیر بھٹو کی گردن میں جالگا۔ جس سے وہ شدید زخمی ہو گئیں انہیں فوری طور پر جنرل ہسپتال لے جایا گیا جہاں ایمر جنسی میں ان کا طویل آپریشن کیا گیا مگر ایک گھنٹہ بعد ڈاکٹروں کی ٹیم نے جواب دے دیا۔ اور شام چھ بجے کے بعد وہ خالق حقیقی سے جا ملیں۔ ڈاکٹروں نے بتایا کہ گردن میں گولی لگنے سے سانس کی نالی کٹ چکی تھی اور سانس بحال نہیں کیا جا سکا جس کے بعد ڈاکٹر بابر اعوان نے میڈیا کے پاس جا کر محترمہ کی وفات کی تصدیق کی۔ بینظیر بھٹو کی گاڑی جانے کے بعد لیاقت باغ کے گیٹ پر قیامت صغریٰ کا منظر تھا ہر طرف لاشیں اور انسانی جسم کے اعضاء بکھرے پڑے تھے، پولیس اہلکار بھی خوف کے مارے وہاں سے بھاگ گئے تھے جبکہ تمام ریسکیو کی ٹیمیں حادثہ کے آدھے گھنٹے بعد موقع پر پہنچیں اور زخمیوں اور نعشوں کو ہسپتال پہنچایا جس کے فوری بعد جڑواں شہروں کے ہسپتالوں میں ایمر جنسی نافذ کر دی گئی تھی۔ واقعہ کے ساتھ ہی کارکنوں نے دھاڑیں مار کر رونا شروع کر دیا اور سینہ کوبی کرتے رہے جبکہ جیالوں کی اکثریت زخمیوں کو اٹھا کر ایمولینسوں میں ڈالتی رہی۔ بینظیر بھٹو کے انتقال کی خبر پورے ملک میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور ہزاروں لوگ اور میڈیا ٹیمیں جنرل ہسپتال پہنچ گئیں۔

بی بی سی نے اپنے پروگرام میں بے نظیر بھٹو کی خبر دیتے ہوئے بتایا کہ بینظیر بھٹو جلسہ گاہ سے نکل کر گاڑی میں سوار ہو کر گاڑی کی چھت سے باہر نکلی ہوئی تھیں اور ہاتھ ہلا کر کارکنوں کے نعروں کا جواب دے رہی تھیں کہ ایک موٹر سائیکل سوار نوجوان ان کی گاڑی کے نزدیک پہنچا، کارکن اجنبی موٹر سائیکل سوار کو دیکھتے ہی اس کی طرف لپکے تاہم اس نوجوان نے کارکنوں کے نزدیک آنے سے قبل ہی خود کو دھماکے سے اڑا دیا۔ بینظیر بھٹو کے سیکورٹی ایڈوائزر رحمان ملک اور شیری رحمان، ناہید خان بھی اس واقعہ میں زخمی ہو گئی تھیں۔ صدر مشرف نے بینظیر بھٹو کی شہادت پر تین روزہ قومی سوگ کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ تین دن تک قومی پرچم سرنگوں رہے گا۔

Marfat.com

پنکی اپنے پاپا کے پاس

بے نظیر بھٹو شہید کی تدفین کے رقت آمیز مناظر

لاش اٹھتی ہے پھر علَم بن کر　　لاش چاہے کسی شہید کی ہو

سابقہ وزیر اعظم بینظیر بھٹو شہید کو ان کے آبائی گاؤں گڑھی خدا بخش میں ان کے والد ذوالفقار علی بھٹو کے پہلو میں لاکھوں آہوں اور سسکیوں میں سپرد خاک کیا گیا۔ بینظیر بھٹو کی نمازِ جنازہ حافظ حاکم علی منگی نے پڑھائی۔ نماز جنازہ میں پارٹی کی مرکزی اور چاروں صوبوں کی قیادت سمیت ہزاروں افراد موجود تھے۔ ان میں آصف علی زرداری، بلاول زرداری، مخدوم امین فہیم، مخدوم شاہ محمود قریشی، راجہ پرویز اشرف، زمرد خان، نثار کھوڑو اور دیگر رہنما خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جنازے میں غنویٰ بھٹو، فاطمہ بھٹو اور ذوالفقار جونیئر سمیت دیگر رشتہ دار سمیت ہزاروں کارکن اور رہنما بھی شریک ہوئے۔ بینظیر بھٹو کی میت پیپلز پارٹی کے پرچم میں لپٹی ہوئی تھی اور اسے ایک ایمبولینس کے ذریعے نمازِ جنازہ کے لیے تیار کردہ وسیع میدان میں لے جایا گیا۔ ملکی اور غیر ملکی میڈیا کے نمائندوں کی بڑی تعداد نے بھی تدفین میں شرکت کی۔ بے نظیر بھٹو کے جسد خاکی کو ان کے شوہر آصف علی زرداری، بیٹے بلاول زرداری، نادر مگسی اور رحمٰن ملک نے لحد میں اتارا۔ اس موقع پر انتہائی رقت انگیز مناظر دیکھنے میں آئے اور لوگ دھاڑیں مار مار کر ''میری لیڈر، میری قائد'' کی صدائیں بلند کرتے اور ماتم کرتے رہے۔ آصف علی زرداری کی بھی کئی مرتبہ آنکھیں بھیگ گئیں۔ کئی افراد نے مزار کی دیواروں سے سر ٹکرا کر اپنے آپ لولہان کر لیا تھا۔ سابق وزیر اعظم بینظیر بھٹو کی بہن صنم بھٹو کو جنازے میں شرکت کے لیے خصوصی طیارے کے ذریعے لاڑکانہ پہنچایا گیا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کی پنکی کے لیے 10 فٹ لمبی اور 6 فٹ گہری لحد تیار کی گئی تھی۔ بے نظیر بھٹو کی میت کا ہزاروں کی تعداد میں خواتین نے آخری دیدار کیا۔ جسد خاکی جب نوڈیرو پہنچا تو لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر وہاں پہنچ گیا جس میں خواتین و حضرات بوڑھے بچے سب شامل تھے۔ جو شہید جمہوریت کی اس ناگہانی موت پر دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ علاقے میں ٹریفک نہ ہونے کے باعث کئی افراد چالیس سے پچاس کلومیٹر پیدل سفر کر کے نوڈیرو پہنچے۔

Marfat.com

بے نظیر بھٹو شہید کا آخری خطاب

پیپلز پارٹی کی چیئر پرسن بینظیر بھٹو نے راولپنڈی میں اپنے آخری جلسے اور آخری خطاب میں کہا ہے کہ ان سیاسی تیموں کا دور ختم ہو چکا ہے جو الیکشن ملتوی کرانے کے لیے کبھی ایمرجنسی لگواتے تھے اور کبھی پرویز مشرف کے مزید 5 سال آرمی چیف رہنے کا دعویٰ کرتے تھے' میری اور نواز شریف کی واپسی سے ان کی سازش ناکام ہوگئی ہے۔ خودکش حملے میں جاں بحق ہونے سے تھوڑی دیر قبل لیاقت باغ میں انتخابی جلسے سے آخری خطاب کے دوران بینظیر بھٹو نے کہا کہ میں راولپنڈی کو اپنا دوسرا گھر سمجھتی ہوں' یہ بہادروں اور جانثاروں کا علاقہ ہے' میں نے یہاں بہت خوشیاں اور دکھ دیکھے ہیں۔ اسی شہر کے لوگوں نے یحییٰ خان کو مستعفی ہونے پر مجبور کیا۔ انہوں نے کہا کہ ذوالفقار علی بھٹو نے غریب عوام کے لیے پیپلز پارٹی قائم کی تھی اور انہیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے پاکستان کے دفاع کو ناقابل تسخیر بنا دیا۔ قائداعظم نے پاکستان بنایا اور قائد عوام ذوالفقار علی بھٹو نے اس ملک کو آئین دیا۔ ہمارے کارکنوں نے آمریت میں بھی کوڑے کھا کر اصولوں پر سودے بازی نہیں کی۔ ہم نے اپنے سابقہ دور میں ملک کو ایٹمی ٹیکنالوجی کے ساتھ ساتھ میزائل ٹیکنالوجی سے بھی لیس کیا۔

عوام پارٹی کا ساتھ دیں اور انتخابات میں پیپلز پارٹی کو کامیاب کر کے جمہوریت کے قیام کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔ پاکستان اس وقت شدید خطرات سے دو چار ہے۔ آمریت ملک کی جڑوں کو اکھاڑ رہی ہے۔ بلوچستان میں فوجی آپریشن کے نتیجے میں مایوسی پھیل رہی ہے۔ سرحدوں پر صورتحال تشویشناک ہے' باجوڑ شمالی وزیرستان اور سوات میں عید کے روز بھی فساد میں بے گناہ اور معصوم لوگوں کا قتل عام کیا جا رہا ہے۔ مسلمان مسلمان کو مار رہا ہے آپ کو یہ ملک بچانا ہوگا۔ ہم سب مر جائیں گے لیکن ملک بچائیں گے۔ حکومت دہشت گردی روکنے میں ناکام ہوگئی۔ مجھے عوام پر اعتماد ہے جس کی طاقت سے یہ ملک بچ سکتا ہے۔ پاکستان

Marfat.com

پیپلز پارٹی کی تاریخ قربانیوں سے بھری پڑی ہے قائد عوام ذوالفقار علی بھٹو کو اسی شہر میں شہید کیا گیا میرے دو بھائیوں کو مروایا گیا' والدہ کے سر پر لاٹھیاں برسائی گئیں۔

یہ سال انتہائی اہمیت کا سال ہے جس میں چیف جسٹس کو دو مرتبہ نکالا گیا' ججز کو گرفتار کیا گیا' لال مسجد کے واقعے میں 100 سے زائد افراد مارے گئے' لوگ الیکشن کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں سوچتے تھے مگر میں نے تبدیلی لانے اور ملک کو آمریت سے جمہوریت کی طرف لے جانے کے لیے جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے یہاں آنے کا فیصلہ کیا لیکن جب پاکستان آئی تو کراچی میں بم دھماکے کے ذریعے مجھے ختم کرنے کی سازش کی گئی تاکہ غیر قانونی حکومت کو طوالت دی جا سکے' مگر مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہے' جو بھی محب وطن ہے وہ ملک سے نہیں بھاگے گا' عوام کو سلام پیش کرتی ہوں جنہوں نے سیاسی تیمیوں کو ناکام بنا دیا اور نہ تو الیکشن ملتوی ہو سکے اور نہ ہی ان کی یونیفارم والی بات پوری ہو سکی۔ اب ہم دھاندلی بھی نہیں ہونے دیں گے' عوام نے خیبر سے کراچی تک فیصلہ سنا دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ صرف عوام کی طاقت سے دہشت گردی اور انتہا پسندی کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ بینظیر بھٹو نے کہا کہ پاکستان آج ایک بار پھر شدید خطرے میں ہے۔ پرویز مشرف پاکستان کو توڑنے کے لیے جنرل یحییٰ' جنرل ایوب اور جنرل ضیاء سے بھی آگے نکل چکے ہیں۔

اسی طرح محترمہ بینظیر بھٹو شہید نے کسی بین الاقوامی لیڈر سے آخری ملاقات میں کہا کہ پیپلز پارٹی افغانستان کے ساتھ اچھے تعلقات کی خواہاں ہے انہوں نے کہا کہ دہشت گردی دونوں ملکوں کا مسئلہ ہے جس کے لیے ہمیں دونوں ملکوں کو مل کر جدوجہد کرنی ہے۔

ہماری سمت نہ دیکھو کہ کوئی دیر میں ہم
قبیلۂ دل و جان سے بچھڑنے والے ہیں
بسے بسائے ہوئے شہر اپنی آنکھوں کے
مثال خانہ ویراں اجڑنے والے ہیں
ہوا کا زور یہی ہے تو دیکھتے رہنا
ہماری جان کے خیمے اکھڑنے والے ہیں

Marfat.com

بے نظیر بھٹو شہید کا قاتل کون؟ تحقیقات پر ایک نظر!

بے نظیر بھٹو اس بات کا ہمیشہ خدشہ ظاہر کرتی رہیں کہ انہیں جان کا خطرہ ہے اور انہیں بعض قوتیں قتل کروانا چاہتی ہیں۔ امریکی جریدے پریڈ کو اپنی موت سے تقریباً ایک ماہ قبل دیئے گئے انٹرویو میں انہوں نے کہا تھا کہ میں طویل عرصے سے دہشت گردوں کا ہدف ہوں اور جانتی ہوں کہ مجھے کسی بھی وقت قتل کیا جا سکتا ہے۔ دہشت گرد جس چیز سے سب سے زیادہ خوف زدہ ہیں وہ میں ہوں۔

بے نظیر بھٹو کی شہادت کے بعد اگلا مرحلہ آزادانہ اور منصفانہ تحقیقات کا تھا جس میں حکومت کا مؤقف یہ تھا کہ اس سلسلہ میں کسی بیرونی ادارے یا ملک کے تعاون کی ضرورت نہیں' ہمارے اپنے انٹیلی جنس ادارے تحقیقات کریں گے لیکن پھر صدر پرویز مشرف نے اعلان کیا کہ ہم تحقیقات میں بیرونی مدد لینے کے لیے تیار ہیں اور انہوں نے اس بات کا بھی اعتراف کیا کہ وہ اب تک ہونے والی تحقیقات سے مطمئن نہیں ہیں۔ اس سے قبل انٹیلی جنس ادارے تحقیقات شروع کر چکے تھے اور وہ محترمہ بے نظیر بھٹو شہید کے زیر استعمال گاڑی اپنی تحویل میں لے چکے تھے۔ یہ گاڑی نمبر بی ایف 2777 ایس وی سکس لینڈ کروزر تھی۔ جس کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ یہ بلٹ پروف اور بم پروف تھی۔ یہ گاڑی حملے کے بعد تمام رات صادق آباد بس اسٹاپ کے نزدیک کھڑی رہی جسے ٹینٹ لگا کر ڈھانپ دیا گیا تھا اور اگلی صبح نامعلوم مقام پر منتقل کر دیا گیا تھا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کی شہادت کے حوالہ سے تحقیقات کے لیے حکومت کے ترجمان بریگیڈیئر ریٹائرڈ جاوید اقبال چیمہ نے کہا تھا کہ ہم ان کی میت کا پوسٹ مارٹم کرنے کے لیے تیار ہیں لیکن حکومت پاکستان نے ورثاء کی اجازت کے بغیر پوسٹ مارٹم نہیں کروایا تھا اور محترمہ کے خاوند جناب آصف علی زرداری نے کہا تھا کہ پوسٹ مارٹم سے میری بیوی اور قوم کی ماں اور بہن کی بے حرمتی ہوتی تھی اور پوسٹ

Marfat.com

مارٹم کے نتیجے میں ہونے والی تحقیقات کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا تھا۔ حکومت پاکستان کو تحقیقات کے سلسلے میں مدد دینے کے لیے کئی ممالک نے تعاون کی پیشکش کی تھی' ان میں خصوصیت کے ساتھ امریکہ اور برطانیہ کا نام لیا جاسکتا ہے۔ امریکی ایوانِ نمائندگان کی اسپیکر نینسی پیلوسی نے ایک سخت مؤقف اختیار کرتے ہوئے مطالبہ کیا تھا کہ امریکہ تحقیقاتی عمل سے متعلق پاکستان سے پوچھ گچھ کرے۔ اسی طرح امریکی کانگریس کے بارہ اہم ارکان نے بھی خبردار کیا تھا کہ وائٹ ہاؤس محترمہ بینظیر بھٹو کے قتل کی تحقیقات اقوام متحدہ سے کرانے پر زور دے' نہیں تو امریکہ پاکستان کو دی جانے والی امریکی امداد پر پابندیاں زیادہ سخت کر دے۔ پاکستان کے صدر پرویز مشرف نے محترمہ بینظیر بھٹو کے قتل کی تحقیقات میں اسکاٹ لینڈ یارڈ سے مدد لینے کا اعلان کیا تھا اور کہا تھا کہ محترمہ کے قتل میں فوج اور ایجنسیاں ملوث نہیں ہیں اور وہ محترمہ کے قتل کے حوالے سے گہرائی میں جا کر اصل وجہ معلوم کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں اور قوم میں موجود شکوک وشبہات کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں۔ صدر پرویز مشرف کے اس فیصلے پر کہ وہ قتل کی تحقیقات میں اسکارٹ لینڈ یارڈ سے مدد لیں گے۔ جناب آصف علی زرداری نے تنقید کرتے ہوئے کہا تھا کہ اسکارٹ لینڈ یارڈ آج کیسے یاد آ گیا جبکہ بینظیر بھٹو پر کراچی میں خودکش حملہ ہوا تو حکمرانوں کو اسکارٹ لینڈ یارڈ یاد کیوں نہیں آیا تھا ایک دوسرے موقع پر انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان پیپلز پارٹی نے کبھی بھی تحقیقات میں اسکارٹ لینڈ یارڈ سے تحقیقات کا مطالبہ نہیں کیا بلکہ وہ تو اقوام متحدہ کے کمیشن سے تحقیقات کا مطالبہ کرتے رہے ہیں۔

بہرحال حکومت کے اعلان کے مطابق اسکارٹ لینڈ یارڈ کی ٹیم نے تحقیقات کا آغاز کر دیا۔ تحقیقات سے قبل ٹیم کو وزارتِ داخلہ کی طرف سے بریفنگ دی گئی۔ ٹیم کو ایف آئی اے کے انسداد دہشت گردی کے اسپیشل انویسٹی گیشن گروپ نے قتل سے متعلق شواہد سے آگاہ کیا۔ اسکارٹ لینڈ یارڈ کی تحقیقاتی ٹیم نے اپنی تحقیقات کا

Marfat.com

آغاز کرتے ہوئے لیاقت باغ میں جائے وقوعہ کا معائنہ کیا اور سانحے کی فرضی عکس بندی کی۔ پانچ ارکان پر مشتمل ٹیم جب لیاقت باغ پہنچی تو تمام علاقے کو مکمل طور پر گھیرے میں لے لیا گیا۔ پولیس کی بھاری نفری نے صحافیوں کو اصل مقام سے دور ہٹا دیا۔ تحقیقاتی ٹیم نے اسٹیج' بے نظیر بھٹو کے آنے جانے کے راستے اور قریبی عمارتوں کا جائزہ لیا۔ ایک گاڑی کی مدد سے تمام سانحہ کو عارضی طور پر دوبارہ بنا کر اس کی فلم بندی کی گئی۔ ٹیم نے اسٹیج اور دیگر مقامات پر تصاویر بنائیں اور جدید آلات کی مدد سے تمام پیمائشیں کی گئیں۔ تاہم اسکارٹ لینڈ یارڈ کی ٹیم نے پوسٹ مارٹم رپورٹ کی عدم موجودگی اور تمام شواہد ضائع ہونے کی وجہ سے بعض دوسرے ماہرین کو بھی طلب کیا تھا۔ اس کے بعد ٹیم نے جنرل ہسپتال اور پولیس لائنز کا دورہ کیا۔ انہوں نے میڈیکل بورڈ سے ملاقات' سانحہ میں متاثر ہونے والی گاڑی کا معائنہ اور ایکسرے لیب اور آپریشن تھیٹر کا دورہ بھی کیا۔ اس تحقیقاتی ٹیم سے رابطے کے لیے وزارت داخلہ نے باقاعدہ ایک پریس ریلیز جاری کی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ بے نظیر بھٹو شہید کے حوالے سے کسی بھی قسم کے شواہد رکھنے والے افراد اور اداروں سے اپیل کی ہے کہ وہ تحقیقاتی ٹیم سے رابطہ کریں اور موبائل فون پر بنائی گئی فلم' وڈیو فلم' کیمرہ سے لی گئی تصویر یا تحقیقات میں مدد فراہم کرنے والی دیگر معلومات رکھنے والے افراد ٹیم سے مندرجہ ذیل نمبروں پر رابطہ کریں۔

051-5488455-- 051-5486586

تحقیقات پر آئی ہوئی پانچ رکنی ٹیم نے اپنی تفتیش کے دوران مقامی تحقیقات کاروں سے کچھ اہم سوالات بھی کیے مثلاً انہوں نے پوچھا کہ جب بینظیر بھٹو گاڑی کا سن روف کھول کر کھڑی ہوئیں تو کیا ان کی حفاظت پر مامور کسی افسر نے انہیں سن روف بند کرنے کا مشورہ دیا تھا؟

موقع پر موجود پولیس افسروں نے فائر کی آواز سے کیا اندازہ کیا؟

گولی کس پستول' رائفل یا بندوق سے چلائی گئی؟

Marfat.com

حملہ آوروں کی تعداد کیا تھی؟

وہ کس طرف سے آگے بڑھے؟

فائرنگ اور بم دھماکے کے درمیان کتنا وقفہ تھا۔

ٹیم نے بعض عینی شاہدین سے بھی معلومات حاصل کیں۔ ٹیم نے متعلقہ لوگوں کے بیانات بھی قلم بند کیے۔ ٹیم مردہ خانے بھی گئی' جہاں اس نے خودکش حملہ آور کی ٹانگوں اور دیگر اعضا کا معائنہ کر کے تصاویر بنائیں۔ ٹیم نے محترمہ بے نظیر بھٹو شہید کے جوتوں اور موزوں کی تصاویر لیں ۔ ٹیم نے تمام شواہد اور ثبوت اکٹھے کر کے ایک واضح سمت کا تعین کر لیا ہے۔ تاہم انہوں نے بے نظیر بھٹو کا پوسٹ مارٹم نہ ہونے سمیت بعض خدشات اور تحفظات کا اظہار بھی کیا۔ اب دیکھئے اس ماہر ٹیم کی تحقیقات کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ آیا وہ کسی نتیجے پر پہنچتی ہے یا پھر بغیر کوئی واضح رائے دیئے واپس چلی جاتی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ چونکہ بے نظیر بھٹو کے قتل کے تمام ثبوت دھو دیئے گئے ہیں' ریکارڈ چھپا لیا گیا ہے اور ان کے قتل کے معاملہ کو انتہائی پیچیدہ کر دیا گیا ہے کہ اسکارٹ لینڈ یارڈ کی ٹیم بھی بے بس ہو کر ہاتھ کھڑے کر دے گی۔ لیکن ایک حلقہ کا خیال یہ ہے کہ مجرم کتنا ہی چالاک کیوں نہ ہو وہ اپنے جرم کا نشان ضرور چھوڑتا ہے۔ ٹیم بچے کھچے نشانات کے ذریعے اپنے ہدف پر پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گی اور محترمہ بے نظیر بھٹو شہید کے قاتل بے نقاب ہو کر قانون کے ہاتھوں کیفر کردار تک ضرور پہنچیں گے۔

Marfat.com

بے نظیر بھٹو کی شہادت: حکومت کا مؤقف

وزارتِ داخلہ کے ترجمان بریگیڈیئر (ر) جاوید اقبال چیمہ نے 28 دسمبر 2007ء کو بینظیر بھٹو شہید کی شہادت کے دو روز بعد ایک پریس کانفرنس میں بینظیر بھٹو شہید کی شہادت سے متعلق سرکاری مؤقف بیان کرتے ہوئے کہا کہ بینظیر بھٹو پر حملے کے پیچھے بیت اللہ محسود کا ہاتھ ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے ایک ریکارڈ شدہ گفتگو بھی پیش کی جس میں بیت اللہ محسود اور ایک دوسرے صاحب ایک دوسرے کو مشن کی تکمیل کی مبارکباد پیش کر رہے تھے۔ انہوں نے مزید کہا کہ خودکش دھماکے سے پہلے بینظیر بھٹو پر تین فائر کیے گئے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک اور عجیب بات کہہ ڈالی جس پر دنیا حیران رہ گئی وہ یہ کہ وہ فرماتے ہیں کہ بینظیر بھٹو کی موت گولی لگنے یا بم دھماکے سے نہیں ہوئی بلکہ اپنی ہی گاڑی کے لیور سے سر ٹکرانے کی وجہ سے چوٹ کے باعث ہوئی۔ انہوں نے مزید تفصیلات بیان کرتے ہوئے کہا کہ بینظیر بھٹو جب کارکنوں کے نعروں کا جواب دینے کے لیے کھڑی ہوئیں تو حملہ آور ان کے دائیں طرف نیچے تھا ان پر تین فائر کیے گئے لیکن ایک بھی ان کو نہیں لگا لیکن جب وہ نیچے ہوئیں تو گاڑی کا لیور ان کے کان کے اوپر دماغ پر لگا جو ان کی موت کا سبب بنا۔ نگران وزیر داخلہ حامد نواز خاں نے اس موقع پر کہا کہ بینظیر بھٹو کی سیکورٹی کے تمام انتظامات کیے گئے تھے اور محترمہ بینظیر بھٹو کے سیکورٹی ایڈوائزر رحمٰن ملک کو تحریری طور پر ان انتظامات سے آگاہ بھی کیا گیا تھا۔ 27 دسمبر کو محترمہ پر حملے کے پیشگی اطلاعات ہمیں ملی تھیں اور ہم نے اس بارے میں رحمان ملک کو آگاہ کر دیا تھا اور وزارتِ داخلہ نے ہدایت کی تھی کہ محترمہ کے پروگرام میں ردّوبدل کیا جائے اور نقل و حمل میں احتیاط برتی جائے۔ ہم نے محترمہ کی مرضی کے مطابق ایک ایس ایس پی بھی انہیں فراہم کیا تھا انہوں نے کہا ان اطلاعات میں کوئی صداقت نہیں کہ محترمہ پر پولیس وین سے فائرنگ کی گئی انہوں نے کہا بینظیر بھٹو کی شہادت قومی سانحہ ہے۔

Marfat.com

ایک اطالوی نیوز ایجنسی کے دعوے کے مطابق محترمہ بینظیر بھٹو کے قتل کی ذمہ داری القاعدہ نے قبول کر لی ہے۔ ایجنسی کے مطابق افغانستان میں القاعدہ کے ایک سنئیر کمانڈر مصطفیٰ ابو یذید نے اٹلی کی ایک خبر رساں ایجنسی کو ٹیلی فون پر بتایا کہ بے نظیر بھٹو کو القاعدہ نے قتل کیا ہے کیونکہ بے نظیر امریکی ایجنٹ اور مجاہدین کے لیے خطرہ تھیں۔ انہوں نے کہا کہ ان کے قتل کی منظوری ایمن ظواہری نے اکتوبر 2007ء میں دی تھی اس نے کہا کہ ان کے قتل کے لیے ایک خصوصی سکواڈ تشکیل دیا گیا اور پنجاب سے تعلق رکھنے والی ایک شدت پسند مذہبی جماعت کے ایک نوجوان نے بینظیر کو قتل کیا۔ اس خبر سے حکومت کے مؤقف کی تائید ہوتی ہے کہ بینظیر بھٹو کی شہادت میں القاعدہ یا طالبان ملوث ہیں لیکن حکومت اس سانحہ پر پہلے بیرونی تحقیقات پر آمادہ نہیں تھی جس طرح کہ پیپلز پارٹی چاہتی تھی اور حکومت نے پیپلز پارٹی کے مطالبہ کو مسترد کر دیا تھا۔

حکومت کے مؤقف کے مطابق بے نظیر کے قاتل القاعدہ یا طالبان ہیں اور اس پر حکومت نے کئی ایک دلائل اور شواہد بھی پیش کیے ہیں' برطانیہ نے بھی اس مؤقف کی تائید کی کہ بینظیر بھٹو کے قتل میں القاعدہ یا طالبان کے ملوث ہونے کے دعوؤں کی تردید نہیں کی جا سکتی۔ برطانوی وزیر خارجہ ڈیوڈ ملی بینڈ نے پاکستانی ہائی کمیشن میں بینظیر بھٹو کے قتل پر اپنے تاثرات پیش کرتے ہوئے یہ مؤقف پیش کیا تھا تاہم انہوں نے یہ بات بھی زور دے کر کہا کہ بینظیر بھٹو کے قتل کی تحقیقات ایسے طریقے سے ضروری ہیں جس پر تمام حلقے اعتماد کر سکیں۔ پیپلز پارٹی کا ہمیشہ یہ مطالبہ رہا کہ بے نظیر بھٹو کی شہادت کی تحقیقات آزاد ذرائع سے کرائی جائیں۔ مقامی سطح کی ایجنسیوں پر انہیں اطمینان نہیں۔ محترمہ بے نظیر بھٹو بھی اپنی شہادت سے قبل 18 اکتوبر 2007ء کے کراچی بم دھماکوں کی تحقیقات کے لیے عالمی اداروں سے تحقیقات کا مطالبہ کرتی تھیں تاہم ان کا مؤقف یہ تھا کہ ہماری حکومت اور اداروں کے پاس وہ جدید سہولتیں اور ذرائع موجود نہیں جن کے ذریعہ مجرموں تک پہنچا جائے۔ یہ مطالبہ پیپلز پارٹی نے

Marfat.com

محترمہ کی شہادت کے بعد حکومت سے دھرانا شروع کر دیا لیکن حکومت انہیں یقین دہانی کراتی رہی کہ تحقیقات آزاد ذرائع سے ہوں گی اور انہیں چھپایا نہیں جائے گا لیکن ایک مرحلہ ایسا آیا کہ صدر پرویز مشرف نے پیپلز پارٹی کے اس مطالبے کو مان لیا کہ محترمہ کی شہادت کی تحقیقات میں اسکاٹ لینڈ یارڈ سے مدد لی جائے۔ چنانچہ انہوں نے 2 جنوری 2008ء کو قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا' میں اس واقعہ کی گہرائی میں جانا چاہتا ہوں کہ محترمہ بینظیر بھٹو کی شہادت کیسے ہوئی اور قوم کو جس کنفیوژن کا سامنا ہے اسے دور کرنا چاہتا ہوں۔ تاہم آصف علی زرداری کہتے ہیں کہ ان کا مطالبہ اقوامِ متحدہ کے کمیشن سے تحقیقات کروانے کا تھا سکارٹ لینڈ یارڈ کا مطالبہ ہم نے کبھی نہیں کیا۔

اس واقعہ سے متعلق تمام حقائق کا اعلیٰ سطح پر جائزہ لیا جائے گا۔ اس سلسلے میں ہم نے اسکاٹ لینڈ یارڈ سے تحقیقاتی ٹیم پاکستان بھیجنے کی درخواست کی ہے۔ صدر نے بیت اللہ محسود اور مولوی فضل اللہ پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ ان ہی لوگوں نے دو مرتبہ آفتاب احمد خان شیر پاؤ پر حملہ کیا' فضائیہ اور آئی ایس آئی کی بس پر حملہ کیا' کوہاٹ میں آرمی گیریژن پر حملہ کیا اور بہت نقصان پہنچایا۔ مجھے یقین ہے کہ ان ہی لوگوں نے محترمہ بینظیر بھٹو کو شہید کیا ہے۔

صدر پرویز مشرف نے ایوانِ صدر میں 3 جنوری 2008ء کو غیر ملکی میڈیا کے نمائندوں سے گفتگو کرتے ہوئے اس بات کی وضاحت کی تھی کہ محترمہ بے نظیر بھٹو کے قتل میں فوج اور انٹیلی جنس ایجنسیاں ملوث نہیں ہیں' پاکستان میں انٹیلی جنس کا کوئی ایسا ادارہ نہیں جو لوگوں کو خودکش حملوں پر آمادہ کرے' یہ کام مخصوص لوگوں کا ہے۔ صدر نے اس بات کا بھی کھل کر اظہار کیا کہ وہ اب تک بے نظیر بھٹو قتل سے متعلق ہونے والی تحقیقات سے مطمئن نہیں ہیں اور اس قتل کی تحقیقات کسی بھی سطح پر کروانے کے لیے تیار ہیں۔ بے نظیر بھٹو کی شہادت سے متعلق تحقیقات سے متعلق پیش رفت کی تفصیلات ''بے نظیر بھٹو کا قاتل کون؟'' کے زیرِ عنوان دیکھئے۔

Marfat.com

بے نظیر شہادت: طالبات کا موقف

قبائلی علاقہ جات میں مقیم جنگجو کمانڈر بیت اللہ محسود نے سابق وزیر اعظم بینظیر بھٹو کو قتل کرنے کے الزام کو مسترد کر دیا۔ ایک امریکی خبر رساں ادارے کو بیت اللہ محسود کے ترجمان نے بتایا کہ بینظیر بھٹو کے قتل میں ان کا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ خبر رساں ادارے کے مطابق بیت اللہ محسود کے ترجمان مولانا عمر نے ٹیلی فون پر بتایا کہ ان کا اس حملے میں کوئی ہاتھ نہیں۔ ان کے خلاف جعلی اور من گھڑت الزامات لگائے جا رہے ہیں اور یہ حکومت، فوج اور ایجنسیوں کی سازش ہے۔ ترجمان نے کہا کہ کسی عورت پر حملہ کرنا قبائلی روایات کے منافی ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت کی طرف سے جاری کی گئی ٹیلی فونک گفتگو ایک ڈرامہ ہے۔ ہمیں بے نظیر بھٹو کی موت پر افسوس ہے۔ ترجمان نے کہا کہ سیکیورٹی کا گھیرا توڑ کر ریلی میں یہ حملہ کرنا عسکریت پسندوں کے لئے ایک ناممکن کام ہے۔ ترجمان نے کہا کہ بینظیر بھٹو صرف پاکستان کی نہیں بلکہ بین الاقوامی رہنما تھیں ہمیں ان کے انتقال کا انتہائی دکھ ہے۔ طالبان یا القاعدہ کی بے نظیر بھٹو سے کوئی لڑائی نہیں۔ مولوی عمر نے کہا ہے کہ بے نظیر بھٹو حکومت میں نہیں تھیں اور نہ ہی القاعدہ یا طالبان خاتون پر حملہ کرتے ہیں۔ ادھر مولوی عمر نے کسی نامعلوم مقام سے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ بینظیر کا قتل ایک سیاسی معاملہ ہے اس لیے ہوسکتا ہے کہ اس میں حکومت یا اس کی ایجنسیاں ملوث ہوں۔ انکا کہنا تھا کہ بھٹو خاندان کے ساتھ کافی عرصہ سے یہ سلسلہ جاری ہے، پہلے اس خاندان کے تین افرد ذوالفقار علی بھٹو، شاہ نواز بھٹو اور مرتضٰی بھٹو کو قتل کیا گیا اور اب بے نظیر کو ہلاک کیا گیا تو یہ وہی پرانی دشمنی کا تسلسل ہے جو سیاسی مقاصد حاصل کرنے کیلئے کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے حکومت پاکستان نے دعویٰ کیا تھا کہ بینظیر بھٹو کی خودکش حملے میں ہلاکت کے ذمہ دار قبائلی علاقوں میں طالبان کے کمانڈر بیت اللہ محسود ہیں۔ پیپلز پارٹی کے ترجمان فرحت اللہ بابر نے بھی حکومت کے اس دعوے کو مسترد کیا ہے کہ حملے کیلئے بیت اللہ محسود ذمہ دار تھے۔ تحریکِ طالبان کے ترجمان مولوی عمر کی مطابق حکومت قبائلیوں کے لئے مشکلات پیدا کرنے اور انہیں کچلنے کے لیے اس قسم کے الزامات لگا رہی ہے۔ پہلے بھی حکومت نے یہ الزام لگایا کہ اسامہ بن لادن باجوڑ میں ہیں اور اب یہ الزام عائد کیا گیا ہے تو ان سب باتوں کا مقصد قبائلیوں کو بدنام کرنا ہے۔

Marfat.com

بے نظیر بھٹو شہادت: پیپلز پارٹی کا موٴقف

پیپلز پارٹی کی شہید چیئر پرسن بے نظیر بھٹو کی قریبی ساتھی شیری رحمان نے کہا ہے کہ انہوں نے مرحومہ کی میت کو غسل دیا تھا' اور ان کے سر پر گولی کا نشان تھا۔ بے نظیر بھٹو کی ترجمان شیری رحمان نے اسلام آباد میں فرانسیسی خبر رساں ایجنسی کو بتایا کہ وہ پارٹی کی اس ٹیم میں شامل تھیں جس نے بے نظیر بھٹو کی میت کو غسل دیا۔ شیری رحمان نے بتایا کہ بے نظیر کے سر پر گولی کا زخم سر کے پچھلے حصے سے دوسری جانب تک تھا۔ زخم کو مکمل طور پر صاف نہیں کیا گیا کیونکہ خون بہہ رہا تھا۔ انہوں نے حکومت پر حقائق چھپانے کا الزام عائد کیا اور کہا کہ ہسپتال انتظامیہ کو بھی موقف تبدیل کرنا پڑا اور ہسپتال انتظامیہ کبھی حقیقی رپورٹ نہیں دے گی۔ شیری رحمان نے کہا کہ وزارت داخلہ نے گاڑی کے سن روف سے سر ٹکرانے کو موت کی وجہ قرار دیا ہے لیکن یہ حقائق چھپانے کی ایک نامعقول کوشش ہے۔ شیری رحمان نے ایک اور بیان میں بتایا تھا کہ بے نظیر بھٹو کو جدید لیزر گن سے نشانہ بنایا گیا۔ حکومت کے بیانات غیر ذمہ دارانہ ہیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے سیکرٹری خزانہ جناب بابر اعوان صاحب نے بے نظیر بھٹو کی شہادت کے بعد کہا کہ محترمہ اپنی بلٹ پروف گاڑی میں کھڑی ہو کر عوام کے نعروں کا جواب دے رہی تھیں اسی دوران ان پر قریبی عمارت سے جدید اسلحہ سے فائرنگ کی گئی اور گاڑی پر دھماکہ خیز مواد پھینکا گیا۔ بینظیر بھٹو شہید کی سیکورٹی کی ذمہ داری حکومت کی تھی انہوں نے کہا بے نظیر بھٹو پر شارپ شوٹرز کے ذریعہ ان کی گردن پر فائرنگ کی گئی جس کی وجہ سے وہ شہید ہوئیں۔ بابر اعوان نے وزارتِ داخلہ کے نمائندوں کے موٴقف کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ ہم وزارت داخلہ کی تحقیقات کو نہیں مانتے بینظیر بھٹو شہید کی شہادت کی تحقیقات اقوامِ متحدہ کی زیرِ نگرانی عالمی تحقیقاتی اداروں سے کروائی جائے انہوں نے حکومت پر الزام لگایا کہ وہ قاتلوں کو چھپانے کی کوشش کر رہی ہے وزارتِ داخلہ کی طرف سے بیت اللہ محسود کے ملوث ہونے اور ٹیلی فون گفتگو کو مسترد کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وزارتِ داخلہ کا موٴقف اصل مجرموں کے چہروں کو چھپانا اور ان پر پردہ ڈالنے کی کوشش ہے۔ انہوں نے کہا بینظیر بھٹو شہید پر قاتلانہ حملوں میں ملوث افراد کی نشاندہی کی جا چکی تھی اور محترمہ نے اپنی زندگی ہی میں قاتلوں کا نام تک بتا دیا تھا لیکن ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی انہوں نے کہا کہ بے نظیر بھٹو کی سیکورٹی کے ناقص انتظامات سے متعلق حکومت کو متعدد مرتبہ آگاہ کیا گیا تھا لیکن اس طرح کوئی توجہ نہیں دی گئی تھی۔

Marfat.com

4 جنوری 2008ء کو پیپلز پارٹی کے مرکزی راہنما سینٹر بابر اعوان نے پشاور میں ایک پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنے قتل کے بارے میں کئی عالمی راہنماؤں کو آگاہ کر دیا تھا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کے قتل کی ایف آئی آر ان کے دیئے گئے بیان کے مطابق درج کی جائے اور تحقیقات اس ایف آئی آر کے مطابق اقوام متحدہ کمیشن سے کرائی جائیں۔ پیپلز پارٹی نے کبھی بھی سانحہ راولپنڈی کی تحقیقات اسکارٹ لینڈ یارڈ سے کرانے کا مطالبہ نہیں کیا۔ محترمہ کے قتل سے متعلق ثبوت میرے پاس ہیں جو اقوام متحدہ کے کمیشن کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ انہوں نے وزارتِ داخلہ کی جانب سے محترمہ کے قتل کا الزام قبائلی عوام پر لگانے کی شدید مذمت کی اور کہا کہ ایسا کر کے ملک میں خانہ جنگی کروانے کی کوشش کی گئی ہے۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے مرکزی ڈپٹی سیکریٹری اطلاعات سجاد بخاری نے بے نظیر شہید کی شہادت کے بعد لاہور میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ بے نظیر بھٹو کی شہادت کی تحقیقات اقوام متحدہ کے کمیشن سے رفیق حریری طرز پر کرائی جائے اور ان چار افراد کو شامل تفتیش کیا جائے جن کے بارے میں بے نظیر بھٹو شہید نے پاکستان آمد سے پہلے خدشہ ظاہر کیا تھا کہ انہیں ان افراد سے جان کا خطرہ ہے۔

Marfat.com

بےنظیر بھٹو کی شہادت: عالمی سطح پر مذمت

بےنظیر بھٹو کے قتل کی دنیا بھر میں سخت الفاظ میں مذمت کی گئی اور اسے بہت بڑا نقصان قرار دیا گیا۔

بھارت نے بےنظیر کے قتل پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اس عمل کو انتہائی ظالمانہ قرار دیا ہے۔وزیراعظم منموہن سنگھ نے بےنظیر شہید کی جانب سے بھارت کے ساتھ تعلقات بہتر کرنے کی کوششوں کو خراج عقیدت پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ بےنظیر برصغیر کے بہترین حکمرانوں میں سے تھیں۔

برطانیہ نے بےنظیر کے قتل کو بےحس دہشت گردوں کی کارروائی قرار دیتے ہوئے زور دیا ہے کہ دہشت گردوں کا راستہ روکنا انتہائی ضروری ہوگیا ہے۔ برطانوی وزیر خارجہ نے بےنظیر بھٹو پر حملے کی مذمت کی۔ وزیر خارجہ ڈیوڈ ملیبینڈ نے پاکستان میں تحمل اور یکجہتی کی اپیل کی ہے۔

امریکہ نے بھی اس حملے کی مذمت کی ہے۔صدر بش نے بےنظیر کے قتل پر رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے دہشت گردی کے خلاف پاکستان کا ساتھ برقرار رکھنے کا کہا ہے۔

ویٹی کن نے بھی بےنظیر کے قتل کو افسوسناک قرار دیا ہے۔ روس نے پاکستانی حکام سے اپیل کی ہے کہ وہ ملک میں قیام امن کو یقینی بنائیں۔فرانس اور اٹلی نے بےنظیر بھٹو کے قتل کو انتہا پسندی کا نتیجہ قرار دیا ہے۔

فرانس نے بےنظیر پر قاتلانہ حملے کی شدید مذمت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ ''قابل نفرت فعل'' ہے۔

افغانستان کی حکومت نے بےنظیر پر قاتلانہ حملے کی مذمت کرتے ہوئے اسے بربریت' قرار دیا۔ افغان صدر حامد کرزئی نے کہا کہ بےنظیر کے قاتل پاکستان اور امن کے دشمن ہیں۔ بےنظیر بھٹو اور حامد کرزئی نے سانحہ سے قبل اسلام آباد میں ملاقات کی تھی۔

متحدہ عرب امارات نے پاکستان کی سابقہ وزیراعظم کے قتل کی مذمت کی ہے۔متحدہ عرب امارات کے وزیر خارجہ شیخ عبداللہ بن زید النہیان نے اسے ایک مجرمانہ عمل قرار دیتے

Marfat.com

ہوئے پاکستانی عوام سے اپیل کی ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کے خلاف متحد رہیں۔

مصری سرکاری میڈیا پر جاری ہونے والے بیان میں پاکستانی عوام سے اظہار تعزیت کیا گیا ہے اور بے نظیر بھٹو کے قتل کو ظالمانہ کارروائی قرار دیا گیا ہے۔

بینظیر بھٹو کی شہادت پر بش سینئر کا اظہارِ رنج وغم

امریکہ کے سابق صدر بش سینئر اور ان کی اہلیہ باربرا بش نے بینظیر بھٹو کی شہادت پر گہرے دُکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ عالمی رہنما کی حیثیت سے بے نظیر بھٹو شہید نے تعمیری کردار ادا کیا۔ بش سینئر اور ان کی اہلیہ باربرا بش نے ہوسٹن میں پاکستانی سفارت خانے کا دورہ کیا اور تعزیتی کتاب میں اپنے تاثرات درج کرتے ہوئے لکھا کہ پاکستان سمیت عالمی دنیا انہیں ہمیشہ یاد رکھے گی۔ اس موقع پر بش سینئر نے بے نظیر بھٹو کے اہل خانہ سے تعزیت کا اظہار کیا۔ باربرا بش نے بھی بے نظیر بھٹو کو خراج عقیدت پیش کیا۔ واشنگٹن میں امریکی سفارت خانے میں امریکی قومی سلامتی کے مشیر اسٹیفن ہیڈلے نے صدر بش کی جانب سے تعزیتی کتاب میں تاثرات درج کرتے ہوئے لکھا کہ بے نظیر بھٹو کی شہادت سے دنیا ایک بہادر رہنما سے محروم ہوگئی ہے جس نے خود کو پاکستان میں جمہوریت کی آزادی کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ اس موقع پر امریکی عوام پاکستانی عوام کے ساتھ کھڑے ہیں۔

(بش سینئر)

سنگاپور، شمالی کوریا اور جاپان کا بینظیر بھٹو کی شہادت پر اظہار رنج وغم

سنگاپور، شمالی کوریا اور جاپان کے رہنماؤں نے پیپلز پارٹی کی سابق چیئر پرسن بے نظیر بھٹو کی شہادت پر رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کے قتل سے پاکستان کی سیاست میں خلا پیدا ہوگیا ہے۔ بے نظیر بھٹو کے شوہر آصف علی زرداری کے نام تعزیتی خط میں سنگاپور کے بابائے قوم لی خوان یو نے لکھا کہ بے نظیر کو پاکستان کی تاریخ کے انتہائی اہم وقت میں قتل کیا گیا۔ پاکستانی قوم اور پیپلز پارٹی عظیم رہنما سے محروم ہوگئی۔ بے نظیر ملک کے روشن مستقبل کے لیے کام کرنا چاہتی تھیں۔ وزیراعظم Lee Hsien Loong نے صدر پرویز مشرف کے نام پیغام میں کہا کہ بے نظیر بھٹو نے زندگی کو لاحق خطرات کے

Marfat.com

باوجود مشکل راستے کا انتخاب کیا تھا۔ ان کے قتل سے ثابت ہوگیا کہ پاکستان اور دیگر ممالک میں دہشت گردی کا خطرہ موجود ہے۔ دہشت گرد انتخابات ملتوی کرانے اور پاکستان کی سالمیت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ انہوں نے آصف علی زرداری کے نام خط میں کہا کہ بے نظیر بہادر خاتون تھیں جنہوں نے قتل کی دھمکیوں کے باوجود جدوجہد جاری رکھی۔ شمالی کوریا کے رہنما Kim Yong Nam نے صدر مشرف کے نام پیغام میں بے نظیر کی شہادت پر رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔ ادھر جاپان میں پاکستانی سفیر کے گھر تعزیتی کتاب رکھی گئی جس میں بادشاہ' وزیر خارجہ اور وزیراعظم کے نمائندوں اور مختلف ممالک کے سفیروں نے تاثرات درج کیے۔ جاپان میں مختلف سیاسی اور سماجی تنظیموں کی جانب سے بے نظیر کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنے کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

برصغیر بہترین لیڈر سے محروم

ہندوستان کے وزیراعظم منموہن سنگھ نے محترمہ بے نظیر بھٹو کی موت پر گہرے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''ان کی موت سے برصغیر ایک بہترین رہنماء سے محروم ہوگیا ہے۔''

انہوں نے کہا کہ محترمہ بھٹو کی موت سے انہیں گہرا صدمہ پہنچا ہے اور وہ اس مشکل گھڑی میں پاکستانی عوام کے غم میں شریک ہیں۔

وزیراعظم منموہن سنگھ کے میڈیا مشیر ڈاکٹر سنجے بارو نے ان کے ایک بیان کو ذرائع ابلاغ کے سامنے پڑھ کر سنایا۔

بیان میں منموہن سنگھ نے کہا کہ ''محترمہ بے نظیر بھٹو کوئی عام سیاسی رہنماء نہیں تھیں بلکہ ان کی ذات ایسی تھی جس نے ایک گہری چھاپ چھوڑی ہے۔''

وزیراعظم نے کہا ہے کہ محترمہ بھٹو نے ہند پاک تعلقات استوار کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے اور دونوں ملکوں کو ماضی کی تلخیوں سے نکال کر بہتر تعلقات کی طرف لانے میں ان کا کردار مثالی ہے۔

انہوں نے کہا: ''ان کی دردناک موت ہمیں پھر یاد دلاتی ہے کہ ہمارا خطہ ..دلانہ دہشت گردی کی لپیٹ میں ہے' جسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی ضرورت ہے۔''

وزیر خارجہ پرناب مکھرجی نے ایک بیان میں بے نظیر بھٹو پر قاتلانہ حملے کی سخت

Marfat.com

الفاظ میں مذمت کی ہے۔

''یہ بہیمانہ عمل بے حد افسوس ناک ہے' میں محترمہ بھٹو کے اہل خانہ' ان کی پارٹی اور پاکستانی عوام کے غم میں برابر شریک ہوں' ہماری دعائیں اس نازک وقت میں ان کے ساتھ ہیں۔''

حزب اختلاف کے رہنما لال کرشن ایڈوانی نے بھی محترمہ بھٹو کی موت پر گہرے صدمے کا اظہار کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ''راولپنڈی سے ان کی موت کی خبر میرے لیے بڑی دردناک تھی' وہ ایک اہم رہنما تھیں جو پاکستان میں جمہوریت کے لیے کوشش کر رہی تھیں۔''

ایڈوانی نے کہا کہ پاکستان میں جس طرح طالبانائزیشن ہو رہا ہے اس سے بھارت کی سیکورٹی کو بھی خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔

ہیلری کلنٹن کا بے نظیر بھٹو کے قتل کی بین الاقوامی سطح پر تحقیقات کا مطالبہ

امریکہ کی ممکنہ صدارتی امیدوار ہیلری کلنٹن نے پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن بے نظیر بھٹو شہید کے قتل کی بین الاقوامی سطح پر تحقیقات کا مطالبہ کیا ہے جبکہ ڈیموکریٹ رہنما بل رچرڈسن نے صدر بش سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ صدر پرویز مشرف پر عہدہ چھوڑنے اور وسیع البنیاد حکومت قائم کرنے کے لیے دباؤ ڈالیں۔ آیووا میں صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے ہیلری کلنٹن نے کہا کہ وہ بین الاقوامی سطح پر تحقیقات چاہتی ہیں۔ ہیلری کلنٹن نے بے نظیر بھٹو شہید کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ صدر پرویز مشرف پاکستان کو جمہوریت کی جانب لانے اور القاعدہ کے خاتمے میں ناکام ہو گئے ہیں۔ صدر مشرف سے متعلق امریکی صدر جارج بش کی پالیسی ناکام ہو چکی ہے۔ ادھر ری پبلکن رہنما جون مک کین نے کہا ہے کہ پاکستان میں الیکشن ہونے چاہئیں' جبکہ ڈیموکریٹ رہنما بارک اوباما کا کہنا ہے کہ جمہوریت کی بحالی تک امریکہ کو پاکستان کی فوجی امداد بند کر دینی چاہیے۔ ڈیموکریٹک پارٹی کے اہم رہنما بل رچرڈسن نے صدر بش سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ صدر پرویز مشرف پر صدارت چھوڑنے اور پاکستان میں وسیع البنیاد حکومت قائم کرنے کے لیے دباؤ ڈالیں۔ پاکستان میں تمام سیاسی جماعتوں پر مشتمل وسیع البنیاد حکومت قائم

Marfat.com

ہونے تک پاکستان کی فوجی امداد فوری طور پر بند کی جائے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں وسیع البنیاد حکومت کے ذریعے 8 جنوری 2008ء کے انتخابات یقینی بنائے جائیں۔
(ہیلری کلنٹن)

صدر پرویز مشرف

بینظیر بھٹو کا قتل ملک کے خلاف سازش ہے۔ قوم پُر امن رہے۔

جنرل اشفاق کیانی

ہم سب کو قومی راہنما کے قتل پر دُکھ ہوا ہے بینظیر بھٹو کا قتل ایک قومی سانحہ ہے۔

معزول چیف جسٹس آف پاکستان افتخار محمد چودھری

محترمہ بینظیر بھٹو کے وحشیانہ قتل پر پارٹی کارکنوں اور ان کے اہل خانہ کے غم میں ہم برابر کے شریک ہیں۔

نواز شریف

بینظیر بھٹو کی جنگ اب میں لڑوں گا اور ان کے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں گے اور قتل کا بدلہ عوام سے مل کر لیں گے۔

شہباز شریف

بینظیر بھٹو کا قتل قومی المیہ اور پاکستان کے خلاف سازش ہے۔

قاضی حسین احمد

بینظیر بھٹو کی شہادت پر دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔

غنویٰ بھٹو

بینظیر بھٹو کی شہادت قومی سانحہ ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن

بینظیر بھٹو کی شہادت پر دلی دُکھ ہوا ہے۔

Marfat.com

بے نظیر بھٹو شہید کو اہلِ قلم کا خراجِ تحسین

یہ کس کا لہو ہے؟ کون مرا؟
اے رہبر ملک و قوم بتا؟

Marfat.com

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا
وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے
اس جان کی کوئی بات نہیں

Marfat.com

بینظیر بھٹو۔1970ء سے 2007ء تک۔کچھ یادیں

1970ء۔70 کلفٹن کا تاریخی ڈرائنگ روم۔''یہ بینظیر ہیں۔چھٹیوں میں آئی ہوئی ہیں۔ان سے موجودہ حالات پر انٹرویو کرلیں۔''پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئر پرسن،سابق وزیر خارجہ پاکستان،جناب ذوالفقار علی بھٹو اپنی عزیز ترین صاحبزادی کو میرے ساتھ بٹھا کر باہر اپنے سیاسی جمگھٹ میں چلے گئے ہیں،جہاں جے۔اے۔رحیم،محمود علی قصوری،غلام مصطفیٰ کھر،عبدالحفیظ پیرزادہ،غلام مصطفیٰ جتوئی،حنیف رامے،ڈاکٹر مبشر حسن سب ہی موجود ہیں۔لندن میں زیر تعلیم،17 سالہ پاکستانی طالبعلم،یحییٰ خان کا مارشل لاء،موضوع دائیں اور بائیں بازو کی کشمکش۔خاص طور پر نوابزادہ نصراللہ کے بیانات پر اظہار خیال۔انکل کو اس طرح ڈیڈی کے خلاف بیانات نہیں دینے چاہئیں۔Facts کو سامنے رکھنا چاہیے۔پاکستان کا مستقبل ترقی پسندی سے وابستہ ہے۔تاریخ کا پہیہ آگے بڑھتا ہے۔''میری پہلی یاد محترمہ بینظیر بھٹو سے اس طرح وابستہ ہے۔روسی قونصل خانے میں ان کے ویزے کے لئے ہمراہ جانا بھی ذہن کے اوراق پر دھندلا دھندلا موجود ہے۔وہ لندن واپسی پر ماسکو میں رکنا چاہتی ہیں۔

1972ء شملہ۔صدر پاکستان ذوالفقار علی بھٹو۔اپنی صاحبزادی کو جواہر لعل نہرو کی صاحبزادی اندرا گاندھی سے ملوانے لے گئے۔1977ء جنرل ضیاء الحق کا مارشل لاء۔24 سالہ بینظیر بھٹو کو تعلیم سے فارغ ہوتے ہی عملی سیاسی زندگی کا آغاز کرنا پڑ رہا ہے۔ایسی راہ،جو کانٹوں سے بھری ہے۔کچھ خبر نہیں کہ کب تک جدوجہد جاری رہے گی۔اپنی پارٹی کے بہت سے لوگ ادھر ادھر ہوگئے ہیں۔آج کے بڑے بڑے جمہوری چیمپئن،چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے پہلو میں بیٹھے ہیں۔ذوالفقار علی بھٹو پر قتل کا مقدمہ چل رہا ہے۔انتخابی مہم۔مخدوم خلیق الزماں اور دوسرے جواں سال اپنے قائد کی بیٹی کو لے سندھ میں سرگرم ہیں۔انتخابات ملتوی۔غیر یقینی مستقبل۔70 کلفٹن میں اپنے صحافیانہ فرائض کے سلسلے میں اکثر ملاقات ہوتی ہے۔

Marfat.com

1978۔ایک رات مجھے اطلاع ملتی ہے کہ ایوان صدر میں چیف جسٹس پاکستان چیف جسٹس لاہور ہائیکورٹ فیصلہ، پھانسی کی سزا۔ میں بیتاب ہوں کہ صبح ہو تو میں ایک بیٹی کو بتاؤں کہ اس کے عظیم والد کے لئے کیا فیصلہ ہو رہا ہے۔ 70 کلفٹن ۔لابی۔ ایک قوم پرست سندھی رہنما۔ ایک پی پی پی کے رہنما جو بعد میں سینٹر بنے۔ وہ کہہ رہے ہیں ''کہ فیصلہ بھٹو صاحب کے حق میں آنے والا ہے۔ پی این اے والے ہنگامہ کریں گے۔ اس لئے فوج لگا رہے ہیں۔'' میں سوچ رہا ہوں کیسے لوگ ہیں۔ کتنی غلط بیانی۔ وہ چلے جاتے ہیں تو میں ان سے کہہ رہا ہوں (اس وقت کی خبر تھی۔ کہ شہادت بالآخران کی بھی منزل ہے) کہ انتہائی باوثوق ذرائع کی اطلاع ہے کہ 18 مارچ کو پھانسی کی سزا سنائی جائے گی۔ ایک بیٹی کو اس کے والد کیلئے ایسی بات بتانے سے پہلے میں نے سو بار سوچا۔ لیکن مصدقہ اطلاع ہے۔ ''مجھے کیا کرنا چاہئے۔ آپ بین الاقوامی شخصیات سے رابطہ کریں۔ اپنے لوگوں سے ملیں۔ یہ بھی اطلاع ہے کہ آپ کو نظر بند کرلیا جائے گا۔'' میں اپنی ذمہ داری پوری کر کے آ گیا ہوں، 18 مارچ کو میری اپنی پیشی بھی ہے۔ لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کی اطلاع آتی ہے۔ 70 کلفٹن کے پاس سے گزرتا ہوں۔ وہ سب جیل بن چکا ہے۔

1979ء ۔نظر بندی کے بعد سہالہ سے کراچی واپس۔ 70 کلفٹن ۔ کچن کے ساتھ میٹنگ روم بیگم نصرت بھٹو۔ عدت میں ہیں۔ ان سے ملاقات نہیں ہوسکتی۔ بینظیر بھٹو۔ پریس کانفرنس کررہی ہیں۔ اندرون سندھ ریل سے جارہی ہیں۔ بھٹو صاحب کی شہادت کا غم آپ کے پاس بہت بڑی طاقت ہے۔ اسے فوری طور پر اسٹیشنوں، جلسوں میں نہ بکھیریں، وقت پر اس کا استعمال کریں۔ چو این لائی نے کہا تھا ''اپنے دکھ کو طاقت میں بدل لو۔'' 14 اگست 1979ء۔ پھانسی کا دن 4 اپریل۔ عدت کے ایام پاکستان کے یوم آزادی پر ختم ہوتے ہیں۔ پاکستان بھر سے اظہار تعزیت کے لئے رہنما و کارکن آ رہے ہیں۔ بیگم نصرت بھٹو، تصویر غم، بینظیر بھٹو، ایک عزم و مصمم، سیاہ لباس، ماں، بیٹی، سیاسی قوت، سیاسی رہنما۔ ان سے اتحاد کے لئے سرگرم۔ نظر بندیوں کا سلسلہ وقفوں وقفوں سے جاری۔ بیگم نصرت بھٹو اپنی صاحبزادی پر فخر کرتی ہیں کہ وہ اپنے باپ کی تصویر ہے۔ وہی ارادے استقامت مستقبل کا شعور، پھانسی کے بعد پہلے بلدیاتی انتخابات میں حصہ لینا چاہئے یا نہیں۔ بینظیر حصہ لینے کا فیصلہ کرتی ہیں۔ عوام دوست امیدوار کامیابی بھی

Marfat.com

حاصل کرتے ہیں۔ یہاں سے بینظیر کے بڑے فیصلے لینے کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ بیگم نصرت بھٹو علاج کے لئے بیرون ملک جا رہی ہیں۔ بینظیر نظر بند ہیں۔ ان سے مختلف ذرائع سے اطلاعات کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ وہ ٹیلی ویژن دیکھ رہی ہیں اور جنرل ضیاء سے ملنے والوں کو پارٹی سے نکالنے کے نوٹس دے رہی ہیں۔ 1983ء۔ ان کے کان کا عارضہ شدید ہو جاتا ہے۔ ان کے معالج سے ہم خبروں کے لئے ملتے رہتے ہیں۔ 1984ء۔ حکومت انہیں خاموشی سے ائیر پورٹ پہنچانے اور ملک سے روانگی میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ فون پر رابطہ رہتا ہے۔ 1985ء۔ انتخابات۔ ایم آر ڈی بائیکاٹ کا اعلان کرتی ہے۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ لیڈیز (بیگم نصرت بھٹو، محترمہ بینظیر بھٹو، دونوں ملک سے باہر ہیں) نے منع کیا ہے، جو بعد میں غلط ثابت ہوتا ہے۔ اپریل 1986ء۔ وطن واپسی۔ عظیم استقبال۔ ان کا وعدہ ہے کہ پہلا انٹرویو جنگ کیلئے ہمیں دیں گی۔ لندن میں بلایا گیا تھا۔ جا نہیں سکتے تھے۔ وعدہ پورا ہوتا ہے۔ ملتان میں انٹرویو تفصیل سے۔ پھر ان کے ساتھ ہی 3 مئی 1986ء کو کراچی واپسی۔ دوپہر سے ٹرک پر ان کے ساتھ قائداعظم کے مزار کے پاس جلسہ عام سے خطاب۔ 3 رمئی حکومت گئی۔ لیکن حکومت اپنی جگہ۔ مستقبل کی منصوبہ بندی۔ پارٹی قیادت میں تبدیلیاں۔ پی پی پی اب بھی سرفہرست سیاسی پارٹی ہے۔ طاقت کا سرچشمہ بینظیر بھٹو کی شخصیت بیگم بھٹو رفتہ رفتہ پیچھے ہوتی ہوئیں۔ 1987ء۔ منگنی، شادی کا سال۔ جونیجو افغان معاہدے پر دستخط سے پہلے سیاسی قائدین سے مشورے کرتے ہیں۔ بینظیر کی وزیراعظم ہاؤس سے واپسی پر وزیراعظم بھٹو کی وزیراعظم ہاؤس سے وابستہ یادوں پر بات چیت۔ 1988ء جونیجو حکومت کی برطرفی۔ انتخابات کا اعلان۔ 17 اگست 1988۔ پاکستان تباہ ہونے کی اطلاع۔ 4 بجے شام کے آس پاس۔ فون پر 70 کلفٹن رابطہ۔ پہلی اطلاع۔ پریس کانفرنس۔ زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ انتخابات پی پی پی کی کامیابی۔ پہلی مسلمان خاتون وزیراعظم کا اعزاز۔ اکثر غیر ملکی دوروں میں ساتھ جانے کا اتفاق۔ امریکی کانفرنس سے خطاب۔ ہر جملے پر تالیاں۔ ایک پسماندہ ملک کی روشن خیالی کا ثبوت۔ خاتون کا انتخاب بطور وزیراعظم جس کا نظارہ امریکہ و یورپ بھی نہ کر سکے اگست 1990ء میں حکومت کی برطرفی، شوہر کے خلاف مقدمات، عدالتوں میں پیشیاں۔ کبھی کبھی اداسی، مایوسی۔ پھر 1993ء میں لانگ مارچ کی دھمکی

Marfat.com

اور ڈرامائی مناظر۔ دوبارہ وزیراعظم۔ اپنے صدر کا انتخاب۔ اپنے صدر کے ہاتھوں حکومت کی معطلی۔ دبئی۔ کیا صورت حال ہے۔ حکومت میں پھر ضیا اسٹ بیٹھے ہیں۔ کیسے روشن خیال ہوگی۔ 18 اکتوبر 2007ء وطن واپسی۔ عظیم الشان استقبال۔ خودکش بم دھماکہ، تمام حفاظتی انتظامات بے نتیجہ، افراتفری، چار پانچ روز بعد ''جنگ'' کے لئے خصوصی انٹرویو۔ وطن واپسی کے بعد کسی اخبار کے لئے پہلا اور شاید آخری باقاعدہ انٹرویو۔ نومبر 2007ء سنٹرل ایگزیکٹو کمیٹی کے اجلاس سے پہلے پانچ چھ ایڈیٹرز سے آف دی ریکارڈ صلاح مشورے۔ الیکشن میں حصہ لیں یا نہیں۔ ناہید خان، صفدر عباسی، فہمیدہ مرزا۔ الیکشن میں حصہ لینا چاہئے میں ساتھ والی کرسی پر ہوں۔ کسے خبر تھی کہ تین دہائیوں میں ملاقاتوں کے سلسلے میں انہیں آخری بار دیکھ رہا ہوں۔ شخصیت میں پہلے سے کہیں زیادہ ٹھہراؤ، تامل، تحمل، مشاورت کا اہتمام، جلسے ریلیاں، خودکش حملوں کا خطرہ، امریکی سفر سے ملاقاتیں، جیو کے دفاتر کا اظہار یکجہتی کیلئے دورہ۔ تیسری بار وزیراعظم بننے پر پابندی کیسے ختم ہوگی۔ کسی کو دو تہائی اکثریت نہیں ملے گی۔ صدر پرویز مشرف۔ اپنی ماورائے آئین ترامیم کو پارلیمنٹ سے منظور کروانے کے لئے پی پی پی سے مذاکرات کریں گے۔ اسی میں تیسری بار وزیراعظم بننے پر پابندی پر بات چیت ہوگی۔ جمعرات کی رات انتہا پسند ایک اعتدال پسند اور مسلم خاتون رہنما کو اپنے راستے سے ہٹانے میں کامیاب اور کتنوں کا لہو چاہئے اے ارض وطن۔ کیا پی پی پی ختم ہو جائے گی، کیا پاکستان کا سیاسی مستقبل بھی قتل ہوگیا۔ بھٹو جب تک زندہ رہتے ہیں۔ ہنگاموں میں دن گزارتے ہیں۔ ان کی مختصر زندگی میں سارے سال بہت سرگرم ہوتے ہیں۔ سیاسی افق پر چھائے رہتے ہیں۔ ان کی موت بھی انہیں سیاسی افق سے نہیں ہٹا سکتی۔ 1927ء میں پیدا ہونے والا سال بھٹو 1957ء سے پاکستان کے سیاسی افق پر چمکا۔ 1979ء تک وہ تب وتاب رہی۔ بھٹو کا اقتدار 1977ء میں ختم ہوا۔ بھٹو کا دور آج تک ختم نہیں ہوا۔ بینظیر بھٹو 1953ء میں پیدا ہوئیں۔ 1977ء سے سیاسی افق پر طلوع ہوئیں۔ 2007ء تک مسلسل چمکتی رہیں۔

1979ء سے بھٹو صاحب اب تک پاکستانی سیاست کا محور ہیں۔ اب ان کے ساتھ ساتھ بینظیر بھٹو بھی سیاسی حوالہ بن کر زندہ رہیں گی۔

(محمود شام)

Marfat.com

الوداع بینظیر

شہید ذوالفقار علی بھٹو کی شہید بیٹی بینظیر بھٹو جب دو ماہ نو دن پہلے وطن واپس آئیں تو ان کی سلامتی کے بارے میں سخت خدشات پائے جاتے تھے۔ دوسروں سے بڑھ کر خود انہیں ان خطرات کا احساس تھا لیکن انہوں نے اپریل 1979ء میں اپنے والد ذوالفقار علی بھٹو سے جیل میں آخری ملاقات کے وقت جو وعدہ کیا تھا: ''بابا! میں آپ کے مشن کو آگے لے کر چلوں گی'' اس وعدے کی لاج رکھنے کیلئے انہوں نے ہر طرف سے ظاہر کئے جانے والے خطرات اور خدشات کو پس پشت ڈالتے ہوئے آٹھ جنوری 2008ء کے انتخابات کی مہم جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ ان کی پہلی ہی عوامی ریلی میں خوفناک بم دھماکے ہوئے جن میں ڈیڑھ سو کے قریب لوگ شہید اور کئی سو زخمی ہوئے جبکہ محترمہ خوش قسمتی سے محفوظ رہیں اس وقت بہت سے لوگوں نے جن میں ان کے دوست اور دشمن دونوں شامل تھے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ اب محترمہ کے لئے اپنی پارٹی کی انتخابی مہم زور شور سے چلانا ممکن نہیں ہو سکے گا اور وہ اپنی جان اور ذات کو لاحق خطرات کی وجہ سے پبلک جلسے کر سکیں گی نہ ریلیوں کی قیادت کر سکیں گی لیکن انہوں نے ان اندازوں کو غلط ثابت کر دیا اور جمہوریت قانون کی حکمرانی، عدل اجتماعی اور ملک کی ترقی کے لئے جو عزم انہوں نے کر رکھا تھا اس کی تکمیل کے لئے وہ بے دھڑک باہر نکل آئیں اور ملک کے چاروں صوبوں میں جلسوں اور ریلیوں سے خطاب کیا اور اپنا پیغام عوام تک پہنچایا۔ جوں جوں دن گزرتے جا رہے تھے دل و دماغ کے کسی گوشے میں امید کی یہ کرن روشن ہونے لگی کہ یہ خدشات بے بنیاد ثابت ہوں گے اور بینظیر الیکشن میں اپنی پارٹی کی قیادت کر سکیں گی لیکن 27 دسمبر کی شام روشنی کی یہ کرن بجھ گئی اور بینظیر بھٹو اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔

Marfat.com

بینظیر بھٹو کے ناقدین اور مخالفین کی بھی کمی نہیں لیکن ان کے چاہنے والوں اور ان کے مداحوں کی تعداد انکے ناقدین سے کہیں زیادہ تھی۔ وہ ایک دلیر اور جری اور ایک بہادر خاتون تھیں اور اپنی شہادت سے صرف چند روز پہلے انہوں نے کہا تھا کہ گیدڑ کی طرح ڈر کر لمبی عمر حاصل کرنے کی بجائے شیر کی طرح سینہ تان کر آگے بڑھتے ہوئے جان دینا میرے لئے باعث فخر ہوگا۔ بینظیر نے چار اپریل 1979 کے روز اپنے باپ سے جو وعدہ کیا تھا وہ اس کی لاج رکھنے میں کامیاب رہیں۔ اس وقت کے ظالموں نے بینظیر اور اس کے باپ کو آخری ملاقات میں بھی ایک دوسرے کے گلے لگ جانے کی اجازت نہ دی اور سلاخوں کے پیچھے کھڑے باپ کو بینظیر سوجی ہوئی آنکھوں اور بہتے ہوئے آنسوؤں کیساتھ دیکھتی رہی۔ بینظیر کی المناک شہادت پاکستان کی تاریخ کے بڑے المیوں میں سے ایک ہے۔ پاکستان پہلے ہی کچھ کم مشکلات اور مصائب، بے یقینی اور پر خطر حالات سے دوچار نہ تھا۔ بینظیر کی اچانک شہادت نے ان تمام خدشات اور بے یقینی کی حالت میں کئی گنا اضافہ کر دیا ہے، بینظیر کو بجا طور پر چاروں صوبوں کی زنجیر کہا جاتا تھا آج وہ زنجیر ٹوٹ گئی ہے اور میرے عزیز وطن پاکستان کا وفاق کمزور ہو گیا ہے۔ بینظیر نے اپنی شہادت سے چند روز پہلے بلوچستان میں بلوچوں کو یقین دلایا تھا کہ میں اقتدار میں آ کر تمہارے تمام حقوق تمہیں لوٹا دوں گی۔ میں تمہیں اپنے صوبے کے وسائل کا مالک بنا دوں گی تمہیں پاکستان کے محترم اور باعزت اور برابر کے شہریوں کا مقام دوں گی جس سے مایوس بلوچوں کے دلوں میں امید کی ایک شمع روشن ہوئی تھی آج پاکستان کا ہر باشعور شہری غم میں ڈوبا ہوا ہے۔ اسے بینظیر کی شہادت کا جتنا دکھ ہے اتنی ہی فکر اس بات کی بھی ہے کہ وطن عزیز پر ان کی شہادت کے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ بینظیر اور اس کے باپ نے غریبوں کے لئے مادی حوالے سے شاید بہت کچھ نہ کیا ہو لیکن بھٹو خاندان سے ان کا رومانس قائم تھا۔ پاکستان کے لاکھوں کروڑوں مرد عورتیں اور نوجوان بینظیر پر اپنی جان نچھاور کرنے کے لئے تیار تھے۔ وہ اس کی زندگی اور سلامتی کیلئے دعائیں مانگتے تھے لیکن قدرت کو شاید ابھی ان کا مزید امتحان مطلوب تھا۔ کل تک بلکہ چند گھنٹے پہلے تک پاکستان کے محروم اور پسماندہ دبے ہوئے اور مفلوک الحال عوام کو امید کی جھلک دکھانے والی بینظیر بھٹو کی لحد اس وقت تیار ہو چکی ہے اور چند گھنٹوں کے بعد اس کا جنازہ پڑھا جائے گا اور اسے منوں مٹی کے

Marfat.com

نیچے دفن کر دیا جائے گا۔ ہائے! کل اس وقت کون یہ اندازہ کر سکتا تھا کون یہ کہہ سکتا تھا کون یہ سمجھ سکتا تھا کون یہ مان سکتا تھا کہ 24 گھنٹے نہیں گزریں گے اور بینظیر ان کے درمیان سے اٹھ جائے گی۔ وہ اقتدار میں آ کر اپنے کروڑوں پروانوں کے لئے کچھ کر سکتی یا نہ کر سکتی لیکن وہ ان کی امید تھی ان کا سہارا تھی انہیں اس سے عشق تھا انہیں اس سے پیار تھا وہ اسکی ایک جھلک دیکھنے کے لئے لاکھوں کی تعداد میں اس کے جلوسوں میں آ رہے تھے لیکن انہیں معلوم نہ تھا کہ وہ بینظیر کا آخری دیدار کرر ہے ہیں۔ دل اب بھی نہیں مانتا کہ بینظیر ہم میں نہیں رہیں۔ میرا قلم انہیں مرحوم اور شہید لکھتے ہوئے کانپتا ہے لیکن اللہ کی قضا اور رضا کے سامنے سب بے بس ہیں۔

راقم نے پہلی دفعہ بینظیر کو لندن کے ایک چھوٹے سے فلیٹ میں اس وقت دیکھا جب وہ اپنے چھوٹے سے فلیٹ میں اس وقت دیکھا جب وہ اپنے چھوٹے بھائی شاہنواز کی پراسرار موت پر پرسہ دینے کے لئے آنے والے ہزاروں پاکستانیوں اور جانثاروں سے ملنے کے لئے دو روز کے لئے لندن آئی تھیں۔ میں اس وقت اتفاق سے لندن میں تھا۔ میں ان کے فلیٹ پر گیا کمرہ چھوٹا تھا ہجوم بہت زیادہ تھا ہدایت یہ تھی کہ جو لوگ دعا مانگ لیں کمرے سے چلے جائیں تاکہ دوسرے لوگ ان کی جگہ آسکیں۔ مجھے یہ اعتراف ہے کہ میں نے کسی نہ کسی طرح اس حکم، ہدایت کی خلاف ورزی کی اور میں اس چھوٹے سے کمرے کے ایک کونے میں تادیر دبک کر بیٹھا رہا۔ بینظیر زاروقطار رورہی تھیں۔ وہ بہت نحیف اور نزار اور کمزور نظر آ رہی تھی۔ ان کی آنکھوں سے آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ میں ایک متجسس مبصر کی حیثیت میں ان کی شخصیت کے پہلوؤں کا گہرائی میں جا کر جائزہ لینے کا خواہشمند تھا۔ میں جتنی دیر وہاں بیٹھا رہا ان کی زبان سے ایک لفظ نہیں نکلا لیکن وہ آنکھوں کے اشاروں سے تعزیت کے لئے آنے والوں کا شکریہ ادا کرتی رہیں۔ میر مرتضیٰ بھٹو کو جب کراچی میں ان کے گھر کے باہر قتل کیا گیا تو دو دن کے بعد محترمہ وزیراعظم ہاؤس میں واپس آئیں۔ انسانوں کا ایک سمندر ان سے اظہار افسوس کیلئے وزیراعظم میں پہنچا ہوا تھا۔ یہاں بھی وہ ایک کمرے میں بیٹھی ہوئی تھیں جو اگرچہ کافی بڑا تھا لیکن سب آنے والوں کو ملاقات کا موقع دینے کے لئے یہاں بھی یہی فیصلہ تھا کہ جو لوگ بی بی سے اظہار افسوس کر لیں وہ دوسرے کے لئے جگہ خالی کر دیں۔ میں جس گروہ کے ساتھ وزیراعظم کے اس کمرے میں گیا تھا جب وہ

Marfat.com

اظہار تعزیت کے بعد وہاں سے جانے لگا تو میں بھی اپنی نشست سے اٹھا اور باہر جانے کے دروازے کا رخ کیا۔ میں ابھی ایک آدھ قدم ہی چلا تھا کہ بی بی کا پیغام آیا: ''حقانی صاحب! آپ اور اعتزاز احسن ٹھہر جائیں۔ آپ کمرے سے نہ جائیں۔ مجھے آپکی موجودگی سے حوصلہ ملتا ہے۔'' اس پر جناب اعتزاز احسن اور میں ایک طرف رکھی ہوئی دو کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ جب لوگوں کا ہجوم تھما۔ کمرے میں کچھ خاموشی ہوئی تو بڑی دیر تک کسی نے خاموشی کی اس مہر کو نہ توڑا۔ غمزدہ لوگ اپنا دکھ دل میں لئے خاموش بیٹھے رہے پھر چند منٹ کے بعد محترمہ خود بولیں اور مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا ''حقانی صاحب! یہ سب کیا ہوا ہے کیسے ہوا ہے کیوں ہوا ہے۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی'' اس وقت بی بی کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ چہرے کے نقوش بدلے بدلے معلوم ہو رہے تھے۔ میں نے گزشتہ دو دنوں میں شائع ہونے والی خبروں کی روشنی میں اپنی سوچ کے مطابق صورتحال کا مختصر تجزیہ پیش کیا۔ بی بی نے کچھ سوال کئے جن کا جواب میں نے بھی دیا اور دوسروں نے بھی۔ بی بی کا چہرہ معمول کے مقابلے پر بہت زیادہ بدلا ہوا تھا اس پر اس گہرے اور عمیق زخم کے اثرات صاف دکھائی دے رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس مجلس میں شریک کوئی بھی آدمی قطعیت سے یہ کہنے کی پوزیشن میں نہ تھا کہ یہ حادثہ کس طرح رونما ہوا ہے۔

بی بی کی المناک اور اچانک شہادت ان بڑے صدمات میں سے ایک ہے جو پاکستان نے پچھلے (۶۱) سال میں برداشت کئے ہیں۔ ملک ہمیشہ سے بڑھ کر داخلی عدم استحکام کی گرفت میں ہے۔ اہل پاکستان بالخصوص اہل سندھ واہالیان لاڑکانہ سکتے کی حالت میں ہیں۔ ایسے وقت میں بینظیر کے مداحوں سے یہی درخواست کی جاسکتی ہے کہ وہ صبر وتحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور بینظیر سے اپنی محبت کا ثبوت اس طرح دیں کہ ملک کو مزید غیر مستحکم ہونے سے بچانے کی کوشش کریں نیز ان کے مشن ان کے کاز کے ساتھ اپنی وابستگی نہ صرف کمزور نہ ہونے دیں بلکہ اسے مضبوطی سے تھام لیں۔ انتخابات کا کیا ہوگا؟ کب ہوں گے؟ ہو بھی سکیں گے یا نہیں اور ان کا نتیجہ کیا ہوگا یہ بڑے بڑے سوالات ہیں جن کے دوررس اثرات اور نتائج ہیں لیکن وقت انہیں کسی نہ کسی طرح حل کرے گا لیکن بینظیر نہیں ہونگی۔ ان کا کوئی بدل ابھی سامنے نہیں ہے ان کی پارٹی اس صدمے سے کس طرح عہدہ برآ ہوگی یہ بھی ابھی معلوم نہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس شر

Marfat.com

سے پاکستان کے لیے خیر برآمد کرے۔ میں یہ سطور حضور (ﷺ) کی سکھائی ہوئی دعا کے ساتھ ختم کرتا ہوں:

''اے میرے رب! تو مرحومہ کو بخش دے اور اس پر رحم کر۔ وہ اپنی زندگی میں جتنی نیکیاں کرسکی ہیں ان کے اجر میں اضافہ فرما اور اس سے جو غلطیاں سرزد ہوئی ہوں ان سے درگزر فرما۔'' آمین۔ الوداع بی بی! الوداع محترمہ بینظیر بھٹو!!

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نور سے اس گھر کی نگہبانی کرے

(ارشاد احمد حقانی)

Marfat.com

محترمہ کی شہادت کا ''خوں بہا؟''

میں اکثر سوچتا ہوں کہ اگر القاعدہ کا وجود ختم ہو گیا تو ہم قتل کا الزام کس پر عائد کیا کریں گے؟ پاکستان کی بیٹی بینظیر بھٹو کو شہید کر دیا گیا اور اگلے ہی لمحے ثابت ہو گیا کہ اس کی ذمہ دار القاعدہ ہے۔ میں حیران ہوں کہ ابھی تک ذوالفقار علی بھٹو، شاہنواز بھٹو اور مرتضیٰ بھٹو کے قتل کو القاعدہ کے کھاتے میں کیوں نہیں ڈالا گیا اور اکبر بگٹی کو بھی اس سے محروم کیوں رکھا گیا؟ پاکستان میں بھی المناک واقعہ رونما ہوتا ہے اس کی ذمہ دار القاعدہ ہوتی ہے۔ اسٹیبلشمنٹ کبھی ان المیوں میں شریک نہیں ہوتی۔ لیکن اس ''حقیقت کو تسلیم کرنے کے باوجود سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بینظیر بھٹو صاحبہ کے بار بار توجہ دلانے کے باوجود ان کی سکیورٹی کا معقول بندوبست کیوں نہیں کیا۔ ابھی دو روز قبل رحمان ملک نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ گاڑیوں میں نصب جیمرز ناقص ہیں مگر اس کا نوٹس نہیں لیا گیا، اس کے علاوہ یہ امر بھی غور طلب ہے کہ قاتل محترمہ کے اتنے قریب کیسے پہنچ گیا کہ اسے محترمہ کو پستول سے نشانہ بنانے میں بھی کوئی پرابلم نہیں ہوا جبکہ بیک اسٹیج پر عوام کا انتشار بھی نہیں تھا کہ قاتل کو اس بھیڑ میں داخل ہونے کا موقع مل جاتا۔ سوال تو بہت سے ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پرویز مشرف کے آٹھ سالہ دور میں حکومتی شخصیتوں کو نشانہ تو بنایا گیا لیکن خدا کا شکر ہے حملہ آور ان میں سے کسی کی ٹارگٹ کلنگ میں بھی کامیاب نہیں ہوئے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ بھی ملک کے لئے ایک سانحہ ہوتا کہ قتل کسی گنہگار کا ہو یا کسی بے گناہ ہوا اپنے پیچھے بے شمار بحران چھوڑ جاتا ہے تاہم ''القاعدہ'' ایسی ''ماڈرن سائنس اور ٹیکنالوجی کی ماہر'' دہشتگرد تنظیم جو امریکہ کے قلب میں نہایت حساس اور نہایت ٹیکنیکل قسم کے آپریشن کے ذریعے ہزاروں امریکیوں کو ہلاک کر سکتی ہے (اگر یہ کام واقعی ان غاروں میں رہنے والوں نے کیا ہے) تو کیا وجہ ہے کہ وہ آٹھ سالوں کے دوران تمام کوششوں کے باوجود سربراہ مملکت تو کیا کسی وزیر کی ٹارگٹ کلنگ بھی نہیں کر سکی مگر اس کے برعکس صرف چند دنوں میں وہ اپوزیشن کی ایک بہت بڑی شخصیت کو مارنے

Marfat.com

میں کامیاب ہو جاتی ہے؟ پاکستانیوں کے ذہنوں میں یہ سوالات موجود ہیں اور انہیں ان کے جوابات ملنا چاہئیں۔

پرویز مشرف صاحب کی حکومت کی یہ بہت واضح اور برملا خواہش تھی کہ محترمہ بینظیر بھٹو اور میاں نواز شریف وزیراعظم نہ بنیں کیونکہ مقبول لیڈر اسٹیبلشمنٹ کے لئے قابل قبول نہیں ہوتے چنانچہ آئین میں ترمیم کر کے ان دونوں کو وزارت عظمیٰ کیلئے نااہل قرار دے دیا گیا بلکہ میاں نواز شریف اور میاں شہباز شریف کے کاغذات نامزدگی بھی مسترد کر دیئے گئے۔ بینظیر بھٹو کی شہادت کے بعد پیپلز پارٹی کی جو قیادت بچی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ اتنے بڑے سانحہ کو ھضم کر کے انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کرتی ہے یعنی متوقع اقتدار کی صورت میں اپنی رہنما کے قتل کا خون بہا وصول کر کے پرویز مشرف کو سہارا دیتی ہے یا وہ خوں بہا لینے سے انکاری ہوتی ہے اور عوامی قوتوں کے ساتھ مل کر ملک کو اس دہشت گردی کے نظام سے نجات دلانے کے لئے جدوجہد کرتی ہے جو اب تک محترمہ بینظیر بھٹو سمیت ہزاروں بے گناہوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ چکا ہے؟ اس سوال کا جواب آنے والے دنوں میں مل جائے گا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ اندازہ بھی ہو جائے گا کہ پیپلز پارٹی کی باقی ماندہ قیادت کی ترجیحات کیا ہیں اور ان ترجیحات کا رخ جمہوری قوتوں کے اتحاد کی طرف ہے یا وہ اسٹیبلشمنٹ کی خواہشات کی آئینہ دار ہیں؟

گزشتہ روز جب مجھے محترمہ کی شہادت کی خبر ملی تو پاکستان کے کروڑوں عوام کی طرح مجھے بھی ایسے محسوس ہوا جیسے کوئی میرا دل مٹھی میں لے کر کھینچ رہا ہو۔ مجھے سانس لینے کے لئے اِن ہیلر کی ضرورت محسوس ہوئی۔ میرے فون کی گھنٹیاں بج رہی تھیں مگر میں خود کو کسی سے بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں پاتا تھا۔ اس صورتحال میں میرا فوری ردعمل یہ تھا بلکہ مجھے یقین تھا کہ ابھی صدر پرویز مشرف ٹی وی اسکرین پر نوارد ہوں گے اور وہ اس سانحہ کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے اعلان کریں گے کہ وہ عہدہ صدارت سے مستعفی ہوتے ہیں۔ وہ اپنی تقریر میں قومی حکومت کے قیام کی بات کریں گے جو ایک معینہ مدت میں انتخابات کرائے گی مگر اسکی بجائے پرویز مشرف نے اسکرین پر آ کر فرمایا کہ وہ ''دہشت گردی'' کو ختم کر کے دم لیں گے، دوسرے لفظوں میں وہ اس وقت تک برسراقتدار رہیں گے جب تک ملک سے ''دہشت گردی'' کا خاتمہ نہیں ہو جاتا اور

Marfat.com

ظاہر ہے یہ خاتمہ ضروری نہیں کہ ان کی تازہ صدارتی ٹرم یعنی پانچ برسوں میں ممکن ہو سکے۔ اس کے لئے انہیں ایک اور ٹرم کی ضرورت بھی پڑ سکتی ہے۔ بہرحال مسلم لیگ (ن) کے قائد میاں نواز شریف نے اپنی پریس کانفرنس میں یہ مطالبات کئے ہیں کہ میرے سمیت پاکستان کے کروڑوں عوام کی خواہشات کے آئینہ دار ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ اب راہ نجات صرف یہی ہے کہ پرویز مشرف بھی فوری طور پر عہدہ صدارت سے استعفیٰ دیں اور اس کے بعد قومی حکومت کی نگرانی میں عام انتخابات کا انعقاد کیا جائے۔ اگر اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ منتخب کیا گیا تو یہ پاکستانی قوم کو سمندر میں واقع ایک کشش ثقل برمودا ٹرائی اینگل کے گردونواح میں لے جانے کے مترادف ہوگا جو اپنی سطح پر تیرنے والے اور فضا میں اڑنے والے ہر جہاز کو اپنی طرف کھینچ کر نگل جاتا ہے اور پھر اسکا سراغ تک نہیں ملتا۔ چنانچہ میرے نزدیک بینظیر بھٹو کی شہادت کا خون بہا اگر لینا ہے تو یہ خوں بہا آمریت سے نجات اور جمہوری قوتوں کی فتح کی صورت میں وصول کرنا چاہئے اس سے کہ جو بھی وصول کیا جائے گا اسے قوم خون بہا نہیں سمجھے گی بلکہ یہ سمجھے گی کہ شہید کے خون کا سودا کر لیا گیا ہے۔

(عطاء الحق قاسمی)

Marfat.com

شہادت کا سرخ دوشالہ

کل خوابوں کی روشنی سے دمکتا ہوا آسمان کی طرف دیکھتا ہوا سوالی چہرہ تھا' دعا کے لیے اٹھے ہوئے آرزو مند ہاتھ تھے۔ فضاؤں میں گونجتی ہوئی اس کی آواز تھی جو وجد کے عالم میں زندگی کا نعرۂ مستانہ لگاتی تو لاکھوں لوگ اس آواز کے آہنگ پر رقص کرتے تھے۔

آج خواب دیکھتی ہوئی وہ آنکھیں بے خواب ہوئیں' دعا مانگتے وہ ہاتھ شل ہوئے' دلوں میں امید کے چراغ جلاتی ہوئی وہ آواز بجھ گئی۔

اس نے سندھ کے سرمد' صوفی عنایت اور ذوالفقار علی کی راہ پر چلتے ہوئے شہادت کا سرخ دوشالہ اوڑھا اور اپنے جاں نثاروں کے شور وشین اور گریہ وبین کی گونج میں تہہ خاک نیند کرنے چلی گئی۔

اب زمیں کا پیار باقی ہے فقط
آسماں کی مہربانی دیکھ لی

اس کا سوگ صرف اس کا ماتم داروں نے ہی نہیں منایا' ملک کے کروڑوں دل فگاروں کی آنکھوں نے اسے بہ چشم نم رخصت کیا۔ اگر اس کے چاہنے والوں کا یہ عالم تھا کہ 'نے صبر ہے' نے ہوش ہے' نے تاب وتواں ہے' تو وہ بھی تھے جو اس سے سیاسی اور نظریاتی اختلاف رکھتے تھے مگر وہ بھی یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ

''جس دھج سے کوئی مقتل کو گیا' وہ شان سلامت رہتی ہے۔''

بے نظیر بھٹو کہنے کو پیپلز پارٹی کی رہنما تھیں لیکن ان کے سفاکانہ قتل نے سارے ملک کو دہشت زدہ اور دل زدہ کر دیا۔ اس قتل کی گونج ساری دنیا میں سنی گئی اور ملکوں

Marfat.com

ملکوں ان کا سوگ منایا گیا۔ ایسے جیتے جاگتے' خواب دیکھتے اور خواب دکھاتے ہوئے رہنماؤں کی پیدائش کسی بھی سماج کے لیے وقت کی عطا اور اس کی جود وسخا ہوتی ہے لیکن ہمارے یہاں وہ 'حاکم شام' پائے جاتے ہیں جو ہر دس بیس برس بعد ایسے رہنماؤں کو اپنے اور اپنے ادارے کے اقتدار پر سے صدقہ کر دیتے ہیں۔ ہمارا ایک منتخب وزیراعظم متنازع عدالتی فیصلے کی سولی پر چڑھایا گیا' ہماری دو مرتبہ وزیراعظم منتخب ہونے والی قومی رہنما کو قتل کیا گیا پھر اس کا قتل نامہ 'القاعدہ' کے نام درج ہوا اور دو مرتبہ منتخب ہونے والا ہمارا تیسرا وزیراعظم جلاوطنی اور ذلت وتوہین کے جہنم میں بلایا گیا' اس پر قاتلانہ حملہ کرایا جاتا ہے اور اس کے سامنے بھی صبح وشام اسامہ بن لادن اور ایمن الظواہری کی جاری کردہ ''مبینہ ہٹ لسٹ'' لہرائی جاتی ہے۔ یہ سب کچھ اپنے اقتدارِ مطلق کا اعلان ہے۔ اس بات پر اصرار ہے کہ جمہوریت آئین اور آزاد عدلیہ کا نام لے کر بلڈی سویلینز ہمارے اقتدار کے لیے خطرہ نہ بنیں ورنہ ہم ایک ایک کو درسِ عبرت بنا دیں گے۔

وزارتِ داخلہ کے ترجمان اپنے خشک ہونٹوں پر ہر پانچ سیکنڈ بعد زبان پھیر کر کیسی کمال کہانیاں سناتے ہیں۔ پہلے یہ کہانی سنائی گئی کہ بے نظیر خودکش حملے کا شکار ہوئیں' پھر کہا گیا کہ اس خوفناک دھماکے سے ان کی حرکت قلب بند ہوگئی۔ میڈیا نے کہا کہ انہیں گولی کا نشانہ بنایا گیا' ان کی پارٹی کے رہنما مخدوم امین فہیم اور ناہید خان نے اس بات کی تصدیق کی لیکن وزارتِ داخلہ کے ترجمان فرماتے ہیں کہ یہ بیت اللہ محسود کا کام ہے۔ وہ میڈیا کو پشتو میں ہونے والی ایک گفتگو سنواتے ہیں' ساتھ ہی اس کا ٹرانسکرپشن صحافیوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ چند ایکسرے لہرائے جاتے ہیں' بی بی جس لینڈ کروزر میں سفر کر رہی تھیں اس کی کھلنے والی چھت کے لیور کی تصویر دکھائی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ دھماکے سے لڑکھڑا کر بی بی جب گاڑی کے اندر گریں تو یہ لیور ان کے سر پر لگا اور اسی کی وجہ سے ان کی جان گئی' ہسپتال سے ڈاکٹر مصدق کی ''صدیق شدہ'' نئی رپورٹ بھی آجاتی ہے جس میں گولیوں ک بجائے کسی آہنی ٹکڑے

Marfat.com

سے لگنے والی ضرب کا ذکر ہے۔

کوئی وزارتِ داخلہ کے ان ترجمان سے پوچھے کہ جب ساری ''کارگزاری'' ایک لیور کی تھی تو پھر بیت اللہ محسود اپنے نوجوانوں کے کس کارنامے پر مولوی صاحب سے گفتگو کر رہے تھے اور دونوں کے درمیان مبارک باد کا تبادلہ ہو رہا تھا؟ بی بی کی وہ آخری جھلکیاں جن میں ایک ہاتھ نمودار ہوتا ہے' ایک پستول گولیاں اگلتا ہے اور انہیں خاموش کر دیا جاتا ہے' وہ کس کا ہاتھ تھا؟ اور اسی پستول کی گولیوں نے ان کی جان لی یا کہیں بلندی پر بیٹھا ہوا کوئی ماہر نشانہ باز رائفل پر لگی ہوئی ٹیلی اسکوپ میں ان کا سر اور ان کی گردن دیکھ رہا تھا؟ جان ایف کینیڈی کا قتل اور اس کی تفصیلات ہم میں سے کون بھلا پایا ہے؟ وہ بھی تو ریاست کے اندر قائم ریاست کی کارگزاری تھی۔ اس قتل پر آج بھی امریکی انٹیلی جنس ایجنسی کے تاریک سائے ہیں۔

بے نظیر بھٹو کے قتل کے حوالے سے ہمیں وہ کہانیاں کیوں سنائی جا رہی ہیں جن پر کوئی ذہنی معذور ہی یقین کر سکتا ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ پستول یا رائفل کی لبلبی پر انگلی تو کسی نامعلوم شخص کی تھی لیکن اس انگلی کو حکم ان سے ملا تھا جو ملک پر اپنا دائمی اقتدار چاہتے ہیں اور اس کے لیے وہ ہر حد عبور کر سکتے ہیں' کسی بھی انتہا تک جا سکتے ہیں۔

حکومت کا اعتبار پہلے ہی کب رہا تھا' بے نظیر بھٹو کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے بعد اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اس کی بات سنی جائے گی' اسے وزن دیا جائے گا تو یہ محض اس کی خوش فہمی ہے۔ ان کا قتل کسی سے بھی منسوب کیا جائے' اُسامہ بن لادن اور ایمن الظواہری کی ٹیپ چلوا دی جائے تب بھی لوگ کسی بیان' کسی آڈیو اور ویڈیو ریکارڈنگ کا اعتبار نہیں کریں گے۔ لوگ سب کچھ جانتے ہیں' سب کچھ سمجھتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ جہاں بم کا دھماکہ ہوا وہ جگہ تھوڑی ہی دیر میں کسی محنت اور مہارت سے دھو دی گئی۔ پریشر پائپوں نے خون کے دھبے دھو دیئے' قاتل کے قدموں کے نشان دھو دیئے لیکن کیا خون کے دھبے واقعی دھوئے جا سکتے ہیں---؟ اس

Marfat.com

پر سہ طرفہ تماشا یہ ہے کہ بے نظیر جیسی قومی رہنما کا پوسٹ مارٹم نہیں ہوا۔ کہا جا رہا ہے کہ یہ آصف علی زرداری کی خواہش پر ہوا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ یہ بیان درست ہے یا نہیں لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ حکومت ناپسندیدہ سیاسی جماعتوں کے اراکین کی اتنی تابعدار کب سے ہوگئی کہ اس نے پوسٹ مارٹم جیسے بنیادی فرض سے روگردانی کی؟

اور اب بش بہادر سے لے کر چوہدری برادران تک سب ہی کے بیانات آ رہے ہیں کہ انتخابات مقررہ تاریخ پر ہونے چاہئیں۔ چوہدری برادران تو پیپلز پارٹی کے سوگوار رہنماؤں اور کارکنوں کو یاد دلا رہے ہیں کہ بی بی چونکہ انتخابات میں حصہ لے رہی تھیں اس لیے انہیں ان کی اس خواہش کو وصیت سمجھ کر اس کا احترام کرنا چاہیے اور انتخابات کا بائیکاٹ نہیں کرنا چاہیے۔

کوئی ان سے پوچھے کہ کون سے انتخابات؟ وہ جو اقتدار پر ناجائز قابضین کو اگلے پانچ برسوں کے لیے اس ملک کے سولہ کروڑ لوگوں کی زندگیوں کا مالک ومختار بنا دے؟ کس کی نگرانی میں ہونے والے انتخابات؟ ان کی نگرانی میں جنہوں نے ہر قدم اور ہر مرحلے پر دھاندلی' بد دیانتی اور خیانت کا ثبوت دیا ہے؟

اس وقت انتخابات میں حصہ لینا بے نظیر کے شہید خون سے غداری ہے' ان انتخابات میں حصہ لینا بش بہادر کی بچھائی ہوئی بساط کا مہرہ بننا ہے۔ صرف بے نظیر کے جاں نثار ہی نہیں ملک کا ہر باضمیر شہری ان لوگوں سے نفرت کر رہا ہے جو اس ظالمانہ قتل پر مگرمچھ کے آنسو بہا رہے ہیں' سوگ کا اعلان کر رہے ہیں' اخباروں میں تعزیتی اشتہارات شائع کرا رہے ہیں اور لوگوں کے زخموں پر نمک پاشی کر رہے ہیں۔

وہ جو بے نظیر کی زندگی سے حسد کرتے تھے کیا انہیں ان کی رخصت پر رشک نہیں آیا؟ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ان کے ماتم دار تابوت سے سر ٹکرا کر دھاڑیں مار رہے تھے' بچوں کی طرح رو رہے تھے۔ ان کے تابوت کو چھونے کی آرزو میں ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ ان کے جاں نثار 60 اور 80 گز کے تاریک گھروں اور تنگ گلیوں میں رہنے والے غریب اور غیرت مند لوگ تھے۔ شفیق احمد عرف گوگا اور

Marfat.com

ظہیر احمد جیسے لوگ، شمع جل بجھی اور پروانے بھی اس پر نثار ہو گئے۔ گم نام قبروں میں سو گئے اور اپنے گھر والوں کو فاقوں اور ذلتوں کے سپرد کر گئے۔ اس آس میں کہ شاید کبھی اچھے دن ان کے دروازے پر بھی دستک دیں گے۔

بے نظیر کو ان کے چاہنے والے ''چاروں صوبوں کی زنجیر'' کہتے تھے۔ میاں نواز شریف ان کا اس سے بڑا اعتراف اور کیا کرتے کہ کل انہوں نے گلوگیر آواز میں انہیں ''چاروں صوبوں کی زنجیر'' کہا۔ وہ طویل جلاوطنی کے بعد واپس آئی تھیں اس وعدے کے ساتھ کہ ملک میں جمہوریت، رواداری، خوشی، خوشحالی اور انسانوں کے درمیان مساوات قائم کرنے کی جدوجہد جاری رکھیں گی۔

بے نظیر نے شہادت کا سرخ دوشالہ اوڑھا اور ہم سے رخصت ہوئیں، انہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا، اب یہ زندہ رہ جانے والوں کا فرض ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور ان کے خوابوں کی تعبیر کو ممکن بنائیں، دُکھے ہوئے دِلوں پر مرہم رکھیں.... کہ یہی بے نظیر کے غم کے شایانِ شان ہے۔

(زاہدہ حنا)

Marfat.com

پاکستان کو بچانے کا آخری موقعہ

یہ کہانی 1934ء سے شروع ہوتی ہے' سندھ کے مشہور جاگیردار شاہ نواز نے کراچی میں ''سندھ پیپلز پارٹی'' کے نام سے ایک سیاسی جماعت کی بنیاد رکھی' یہ سندھ میں مسلمانوں کی پہلی سیاسی جماعت تھی اور سر شاہ نواز اس وقت گورنر کے اسسٹنٹ تھے۔ 1936ء میں سندھ بمبئی سے الگ ہوگیا تو پیپلز پارٹی نے سندھ اتحاد پارٹی کی شکل اختیار کرلی۔ شاہ نواز اپنی ذات میں یگانہ تھے' انہوں نے 21 برس کی عمر میں سیاست شروع کی اور دیکھتے ہی دیکھتے برصغیر کی نامور شخصیات میں شمار ہونے لگے۔ وہ بمبئی کی قانون ساز کونسل کے رکن بنے' انہوں نے انگریز سرکار سے او بی ای خان بہادر اور سر کے خطاب لیے' وہ بمئی حکومت میں وزیر بنے' وہ گورنر کے اسسٹنٹ رہے' وہ پبلک سروس کمیشن کے رکن اور چیئرمین رہے اور وہ ریاست جونا گڑھ کے وزیراعظم بنے' وہ جوناگڑھ کا پاکستان کے ساتھ الحاق چاہتے تھے لیکن سردار پٹیل' نواب آف جوناگڑھ کے قریبی دوست تھے چنانچہ پٹیل نے انہیں کامیاب نہ ہونے دیا' یہ ناکامی سر شاہ نواز کے دل پر داغ بن گئی' وہ جوناگڑھ سے پاکستان آئے اور ہمیشہ کے لیے سیاست سے کنارہ کش ہوگئے' وہ 19 نومبر 1957ء تک زندہ رہے لیکن انہوں نے اس کے بعد کسی سیاسی سرگرمی میں حصہ نہ لیا۔

ذوالفقار علی بھٹو سر شاہ نواز کے صاحبزادے تھے' ذوالفقار علی بھٹو نے بمبئی کے انگریزی سکولوں' کیلی فورنیا کے مشہور کالج برکلے اور آکسفورڈ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی۔ وہ 1953ء میں کراچی لوٹے اور انہوں نے وکالت کے ساتھ ساتھ ایس ایم لاء کالج میں انٹرنیشنل لاء پڑھانا شروع کر دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو سیاست میں آنا چاہتے تھے لیکن سر شاہ نواز سیاست کے مخالف تھے' سر شاہ نواز کا خیال تھا سیاست

Marfat.com

ایک ایسا کھیل ہے جس کا اختتام ہمیشہ المناک ہوتا ہے' وہ اپنے بیٹے کو خوش' خوشحال اور مطمئن دیکھنا چاہتے تھے لیکن بھٹو سیاست کو اپنا کیریئر سمجھتے تھے۔ سکندر مرزا اور حسین شہید سہروردی سر شاہ نواز کے دوست تھے' ذوالفقار علی بھٹو ان کے پاس گئے اور یہ دونوں حضرات سر شاہ نواز کی مخالفت کے باوجود بھٹو کو سیاست میں لے آئے۔ ذوالفقار علی بھٹو' سکندر مرزا اور ایوب خان کی کابینہ میں وزیر رہے۔ وہ ابتداً معدنیات و قدرتی وسائل' اقلیتی امور' قومی تعمیرات اور امور کشمیر کے وزیر بنے اور بعد ازاں 1962ء میں پاکستان کے وزیر خارجہ بنا دیئے گئے۔ وہ جنوری 1966ء میں ایوب خان سے الگ ہوئے۔ انہوں نے 30 نومبر 1967ء کو اپنی پارٹی بنانے کا فیصلہ کیا اور اس پارٹی کے لیے اپنے مرحوم والد کی جماعت پیپلز پارٹی کا نام پسند کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ''قائد عوام'' بن گئے۔ بھٹو نے پاکستانی سیاست اور پاکستانی تاریخ میں انمٹ نقوش چھوڑے۔ انہوں نے 1971ء کی جنگ میں شکست کے بعد پاکستان کا ہاتھ تھاما اور ایک زخم خوردہ اور ادھورے ملک کو تباہ ہونے سے بچا لیا' وہ ملک بھر کے غریبوں' مسکینوں' بے روزگاروں اور ہاریوں کے مسیحا بن کر طلوع ہوئے اور انہوں نے ڈری' سہمی اور خشک زبانوں کو آواز دی لیکن 5 جولائی 1977ء کو جنرل ضیاء الحق نے اس بھٹو سے حکومت چھینی اور انہیں 4 اپریل 1979ء کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے بعد ان کی صاحبزادی محترمہ بے نظیر بھٹو نے اپنے والد کے مشن کو کندھا دیا' وہ سیاسی کھیل میں شرکت کے فوراً بعد جلاوطن ہوئیں۔

بے نظیر بھٹو نے لندن میں پیپلز پارٹی کی عنان سنبھالی اور طویل جلاوطنی کے بعد 10 اپریل 1986ء کو پاکستان آئیں' ذوالفقار علی بھٹو کے 20 لاکھ جانثاروں نے ان کا استقبال کیا اور اس کے بعد زندگی بھٹو کی بیٹی کے لیے دکھوں کی ایک ایسی راہ گزر بن گئی جس کی ایک ایک انچ پر آلام' تکالیف اور اذیت کے کانٹے پیوست تھے اور بھٹو کی بیٹی اس راہ پر برہنہ پا چل رہی تھی۔ اس سفر کے دوران ان کے ایک بھائی شاہ نواز بھٹو کو فرانس میں زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا اور دوسرے بھائی مرتضیٰ بھٹو

Marfat.com

1996ء میں کراچی میں گولی کا نشانہ بن گئے۔

بے نظیر بھٹو دسمبر 1988ء میں وزیراعظم بنیں تو ٹھیک 18 ماہ بعد غلام اسحاق خان نے ان کی حکومت برطرف کر دی' وہ اکتوبر 1993ء میں دوسری بار وزیراعظم بنیں تو اڑھائی برس بعد ان کے اپنے صدر اور کارکن سردار فاروق احمد لغاری ان کے جانی دشمن بن گئے۔ وہ 1997ء میں جلاوطن ہوئیں تو انہوں نے واپسی کی آرزو میں دس برس دیار غیر میں گزار دیئے اور وہ 18 اکتوبر 2007ء کو وطن واپس آئیں تو انہیں آتے ہی ڈیڑھ سو نعشوں کا تحفہ مل گیا۔ العرض بے نظیر بھٹو کی زندگی کے ہر ورق پر کوئی نہ کوئی دکھ' کوئی نہ کوئی اذیت تحریر تھی۔ 18 اکتوبر کے بعد پوری دنیا نے انہیں ''احتیاط'' کے مشورے دیئے' ان کے بچے انہیں واپس دوبئ بلاتے رہے' ان کی پارٹی کے عہدیدار انہیں واپسی کا مشورہ دیتے رہے اور میرے سمیت تمام صحافی' دانشور اور لکھاری انہیں الیکشن کے بائیکاٹ کا مشورہ دیتے رہے لیکن بے نظیر ڈٹی رہیں۔ بے نظیر کا خیال تھا یہ الیکشن جمہوریت کے لیے ناگزیر ہیں۔ اگر آج انہوں نے پسپائی اختیار کر لی تو پاکستان آمریت کے پنجے سے کبھی آزاد نہیں ہو سکے گا۔ محترمہ کو اپنے اردگرد خطرات کے سائے منڈلاتے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ بار بار حکومت سے سیکورٹی کی درخواست کرتی تھیں لیکن حکومت نے انہیں تسلی کے چند بولوں کے سوا کچھ نہ دیا' یہاں تک کہ 27 دسمبر 2007ء کی شام آئی اور جاتے جاتے بھٹو خاندان کا آخری سیاسی چراغ بھی بجھا گئی' سر شاہ نواز کی بات سچ ثابت ہو گئی' انہوں نے 1953ء میں اپنے بیٹے ذوالفقار علی بھٹو سے کہا تھا ''سیاست ایک ایسا کھیل ہے جس کا انجام ہمیشہ المناک ہی ہوتا ہے'' پیپلز پارٹی اور بھٹو خاندان اس المناک انجام کا شکار ہو گیا۔

میں آج یہ اعتراف کرنا چاہتا ہوں' مجھ سمیت پاکستان کے وہ تمام لکھاری جو محترمہ کی سیاست کو مصلحت' ڈیل' بزدلی اور مفادات کا کھیل قرار دیتے رہے ہیں وہ سب غلط تھے اور محترمہ کے خدشات درست' ذرا سوچئے جس خاتون کے والد کو

Marfat.com

وزارت عظمیٰ کی کرسی سے گھسیٹ کر پھانسی پر لٹکا دیا گیا ہو' جس نے سڑکوں پر ڈنڈے کھائے ہوں' جس کے دو بھائی ہولناک موت کا شکار ہوگئے ہوں' جس کی ماں برسوں سے قومے میں ہو' جو دس برس تک وطن سے دور اپنے بچوں کو گلے لگا کر بیٹھی رہی ہو' جس کے خاوند نے پندرہ برس جیل میں گزار دیئے ہوں اور جسے تین نسلوں کی سیاسی قربانیوں کے بعد دو ٹکڑوں میں صرف 4 سال 8 ماہ اور 18 دن کا اقتدار ملا اور دونوں بار اس کی حکومت (58(2B کا شکار ہوگئی ہو اور جس نے اپنی زندگی کا قیمتی ترین وقت خود کو عدالتوں میں بے گناہ ثابت کرتے گزار دیا ہو' کیا وہ خاتون زندگی کو ٹٹول ٹٹول کر نہیں گزارے گی؟ کیا وہ مصلحت' کوشش اور احتیاط پر مجبور نہیں ہو جائے گی؟ ہمیں یہ ماننا پڑے گا محترمہ بے نظیر بھٹو ملک کی واحد وفاقی لیڈر اور پیپلز پارٹی پاکستان کی واحد قومی جماعت ہے' محترمہ بے نظیر بھٹو چاروں صوبوں کی زنجیر تھی' وہ پاکستان کی واحد لیڈر تھیں جنہیں چاروں صوبوں کے عوام تسلیم کرتے تھے اور پیپلز پارٹی پاکستان کی واحد جماعت ہے جس کی جڑیں ملک کے تمام صوبوں میں موجود ہیں اور محترمہ کی شہادت کے بعد یہ زنجیر ٹوٹ چکی ہے اور اب ملک میں کوئی ایسا لیڈر نہیں بچا جو پورے ملک کو سنبھال سکے' ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا محترمہ کی شہادت کے بعد ہماری اسٹیبلشمنٹ پیپلز پارٹی کو بھی توڑنے کی کوشش کرے گی اور اگر خدانخواستہ یہ سازش کامیاب ہوگئی تو یہ 1971ء سے بڑا سانحہ ہوگا۔ بھٹو صاحب نے 1978ء میں جیل میں کہا تھا اگر میں مر گیا تو میری موت پر ہمالیہ روئے گا' ہمیں ماننا پڑے گا بھٹو کی موت پر ہمالیہ نہیں رویا لیکن آج بھٹو کی بیٹی کی شہادت پر پاکستان کی ایک ایک سڑک' ایک ایک شہر' ایک ایک قصبہ' ایک ایک گلی اور ایک ایک گھر رو رہا ہے' ہمیں ماننا پڑے گا بے نظیر بھٹو زندگی بھر آمریت' عسکری طاقتوں اور غیر قانونی حکومتوں کے خلاف لڑتی رہیں' وہ زندگی میں تو غیر قانونی حکومتوں اور طاقتوں کو شکست نہ دے سکی لیکن آج اس بے نظیر کے جنازے کے سامنے حکومت بے بس ہوگئی ہے' آج پورے ملک میں آگ لگی ہے اور ملک کے کسی کونے میں حکومت نظر نہیں آ رہی' ہمیں ماننا

Marfat.com

پڑے گا آج آمریت اپنے ہی وجود میں سمٹتی چلی جا رہی ہے۔

بے نظیر بھٹو کی شہادت اس ملک میں اسٹیبلشمنٹ کا اختتام ہے' اگر ہماری حکومت نے وقت کی آواز نہ سنی تو مجھے ڈر ہے آنے والے کل اس ملک پر قیامت بن کر ٹوٹیں گے' ہم بارود اور خون کی ایک ایسی خوفناک وادی کی دہلیز پر کھڑے ہیں جس سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں' بس ہٹ دھرمی' ضد اور انا کا ایک اور قدم اٹھانے کی دیر ہے اور ہم پر زندگی کے دروازے بند ہو جائیں گے' ہمارے پاس بس ایک آخری چانس ہے اگر صدر پرویز مشرف اپنی صدارت جاری رکھنے کے عزم پر نظر ثانی کریں' اگر ہم عدلیہ کو بحال کر دیں' ہم وزارت عظمیٰ پیپلز پارٹی کو دے دیں' ہم قومی حکومت بنائیں' ملک میں فیئر اینڈ فری الیکشن کرائیں اور جو پارٹی زیادہ نشستیں حاصل کر لے ہم اسے حکومت بنانے کی اجازت دے دیں اور یہ حکومت پانچ برس پورے کرے' ہم فیصلہ کر لیں دس برس تک اس ملک میں صدر بلوچ' وزیر اعظم سندھی اور آرمی چیف پشتون ہوگا اور ملک کے تمام ترقیاتی منصوبے بلوچستان سے شروع ہوں گے تو اس ملک کے بچنے کے امکانات ہو سکتے ہیں ورنہ یقین کیجئے بے نظیر بھٹو کی یہ نعش ملک کی نعش ثابت ہوگی اور ہم سب قبر میں اتر جائیں گے اور ہم پر گورکن حکومت کریں گے' خدا کے بندو اب تو سنبھل جاؤ' اب تو معاف کر دو۔

(جاوید چوہدری)

Marfat.com

سیاست : بینظیر بھٹو کے بعد

سمجھ میں نہیں آرہا کہ بینظیر بھٹو کی مرگ ناگہاں کا مرثیہ لکھوں یا اس بدنصیب قوم کا نوحہ لکھوں جو ہر بار کسی نہ کسی صورت میں نئی افتاد کا شکار ہوکر اپنے اہداف سے ہٹ جاتی ہے یا ہٹادی جاتی ہے۔ یہ پاکستان کی بدنصیبی ہے کہ اس ملک میں جب بھی جمہوری عمل کی بحالی کی توقع پیدا ہوتی ہے کوئی نہ کوئی حادثہ یا سانحہ رونماء ہوکر تمام امیدوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔ لیاقت علی خان سے بینظیر بھٹو تک ملک کے تین وزرائے اعظم راولپنڈی میں خون میں صرف اس لئے نہلائے گئے کہ انہوں نے اس ملک کی تعمیر وترقی کو اپنا مقصد حیات بنایا تھا۔ بھٹو خاندان مختلف حلقوں کی مخالفت کے باوجود آج بھی پاکستان میں ایک لبرل جمہوری معاشرے کے قیام اور وفاق کی علامت تصور کیا جاتا ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے ایک ایسے ملک کو جو سقوطِ ڈھاکہ کے بعد شکست خوردگی کا شکار تھا اسے 23 برس بعد ایک متفقہ آئین دیا اور 93ہزار جنگی قیدیوں کو ہندوستان کی قید سے آزاد کرا کے فوج کے مورال کو ایک بار پھر بلند کیا۔ ساتھ ہی یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ اس ملک کی اسٹیبلشمنٹ اور اس کی پروردہ قدامت پسند سیاسی قوتیں ہمیشہ بھٹو خاندان اور پیپلز پارٹی کے خلاف سازشوں میں مصروف رہی ہیں اور انہوں نے بھٹو خاندان اور پیپلز پارٹی کو نقصان پہنچانے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ یہی سبب ہے کہ محترمہ کی اس ناگہانی موت کا ہر پہلو سے انتہائی غیر جانبداری کے ساتھ جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔

پاکستانی سیاست کی ساٹھ برس کی تاریخ پرنظر ڈالی جائے تو ہمیں پوری سیاست

Marfat.com

مرکز گریز اور مرکز مائل سیاسی رجحانات کے گرد گھومتی نظر آتی ہے لیکن مرکز مائل سیاسی تصورات میں پھر مزید دو واضح رجحانات نظر آتے ہیں ۔ ایک سیاسی رجحان جس کی سرپرستی ریاستی اسٹیبلشمنٹ کرتی ہے اور دائیں بازو کی کٹر سیاسی قوتیں اسے بڑھاوا دینے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں، وہ ریاست کے تنگ نظر مذہبی تشخص کے علاوہ سیاسی اور انتظامی Statusquo پر اصرار ہے جبکہ دوسرا رجحان بھی گو کہ مرکز مائل ہی ہے لیکن یہ قائدِ اعظمؒ کے فرمودات کی روشنی میں ایک ترقی پسند اور روشن خیال جمہوری وفاق کی وکالت ہے۔ اس دوسرے رجحان کو مرحوم ذوالفقار علی بھٹو نے پروان چڑھایا اور جسے بینظیر بھٹو نے تمام زندگی اپنی سیاست کا محور بنائے رکھا۔ انہوں نے مسٹر بھٹو کی پھانسی کے ردِعمل میں پیدا ہونے والی انتقامی سیاست سے بھی ہمیشہ دامن بچانے کی کوشش کی اور مختلف حلقوں کی تنقید کے باوجود ہمیشہ قومی مفاہمت کی پالیسی کو اختیار کیے رکھا جس کے نتیجے میں عوام اور فوج کے درمیان ٹکراؤ کی کیفیت کو ختم کرنے، سویلین اقتدار کی رٹ بحال کرنے اور فوج کو واپسی کا محفوظ راستہ دینے کی کوششیں کیں' کامیابی کا امکان پیدا ہوا تھا لیکن ان کے اچانک اس طرح منظر عام سے ہٹ جانے کے بعد ملک میں بہت بڑا سیاسی خلاء پیدا ہوا ہے اور وہ سیاسی قوتیں کمزور ہوئی ہیں جو ملک کو عالمی سطح پر ہونے والی تبدیلیوں کے واضح ویژن کے ساتھ ایک کھلے اور جمہوری معاشرے میں تبدیل کرنا چاہتی ہیں، جبکہ ان قوتوں کے مظبوط ہونے کا امکان پیدا ہوا ہے جو معاشرے کو غیر جمہوری رکھ کر Statusquo کو برقرار رکھنا چاہتی ہیں۔

اب سندھ کے حوالے سے محترمہ کی ناگہانی موت کا جائزہ لیا جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ بھٹو خاندان کی شکل میں سندھی عوام کو ایک ایسی قیادت میسر آئی تھی جس نے انہیں اعتماد، تفاخر اور وفاق کے اندر رہتے ہوئے اپنے حقوق حاصل کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ چونکہ سندھی مڈل کلاس کی تشکیل نو میں بھٹو خاندان کا بہت بڑا کردار رہا ہے اس لئے سندھ میں قوم پرست سیاست آج تک پیپلز پارٹی کے مقابلے

Marfat.com

میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکی اور سندھ گذشتہ چالیس برس سے پیپلز پارٹی کا مضبوط گڑھ بنا ہوا ہے۔ اس وقت یہ سوال بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہو چکا ہے کہ آیا مسٹر بھٹو کو متنازعہ پھانسی اور ان کی بیٹی کی قاتلانہ حملے میں ہلاکت کے بعد کیا سندھی عوام اب بھی وفاق پر اعتماد کر سکیں گے؟ اور کیا سندھ میں مرکز گریز رجحانات کو تقویت حاصل نہیں ہوگی؟ ان سوالات پر ریاستی منصوبہ سازوں، قومی سیاسی جماعتوں کے اکابرین اور تجزیہ کاروں کو غور کرنے کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہے۔

اب ایک دوسری جانب توجہ دینے کی بھی ضرورت ہے، وہ یہ کہ القاعدہ کی جانب سے بینظیر بھٹو کے قتل کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد عالمی سطح پر پاکستان کے بارے پائی جانے والی اس رائے کو بھی تقویت حاصل ہوئی ہے کہ پاکستان عالمی دہشت گردی کے فروغ کا ذریعہ اور دہشت گردوں کی محفوظ کمین گاہ ہے۔ چند روز قبل اپنے کرسمس پیغام میں پوپ بھی پاکستان کے بارے میں اسی نوعیت کی تشویش کا اظہار کر چکے ہیں جبکہ بیشتر عالمی رہنما اور تجزیہ نگار کافی عرصے سے پاکستان کے قبائلی علاقوں میں دہشت گردی کے مراکز کی موجودگی کے بارے میں اپنی تشویش اور حکومتِ پاکستان کی کارروائیوں پر اپنے تحفظات کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ عالمی سطح پر یہ توقع کی جا رہی تھی کہ بینظیر بھٹو جیسی شخصیت جو عالمی رجحانات کا واضح ادراک رکھتی ہیں اور ملک کے تمام صوبوں اور سماج کے مختلف طبقات کیلئے قابلِ قبول ہیں، اقتدار میں آ کر عوامی حمایت سے دہشت گردی کے ان مراکز کو ختم کرنے میں کردار ادا کر سکیں گی۔ وفاقی دار الحکومت سے منسلک شہر میں ان کے اس طرح قتل کئے جانے کے بعد بعض عالمی منصوبہ ساز اور تجزیہ نگار پاکستان میں براہِ راست کارروائی کا مشورہ بھی دے سکتے ہیں، جس سے ملکی سالمیت اور تشخص کو شدید نقصان پہنچنے کے خطرات کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

8 جنوری 2008ء کو متوقع عام انتخابات میں ملک کی دو اہم اور عوامی مقبولیت رکھنے والی جماعتوں یعنی پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ (ن) کی جانب سے حصہ لینے کے

Marfat.com

اعلان کے بعد یہ توقع پیدا ہوئی تھی کہ عوامی نمائندگی اور سیاسی استحکام کیلئے فضا بڑی حد تک ہموار ہو سکے گی اور ملک میں امن و امان کی صورتحال میں بہتری آ سکے گی مگر محترمہ کے اس طرح قتل کر دیئے جانے کے بعد انتخابات سے مطلوبہ نتائج کی توقع ختم ہوگئی ہے اور پوری قوم کو ان گنت اندرونی اور بیرونی چیلنجز کا سامنا خاص طور پر قومی سلامتی کے حوالے سے انتہائی پیچیدہ مسائل اٹھ کھڑے ہوئے ہیں جن سے نمٹنے کیلئے حکمرانوں، سیاسی جماعتوں اور سول سوسائٹی کو کسی صائب لائحہ عمل کو ترتیب دے کر اس پر خلوصِ نیت سے عمل کرنا ہوگا۔

(مقتدا منصور)

Marfat.com

جو شے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ نظر کیا؟

اہلِ دانش، وہ نہیں ہوتے جو جذبات کی رو میں بہہ جائیں........... جو شے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ نظر کیا؟

آصف علی زرداری نے، محترمہ بے نظیر بھٹو کی تدفین کے موقع پر، پنجاب کے خلاف نعرے لگانے والوں کو روکا اور یہ کہا: قتل کا ذمہ دار پنجاب نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں، جنہوں نے ہم سے کیا ہوا وعدہ توڑ ڈالا۔ یہ وعدہ کیا تھا اور کن لوگوں نے توڑا: جناب زرداری کو تفصیل بیان کرنی چاہیئے۔

تصیل ہولناک اور چونکا دینے والی ہے۔ سانحہ کراچی کے آٹھ دن بعد 25 نومبر 2007ء کو محترمہ نے امریکہ میں اپنے ایک رفیق کار مارک سیگل کے توسط سے سی این این سے وابستہ ایک اخبار نویس، ولف بلٹزر سے رابطہ کیا اور راز رکھنے کی یقین دہانی کے بعد ایک ای میل ارسال کی اور بتایا کہ اگر انہیں کچھ ہوا تو اس کی ذمہ دار کون سی شخصیت ہوگی؟ تاکید کے مطابق اس پیغام کو صرف اس صورت میں منظرِ عام پر آنا تھا، اگر خدانخواستہ وہ قتل کر دی جائیں۔

27 دسمبر کو راولپنڈی میں وہ قتل کر دی گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ اسی شام ان کے شوہر آصف علی زرداری نے سیگل سے رابطہ کر کے یاد دہانی کرائی اور ای میل نشر کر دی گئی۔ اخبار نویس ولف بلٹزر کا تبصرہ دو جملوں پر مشتمل ہے "سفر کے دوران مرحومہ نے چار محافظ گاڑیوں کا مطالبہ کیا تھا جو ان کی ذاتی گڑی کو گھیرے رہیں۔ آخری تصاویر سے لگتا یہ ہے کہ چار گاڑیاں نہیں تھیں"۔

Marfat.com

جیسا کہ کل اور پرسوں عرض کیا تھا، اس بات پر یقین کرنے کی وجوہات نہیں کہ جنرل مشرف یا چودھری برادران قتل میں ملوث ہو سکتے ہیں۔ وہ خودکش حملہ آور نہیں پالتے اور سانحہ سے انہیں کو سیاسی نقصان پہنچا لیکن تحقیقات کا معاملہ الجھ گیا ہے۔ حکومت کو اصرار ہے کہ حادثہ خودکش دھماکے سے پیش آیا۔ گاڑی میں موجود شیری رحمٰن کہتی ہیں کہ گولی لگنے سے۔ پارٹی کے وکیل نے سرکاری مؤقف کو نرا جھوٹ کہا ہے اور سیاسی رہنما تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں کہ یہ القاعدہ کی کارروائی ہے۔ پیپلز پارٹی ہی نہیں۔ وفاق کو سلامت رکھنے کیلئے بے تاب نواز شریف، قاضی حسین احمد اور عمران خان بھی حکومت پر اعتبار کرنے کیلئے آمادہ نہیں۔ عوام کا ردِعمل تو اسی سے آشکار ہے کہ سرکاری دفاتر اور بینکوں کے علاوہ انہوں نے ریلوے سٹیشنوں اور پولیس تھانوں پر حملے کئے۔ برصغیر کی تاریخ میں یہ بدترین مثال ہے۔

امریکہ کی صدارتی امیدوار ہیلری کلنٹن نے لبنان کے مرحوم صدر رفیق الحریری کی طرح، عالمی سطح کی تحقیقات کا مطالبہ کیا ہے اور اس مطالبے میں وہ تنہا نہیں، کسی حد تک دوسرے صدارتی امیدوار بھی، جو خوف پیدا کر کے ووٹ سمیٹنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ خوف منطق اور دلیل سے زیادہ کارگر ہوتا اور فوری نتیجہ پیدا کرتا ہے۔

ملکی سلامتی کو خطرات لاحق ہیں اور عالمی سطح پر پاکستان کا تاثر اس قدر خراب ہے کہ کبھی نہ تھا۔ اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے، یہ خود حکومت کے مفاد میں ہے کہ وہ تفتیش کو بھٹو خاندان، پیپلز پارٹی اور دوسری جماعتوں کیلئے قابلِ اعتماد بنانے کی کوشش کرے۔ مکرر عرض ہے کہ اس کے پاس اب زیادہ وقت نہیں ہے۔

اقتدار کا زعم ایک عجیب چیز ہے۔ وہ بالکل سامنے کی حقیقت کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ 27 دسمبر کے سانحہ نے صورتحال کو یکسر بدل ڈالا ہے۔ ایک زمانہ تھا جو گزر گیا اور ایک سامنے ہے ..... اور ان دونوں کے درمیان بینظیر بھٹو کی خون آلود لاش پڑی ہے۔ حکومت کو کچھ فیصلے کرنے ہیں اور پیپلز پارٹی سمیت دوسری جماعتوں کو۔

Marfat.com

میاں نواز شریف اور قاضی حسین احمد سمیت گڑھی خدا بخش پہنچنے والے لیڈروں نے نوشتہ دیوار کو پڑھا اور بڑے وفود لے کر بروقت وہاں پہنچے، جب سفر مشکل تھا۔ کچھ اور فیصلے بھی درکار ہیں۔

جنرل مشرف کے خوابوں کا پاکستان بکھر چکا، جسے وہ اپنی مٹھی میں بند رکھنے کے آرزومند تھے۔ ایٹمی پروگرام، ایٹمی میزائل اور دنیا کی بہترین مسلح افواج کے باوجود یہ ملک آج بہت کمزور ہے۔ اس کے باوجود کہ سیاسی جماعتیں اور تقریباً تمام مبصر الیکشن ملتوی کرنے کے حامی ہیں، مریکہ اور برطانیہ تقریباً حکم صادر کرنے کے لہجے میں 8 جنوی کو پولنگ کا تقاضا کر رہے ہیں۔ 8 جنوری کو ایک معقول الیکشن کس طرح ممکن ہے؟

لیڈر شپ کا فیصلہ پیپلز پارٹی کو کرنا ہے لیکن جیسا کہ اس جلیل القدر حکمران عمر ابن خطابؓ نے سقیفہ بنو ساعدہ میں کہا تھا: اونٹ کی ناک میں دو نکیلیں نہیں پہنائی جاسکتیں۔ مشاورت کا دائرہ وسیع کرنے اور اتفاق رائے سے فیصلے کرنے کی اہمیت اپنی جگہ لیکن کپتان ایک ہی ہوتا ہے۔ موجودہ حالات میں یہ آصف زرداری ہیں کہ وہی بے نظیر بھٹو کی وراثت کے نگہبان ہیں۔ وہ بلاول کو نامزد کریں یا عارضی طور پر مخدوم امین فہیم کو گوارا کر لیں، انہیں پر ہے؛ البتہ ترجیحات کے از سر نو تعین پر غور ہونا چاہیئے۔

ہمدردی کی لہر ہے اور بے حساب ہے۔ اس لہر کے بل پر پیپلز پارٹی اقتدار جیت لے گی لیکن محض اس بنا پر وہ استوار تو نہ رہے گا۔ مسائل تو حل نہ کر سکے گا۔ سرکار دہشت گردوں کو کوستی رہتی ہے، ترسوں سے زیادہ کوس رہی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ نفرت کی یہ فصل اگی کیسے؟ کون اس کا ذمہ دار؟ جن کی فکر کج ہے اور نفرت نے جنہیں پاگل کر دیا ہے، وہ پاگل ہوئے کیسے؟ اسی طرح جیسے سانحہ 27 دسمبر کے بعد گاڑیوں، ریلوے سٹیشنوں اور تھانوں کو آگ لگانے والے۔ کسی نے انہیں روند ڈالنے کا مطالبہ نہیں کیا اور کرنا بھی نہ چاہیئے کہ اچانک لگنے والے ایک زخم نے انہیں

Marfat.com

دیوانہ کر ڈالا تھا۔

مرہم رکھنے، تحمل اور دانش سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ قبائلی علاقوں میں بھی۔ کیا یہ وہی لوگ نہیں 1948ء میں کشمیر کی آزادی کیلئے جنہوں نے جانیں دی تھی اور ابھی کل تک جنہیں پاکستان کا بازوئے شمشیر زن کہا گیا۔ اب انہیں کیا ہوا؟ امریکیوں نے ان کی بستیوں پر بمباری کی۔ ان کے گھر اجاڑ دیئے۔ ان کے بچوں کو قتل کر ڈالا۔ ساری دنیا جانتی ہے اور امریکی بھی جانتے ہیں کہ نفرت کے جواب میں نفرت جنم لیتی ہے۔ جب راستے بند کر دیئے جائیں، جب کوئی امید و آس نہ رہے تو پاگل پن پیدا ہوتا ہے۔ 1999ء کے موسم خزاں میں اسامہ بن لادن کے پاس گنتی کے آدمی رہ گئے تھے۔ پھر کس نے القاعدہ کو قوت بخشی۔ امریکہ نے ! عراق، افغانستان اور پاکستان کے قبائلی علاقوں میں قتلِ عام سے۔ مشرقِ وسطیٰ میں یہودیوں اور برصغیر میں بھارت کی سرپرستی ہے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کی موت بے شک ایک بڑا سانحہ ہے لیکن اس کے سوا بھی کچھ سانحے ہیں۔ کچھ زخم اور ہیں جو اندمال کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اندمال کو صرف دستِ ہنر نہیں بلکہ ہمدردی، اخلاص اور سچائی کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ مرض کے مطابق دوا!

اہلِ دانش وہ نہیں ہوتے جو جذبات کی رو میں بہہ جائیں۔ وہ ہوتے ہیں جو حقائق سے کسی حال میں نظر نہ چرائیں اور وسیع تر تناظر میں حکمتِ عملی تشکیل دے سکیں۔ جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا؟

(ہارون رشید)

Marfat.com

بھٹوز اور ''ہمارا ملک''

ایک عام تاثر یہ ہے کہ جاگیردار بنیادی طور پر اتنے بہادر نہیں ہوتے کہ موت سامنے کھڑی ہو اور وہ راستہ بدلنے کے بجائے سیدھے اس سے ٹکرا جائیں۔ سر شاہنواز بھٹو کی اولاد میں سے ذوالفقار علی بھٹو' اپنے سوتیلے اور بڑے بھائیوں سے بالکل مختلف شخصیت کے حامل تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک ایسی ماں کے بیٹے تھے جو متوسط طبقے سے تعلق رکھتی تھیں۔ جاگیردار خاندان میں انہیں وہ عزت کبھی نہیں ملی جس کی وہ مستحق تھیں۔ اس رویے نے بھٹو صاحب کی شخصیت کے اس رخ کو پروان چڑھایا جو بغاوت اور مزاحمت سے عبارت تھا۔ 1970ء کا الیکشن جیتنے کے بعد ایک پریس کانفرنس میں پس منظر کی وضاحت کرتے ہوئے' آنکھوں میں آنسو بھر کر بھٹو صاحب نے کہا ''ہر کوئی میرے والد کا حوالہ دیتا ہے جبکہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ میں ایک غریب ماں کا بھی بیٹا ہوں۔ میں جاگیردارانہ سماج کے ظالمانہ نظام کردار سے آگاہ ہوں بلکہ میں خود ایک وقت تک جاگیردارانہ استحصال کا نشانہ بنتا رہا ہوں۔''

بھٹو صاحب نے اپنی تصنیف ''اگر مجھے قتل کیا گیا'' میں اپنے بچپن کا ایک واقعہ تحریر کیا ہے جو یوں ہے:

''1935ء میں جب میری عمر سات برس تھی میرے والد اس وقت بمبئی کی حکومت میں وزیر تھے۔ ایک دن بمبئی کے گورنر لارڈ برابورن نے میرے والد کو تینوں بیٹوں کے ہمراہ چائے کی دعوت پر بلایا۔ جب میرے بڑے بھائی امداد علی جن کی عمر 21 برس تھی کا تعارف ہو چکا تو گورنر نے بھائی کے بارے میں کہا ''کتنا خوبصورت

Marfat.com

اور جوان آدمی ہے'' امداد علی نے ایک تربیت یافتہ ارسٹوکریٹ ہوتے ہوئے جواب دیا ''میں اپنے آپ کو بہت مسرور اور مغرور سمجھتا ہوں کیونکہ میری تعریف ہمارے خوبصورت گورنر نے کی ہے۔'' جب میری باری آئی تو میں نے باریک آواز میں کہا ''ہزایکسی لینی گورنر اس لیے خوبصورت ہیں کیونکہ وہ ہمارے خوبصورت ملک کے خون پر پلتے ہیں'' لارڈ برابورن اس جواب پر ششدر رہ گیا۔ ایک لمحے تک وہ حیرت زدہ میری طرف دیکھتا رہا اور پھر میرے والد سے کہنے لگا اور اس میں شاہنواز آپ کو ایک شاعر اور انقلابی ملا ہے۔ یہی کچھ ہے جو میں ان سارے برسوں میں رہا ہوں ''ایک شاعر اور ایک انقلابی'' اور جب تک میرے جسم میں سے آخری سانس نہیں نکل جاتی میں یہی رہوں گا۔ واپسی پر میرے والد نے کہا ''سائیں وہ بات وہاں کرنے کی کیا ضرورت تھی'' میں نے اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے چھپاتے ہوئے جذباتی انداز میں کہا: ''یہ ہمارا ملک ہے' یہ ہمارا ملک ہے' یہ ہمارا ملک ہے۔''

بھٹو کے کلاس فیلو اور قریبی دوست پیلو مودی نے اپنی کتاب ''زلفی مائی فرینڈ'' میں لکھا ہے: ''زلفی جناح کا پکا پیروکار تھا۔ دوقومی نظریے کی وکالت کرتا تھا اور سمجھتا تھا کہ مسلمان پاکستان کے بغیر اپنے حقوق اور مفادات کا تحفظ نہیں کر سکتے۔'' پاکستان بننے کے بعد ذوالفقار علی بھٹو سے محترمہ بینظیر تک بھٹوز (مرتضٰی بھٹو سمیت) اسی ضد پر قائم رہ کر لڑتے لڑتے مارے گئے کہ ''یہ ہمارا ملک ہے۔'' ایوب خان کے دور میں ذوالفقار علی بھٹو نے پہلے وزیر معدنیات اور پھر وزیر خارجہ کے طور پر پاکستان کو امریکہ کے مکمل شکنجے سے نکال کر چین کی طرف راستہ بنایا۔ کشمیر کے لیے پاکستان کی جنگ کو ''ہم ہزار سال تک لڑیں گے'' کا عنوان دیا۔ ملک ٹوٹنے کے بعد انہوں نے مغربی پاکستان کو ''نئے پاکستان'' کے طور پر دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا کیا۔ وہ امریکہ کی ایما سے اقتدار میں آئے تھے لیکن اسلامی کانفرنس اور ایٹمی پروگرام شروع کرنے جیسے اقدامات کر کے ''واجب القتل'' ٹھہرے۔ سزائے موت سننے کے بعد وہ چند سطری معافی نامہ لکھ کر سیاست سے دستبرداری کا اعلان کر دیتے تو اپنی جان بچا سکتے تھے

Marfat.com

لیکن ہار ماننے کے بجائے انہوں نے پھانسی قبول کرلی۔

محترمہ بے نظیر بھٹو کو باپ اور ماں دونوں کی طرف سے جنگجوئی کا جذبہ ملا تھا۔ بیگم نصرت بھٹو نے ایوب دور میں اپنے خاوند کی گرفتاری کے بعد سڑکوں پر نکل کر لڑائی لڑی اور ضیا دور میں سر پر لاٹھیاں کھا کر لہولہان ہونے کے باوجود حوصلہ نہیں ہارا۔ باپ کی پھانسی کے بعد محترمہ بینظیر اسٹیبلشمنٹ کی سختیاں اور جیلیں کاٹ کر ملک سے باہر چلی گئی تھیں لیکن جنرل ضیاء کی زندگی میں ہی 10 اپریل 1986ء کو واپس لوٹیں دو مرتبہ اقتدار میں آئیں۔ دوسری وزارتِ عظمٰی کے دوران اپنے بھائی مرتضٰی کو قتل ہوتے دیکھا۔ ساتھ ہی اقتدار سے نکال دی گئیں اور پھر انہیں مقدمات کے ایک طویل سلسلے میں الجھا دیا گیا۔ انہیں ایک بار پھر وطن چھوڑنا پڑا۔

گزشتہ روز لندن کی ایک غائبانہ نماز جنازہ کو ٹی وی کوریج میں' میں نے اپنے ایک دوست اور برطانیہ میں پیپلز پارٹی کے عہدیدار ریاض خان کو زارو قطار روتے ہوئے دیکھا تھا۔ آج اظہار تعزیت کے لیے انہیں فون کیا تو وہ رو رو کر یہ بتا رہے تھے کہ لندن اور پھر دبئی میں' وہ اور ان کے بہت سے ساتھی محترمہ کے پاؤں پکڑ پکڑ کر فریاد کرتے رہے کہ ''وہ پاکستان کو بھول جائیں' انہیں قتل کر دیا جائے گا۔'' لیکن وہ موت کے سفر پر روانہ ہونے کے لیے تلی ہوئی تھیں۔ مجھے یقین ہے کہ آصف زرداری اور بچوں نے بھی انہیں روکا ہوگا لیکن یہ بھٹو زموت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑ جانا اپنے ایمان کا حصہ سمجھتے ہیں۔ محترمہ کو موت ا خوف ہوتا تو وہ باپ کی پھانسی کے بعد بھول جاتیں کہ یہ ''ہمارا ملک'' ہے۔ وہ اپنی جنگجویانہ فطرت سے مجبور نہ ہوتیں تو 18 اکتوبر کے بم دھماکوں کے بعد کراچی لاڑکانہ یا دبئی کی چار دیواریوں میں محدود ہو جاتیں اور پارٹی قیادت کو الیکشن لڑنے دیتیں لیکن وہ تو باقاعدہ وصیت لکھ کر اور اپنی قبر کی جگہ کی نشاندہی کر کے جنگ پر نکلی تھیں۔

(عباس اطہر)

Marfat.com

عجب اک سانحہ یاں ہو گیا ہے!

تاب لائے ہی بنے گی غالبؔ
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

چاروں صوبوں کی زنجیر ٹوٹ گئی یا توڑ دی گئی۔ یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ یہ کاروائی ان عناصر کی ہے جنہیں اس شہادت سے فائدہ پہنچا ہے جس پر یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ اس انتہائی سفاکانہ جرم سے حکومت یا اپوزیشن کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا نظر آتا۔ یہ بات تو طے ہے کہ س سانحے سے صدر پرویز مشرف کو بیحد اور ناقابل تصور پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ الیکشن شیڈول بری طرح متاثر ہوگا اور بظاہر یہی نظر آتا ہے ملک میں ردعمل کے طور پر ایک زوردار تحریک بھی چلتی نظر آتی ہے جس کے ناقابل برداشت نتائج بھی برآمد ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔

ایک خبر کے مطابق القاعدہ نے اس شرمناک کاروائی کی ذمہ داری قبول کر لی ہے جس کی امریکی حکومت نے تصدیق نہیں کی۔ واضح رہے کہ ابھی چند ہی روز پہلے بینظیر بھٹو کو منظر سے ہٹائے جانے کا اعلان القاعدہ کی جانب سے کیا گیا تھا اور حکومت کی طرف سے بار بار محترمہ کو ایسے خطرات سے خبردار کیا گیا تھا لیکن انہوں نے اس کی پروا نہ کی اور اپنی انقلابی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ البتہ ان کی حفاظت کے لئے جن جیمرز کا اہتمام کیا گیا تھا، محترمہ کی طرف سے یہ شکایت باضابطہ طور پر کی گئی تھی کہ جیمرز ناقص ہیں اور یہ کہ ان کا یہ نقص دور کیا جائے لیکن یہ نقائص دور کرنے کی کوئی اطلاع منظر عام پر نہیں آئی۔

ایک اور تکنیکی بے پروائی یا کوتاہی کا جو ارتکاب کیا گیا ہے وہ یہ کہ ہسپتال انتظامیہ نے خلاف معمول میت کا پوسٹ مارٹم بھی نہیں کیا اور محترمہ کا جسد خاکی اس کے بغیر ہی لواحقین کے سپرد کر دیا گیا۔ یہی گیا ہے کہ پولیس نے حسب ضابطہ اور حسب روایت پوسٹ مارٹم کئے جانے کی درخواست یا مطالبہ ہی ہسپتال انتظامیہ سے نہیں کیا جبکہ یہ کاروائی بہت سی چیزوں کی حقیقت جانے

Marfat.com

کے لئے بیحد ضروری تھی۔ مثلاً ایک رپورٹ کے مطابق محترمہ کے زخم بم پھٹنے اور اس کے ٹکڑے لگنے کی وجہ سے آئے جبکہ دوسری اور زیادہ قابل اعتبار رپورٹ یہ تھی کہ ان کے سر اور گردن پر گولیاں ماری گئیں۔ پوسٹ مارٹم سے نہ صرف یہ فرق واضح اور دور ہوسکتا تھا بلکہ اگر گولیاں ماری گئیں تو کس قسم کے اسلحہ کے ذریعے اور کتنے فاصلے سے فائرنگ کی گئی۔ اس بات کی تحقیقات بھی ہونی چاہئیں کہ پولیس نے معمول کے خلاف پوسٹ مارٹم کیوں نہ کروایا۔؟

عجیب بات ہے کہ اب تک متعدد سربراہان مملکت کی موت کے حقائق پر جو شکوک و شبہات کی چادر چھائی ہوئی ہے، ابھی تک وہ ہٹائی نہیں جاسکی۔ قائداعظم کی ایئرپورٹ سے لانے والی گاڑی کا پٹرول کیوں ختم ہوگیا اور یہ پہلے چیک کیوں نہیں کیا گیا۔ محترمہ فاطمہ جناح کی وفات کو بھی بعض حلقے دعویٰ کے ساتھ قتل کی واردات قرار دیتے ہیں۔ وزیراعظم حسین شہید کا انتقال بھی ایک غیر ملک میں انتہائی پراسرار حالات میں ہوا۔ وزیراعظم لیاقت علی خان کے قتل کی تفتیش و تحقیقات بھی سرے سے نہ چڑھ سکیں۔ نہ ہی جنرل ضیاء الحق کا طیارہ گرائے جانے کا راز ابھی تک کھل سکا اور اب محترمہ کی میت کا پوسٹ مارٹم نہ کروائے جانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے انتہائی نازک معاملات میں ہماری انتظامیہ کا عمومی رویہ کیا ہوتا ہے۔

اس اندوہناک سانحے پر جو ردعمل ملک بھر میں عوام نے ظاہر کیا ہے اور جو خدا جانے کب تک جاری رہے گا، وہ ایک قدرتی امر ہے جس میں سرکاری ونجی املاک اور گاڑیوں وغیرہ کو نذر آتش کرنے کے لاتعداد واقعات اب تک رونما ہو چکے ہیں لیکن آخری اطلاعات تک یعنی دوسرے دن بھی کسی جگہ کوئی سکیورٹی نظر نہیں آئی اور ہماری بہادر پولیس جو وکلاء اور دیگر معزز شہریوں پر لاٹھیاں برسانے میں کوئی وقت ضائع نہیں کرتی، اس دوران کہیں نظر نہیں آئی نہ ہی فوج یا رینجرز وغیرہ کو طلب کیا گیا تاکہ انتہائی بگڑتی ہوئی صورتحال پر قابو پانے کی کوشش کی جاسکے جبکہ بڑے پیمانے پر شرپسند عناصر کو لوٹ مار بھی کھلی چھٹی ملی ہوئی تھی، نیز اس دوران کئی قیمتی جانیں بھی ضائع ہوئیں اور کئی بینک اور ووٹرینیں نذر آتش کی گئیں۔

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر رینجرز یا فوج ہی فوری طور پر طلب کرلی جاتی تو مختلف بینک اور کئی دیگر سرکاری ونجی املاک نذر آتش ہونے سے بچائی جاسکتی تھیں۔ یہ ایک عجیب

Marfat.com

بات ہے کہ گزشتہ کچھ عرصے سے ہر بڑے چھوٹے معاملے میں انتظامیہ کی طرف سے ایک خصوصی نااہلی کا مظاہرہ کیا جارہا ہےاور بروقت کوئی صحیح قدم اٹھانے کو گویا رواج ہی نہیں رہا۔ امن وامان کی صورت حال کے حوالے سے جو انتہائی تشویش انگیز صورتحال دیکھنے میں آرہی ہے، داخلی پالیسی کے علاوہ اس کے ڈانڈے ہماری خارجہ پالیسی سے بھی ملتے نظر آتے ہیں۔ داخلی صورت یہ ہے کہ ہم نے چھوٹے صوبوں کو وہ خودمختاری ابھی تک ارزانی نہیں کی جو آئین کے مطابق بھی برسابرس سے واجب چلی آرہی ہے جبکہ مختلف حلقوں کی طرف سے زوردے کر کہا جارہا ہے کہ ہم دہشت گردی کے حوالے سے کسی اور کی جنگ لڑ رہے ہیں جس سے ہمارا اپنا دامن بھی محفوظ نہیں رہ گیا جبکہ چھوٹے صوبوں کو وفاق میں رکھنا بینظیر بھٹو کی شہادت کے بعد اور بھی ضروری ہو گیا ہے۔

زندگی میں تو ملا پیار کسی کا نہ ظفرؔ
اب کہیں جا کے ہم اللہ کو پیارے ہوئے ہیں

(ظفراقبال)

Marfat.com

الوداع گلاب پوش بی بی۔ الوداع

وہ گہرا اور کھلتا ہوا سبز رنگ اور رائل بلیو کو بہت پسند کرتی تھی۔ جب اس نے سب سے کم عمری میں پاکستان کی وزیر اعظم کی حیثیت سے حلف لیا تو اس وقت بھی اس نے پسندیدہ رنگ پہنا ہوا تھا۔ دوسری دفعہ جب وزیر اعظم بنی تو بھی اپنے پسند کے رنگ میں ملبوس تھیں۔ اسے گلاب کی خوشبو پسند تھی۔ داتا صاحب جانا اسے پسند تھا، جب اس کو کسی شداد نے گولیاں ماریں اس وقت بھی وہ سبز پوش تھی گلے میں گلاب کے پھولوں کا ہار تھا بازو پر ہر موقع پر سینکڑوں لوگ اس کو امام ضامن باندھتے تھے۔ اس کے سر سے دوپٹہ ڈھلک جاتا تو احتیاط سے پھر سر پر ڈھک لیتی تھی بہت لوگ کہتے تھے بی بی بڑے بدشکل رنگ اور کپڑے پہنتی ہے مگر وہ تو طبیعتاً قلندر تھی۔ جب موت نے اس کے دروازے پر دستک دی اس وقت بھی وہ سفید دوپٹہ، سفید شلوار اور ہرے رنگ کے چولے میں جمہوریت کی دیوانی، خوش تھی، ہنس رہی تھی یونہی ہنستے ہنستے قہر آلود ہاتھوں نے اس کی شہ رگ میں ایسے دو گولیاں ماریں کہ وہی ہنسی، مرتے وقت بھی اس کے چہرے پر مرتسم تھی۔ جب وہ پہلی دفعہ وزیر اعظم بنی اور اس سے دو سال پہلے جگہ جگہ جلسہ کرتی پھری۔ اس کے سر پہ دوپٹے کو یورپ نے نئے اور خوبصورت فیشن کے طور پر قبول کیا۔ میں اس سال وینس میں تھی ہم بہت سے سیاح کشتی میں سیر کیلئے جا رہے تھے میرا دوپٹہ دیکھ کر سب نے پوچھا تم کس ملک سے ہو۔ جب میں نے بتایا کہ ''میں پاکستان سے ہوں، بینظیر کے ملک سے ہوں۔'' ساری عورتوں نے آگے بڑھ کر میرے دوپٹے کو بینظیر کے دوپٹہ اوڑھنے کے انداز میں اوڑھایا۔ پھر باقی عورتوں نے مفلر کی شکل کے دوپٹوں کو میرے ساتھ اپنے سروں پر لیا۔ یہ تھی مقبولیت عورت کی جس کو متشددانہ طریقے پر کسی شقی القلب نے دو گولیاں شہ رگ پہ اور ایک گولی ماتھے پہ یہ یقین کرنے کے لئے

Marfat.com

ماریں کہ وہجری خاتون بچ نہ جائے۔

جب وہ پہلی دفعہ وزیراعظم بنی تو چونکہ بہت کم عمر تھی۔اس لئے اسکو مشورہ دینے والے، کبھی بتاتے تھے کہ اس سوٹ کے ساتھ یہ عینک پہنیں، اس سوٹ کے ساتھ یہ بیگ لیں، اس شام یہ لہنگا پہنیں اور شام غرارہ پہنیں۔کبھی کبھی غیر ملکی عشائیہ میں اس نے لہنگا پہنا بھی تو وہی سبز رنگ اس کا لباس تھا۔ جب وہ پہلی دفعہ وزیراعظم بنی تو چند مصری اور دیگر مفتیوں نے فتویٰ دیا کہ عورت کو سلامی دینا مردانگی کے خلاف ہے، اس زمانہ میں فاطمہ مینسی نے قرآن اور خلفاء کے حوالے سے ثابت کیا کہ خاتون پہلے بھی سربراہ مملکت رہی یہ اور بینظیر کا وزیراعظم ہونا بالکل قانون اور اسلامی فقہ کے مطابق ہے۔آج سے پندرہ برس پہلے اس خاتون کو علم تھا کہ ہر روز اس کو دھمکیاں ملتی تھیں کہ تم ماری جاؤ گی وہ خاتون بلٹ پروف واسکٹ پہننے لگی تھیں وہ جیکٹ اکثر قمیض کے ہم رنگ ہوتی تھی، پر شلوار اور دوپٹہ وہی سفید ہوتے تھے کیا خبر تھی کہ یہی سفید رنگ اس کا آخری ملبوس بنے گا۔اس پر ہر لباس پھبتا تھا مجھے یاد ہے جب وہ شملہ معاہدے کے لئے بھٹو صاحب کے ساتھ گئی تھیں اس دن شاید پہلی مرتبہ ساڑھی پہنی تھی۔سلیولیس بلاؤز، کٹے ہوئے بکھرے بال ایسے جیسے نوجوان لڑکی کے ہوسکتے ہیں۔معصوم مسکراہٹ اور باپ کی پسندیدہ بیٹی، ہر جگہ بہت خوش نظر آرہی تھی۔

باپ کو یہ بیٹی اتنی پسند تھی کہ آخری ملاقات کے دوران پنڈی کوٹھری میں باپ اور بیٹی پلنگ پر لیٹے، کانوں میں باتیں، کئی گھنٹے تک کرتے رہے تھے۔وہ ساری باپ کی ہدایتیں، اس خاتون نے اپنا زیور بنالی تھیں۔لہجہ میں اس قدر شفاف اور بیان میں اس قدر واضح کہ سننے والے کو قائل کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔جب وہ پہلی مرتبہ وزیراعظم بنی تو سارے سینئر پارٹی رہنماؤں کو اس نے انکل تو کہا مگر جب انہوں نے اسے بچہ سمجھ کر اپنے مشوروں سے نوازنا شروع کیا تو وہ سمجھ گئی کہ اب تو اپنی ہی عقل پر اعتماد کرنا پڑے گا۔اس کے اعتماد نے، اس کے اپنے ہی بنائے ہوئے صدر کو بھی حیرت میں ڈال دیا۔اس کو بھی بی بی کا یہ رنگ اچھا نہیں لگا آخر اس نے بے وفائی اس ڈھٹائی کے ساتھ کی کہ بی بی کی حکومت کو ہی برطرف کردیا۔ہم لوگ جو بھٹو صاحب کے چاہنے والے تھے، وہ بھٹو صاحب کی بیٹی کے ہاتھ میں تسبیح دیکھ کر جزبز ہوتے تھے۔جب وہ

Marfat.com

مزاروں پر حاضری دینے جاتی، صدق دل سے دعا کیلئے ہاتھ اٹھاتی تھی۔ ہم جیسے لبرل لوگ، اس سے ناراض ہو جاتے، مگر وہ یہ سب کچھ مصنوعی طریقے پر نہیں کرتی تھی۔ اس کے اندر کوئی پیر طریقت بیٹھا تھا وہ اچھی بھلی گاڑی میں بیٹھ چکی تھی موت نے اس کے کان میں کہا ارے کھڑی ہو، ونڈ وکھولو اور کھڑی ہو کر، استقبال کرو میرا۔ وہ جو روحانیت میں لپٹی تسبیح پکڑے کھڑی ہوئی تو موت نے دو گولیوں کی شکل میں اس کی شہ رگ کو اور ایک گولی کی شکل میں اس دماغ کو کھا گئی جس کی تعریف میں سکیورٹی کونسل کی تاریخ میں پہلی مرتبہ تعزیتی ریفرنس ہوا۔ سی این این اور بی بی سی نے پورے چوبیس گھنٹے مسلسل پروگرام اس بی بی کے لئے نشر کرتے رہے جو دنیا بھر میں بہت بڑا دماغ تھیں اس کو یا سر عرفات بھی پیار کرتے تھے۔ النہیان نے وہ محبت دی کہ جسے پناہ کا نام دیا جاسکتا ہے۔ بی بی کو ہر دوسرے مہینے لیکچر دینے کے لئے امریکہ، یورپ اور برطانیہ میں بلایا جاتا تھا اب ہے ہمارے پاس کوئی ایسا، جس کو یوں بلایا جائے جس پر ہم فخر کرسکیں۔

مگر اسلامی ممالک کو عورت کی لیڈری پسند ہی نہیں ہے یہ محترمہ فاطمہ جناح کو بھی قبول کرنے کو تیار نہیں تھے۔ یہ ممالک محترمہ فاطمہ جناحؒ کو بھی قبول کرنے کو تیار نہیں تھے۔ فاطمہ جناحؒ کو بھی بہت پراسرار طریقے سے مار دیا گیا تھا اب یہی حال کرنا تھا۔ بی بی کا۔ بھٹو صاحب نے تو لکھ دیا تھا "If I am Assasinated" بی بی نے بھی آنے سے پہلے بتا دیا تھا کہ اس کو مارنے کے منصوبے ہیں۔ اس نے تو نام بھی دے دیئے تھے کہ مروانے والے کون ہو سکتے ہیں۔ کوئی ہے جو ان کا نام لے، کوئی ہے جو اس المیے کی زمہ داری لے۔ محرم سے پہلے ہی عزاداری کا ماحول دے کر جانے والی، پلٹ کے تو دیکھ، جیسا تیرے باپ کا ماتم گھر گھر تھا، لوگ ایک دوسرے سے رو کر تعزیت کر رہے تھے، تو میں نے بھی باپ کی طرح ہماری قوم کو بے بس، بن لیڈر یتیم چھوڑ دیا ہے۔ تمہیں گلاب پسند تھے۔ اب ہمیشہ تمہاری لحد پر گلاب کھلا کریں گے۔

(کشور ناہید)

Marfat.com

بینظیر بھٹو۔ سیاست اور شہادت

اس جہاں فانی میں نہ پیدائش کوئی عجوبہ ہے نہ موت کوئی انہونی بات۔ جو دنیا میں آیا ہے اس نے واپس جانا ہے کہ کائنات کا یہ نظام ہے جس سے کسی صورت رہائی نہیں پائی جا سکتی۔

لیکن خوش بخت اور عظیم ہیں وہ لوگ جب دنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو یوں لگتا ہے کہ نبض تھم گئی ہو۔ چمن حیات کا ایسا ساتھی، ایسی شخصیت جدا ہوگئی ہے کہ اس کا خلا آنے والے سالوں میں بھی پر نہیں ہوگا۔ گزشتہ رات جب پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن محترمہ بینظیر بھٹو کی المناک شہادت کی خبر سنی تو کوئی آنکھ ایسی نہیں تھی جس سے بے ساختہ آنسو نہ بہہ نکلے ہوں۔ پارٹی کے جیالوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ ہر طرف ماتم کا سماں تھا۔ اپنا ہو یا غیر سب کے دل پر چوٹ پڑی۔ ہر طرف یہی سوال تھا۔ لوگ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ یہ کیا ہوا ہے؟ ہمارے ملک کو نہ جانے کس کی نظر لگ گئی کہ جب بھی حالات کسی بہتری کی طرف جانے لگتے ہیں تو ملک کسی ایسے حادثہ اور المیہ سے دوچار ہو جاتا ہے کہ سب کیا دھرا خاک میں مل جاتا ہے اور ہمیں ایک بار پھر نئے سرے سے تانے تنکے چن کر آشیانہ بنانے کے لئے تگ و دو کرنی پڑتی ہے۔ پاکستان میں جب ''جمہوریت کی جانب سفر'' کا اعلان کیا گیا اور یہ کہا گیا کہ تیسرے مرحلے میں عام انتخابات کرا کے ملک میں سول اور جمہوری حکومت قائم کر دی جائے گی تو یہ محترمہ بینظیر بھٹو تھیں جنہوں نے تمام تر مخالفت کے باوجود ملک میں جمہوریت کی بحالی کے لئے ''وقت کے حکمرانوں'' سے نہ صرف مفاہمت کی بلکہ دبئی میں ریٹائرڈ جنرل پرویز مشرف اور محترمہ بینظیر بھٹو کے درمیان باضابطہ ملاقات بھی ہوئی۔ اگر یہ کہا جائے کہ ملک میں جمہوریت کی بحالی کے لئے سب سے اہم فیصلہ اور قدم محترمہ بینظیر بھٹو نے اٹھایا تو اسے مبالغہ نہیں کہا جا سکتا کہ پیپلز پارٹی اور محترمہ بینظیر بھٹو کے ''عوامی دباؤ'' میں ملک جمہوریت کی بحالی کی راہ آراستہ کی تھی اور ان کا ہی سیاسی کارنامہ

Marfat.com

ہے کہ محترمہ بینظیر بھٹو ہی نہیں میاں نواز شریف کو بھی واپس آنے دیا گیا۔

محترمہ بینظیر بھٹو جب 18 اکتوبر کو کراچی واپس پہنچیں تو ایئر پورٹ سے مزار قائد جاتے ہوئے ان کے جلوس پر خودکش حملہ کیا گیا اس طرح انہیں آنے والے خطرات سے ''خبردار'' کیا گیا۔

کہتے ہیں کہ حکومتی ایجنسیوں نے بھی انہیں اطلاع دی کہ دہشت گردوں نے ان کا نام ہٹ لسٹ پر رکھا ہوا ہے۔ تاہم حکومت اور پارٹی نے سکیورٹی کے انتظامات کر رکھے تھے لیکن محترمہ بینظیر بھٹو نے تخریب کاروں اور دہشت گردوں کی دھمکیوں پر توجہ نہ دی۔ ان کا کہنا تھا اور درست تھا کہ زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ عام انتخابات کے اعلان کے بعد انتخابی مہم کے حوالے سے انہوں نے جلسے کرنے شروع کر دیئے کہ جمعرات کو لیاقت باغ میں ایک بڑے انتخابی جلسہ سے خطاب کرنے کے بعد جب وہ واپسی کے لئے روانہ ہوئیں تو بدبخت خودکش حملہ آور نے ان پر فائرنگ کر کے انہیں شہید کر دیا کہ اس طرح ملک ایک عظیم لیڈر، مدبر اور بین الاقوامی سیاسی رہنما سے محروم ہو گیا۔ محترمہ بینظیر بھٹو کو بیرونی دنیا میں بڑی عزت و احترام سے دیکھا جاتا تھا کہ ان کی موت پر ساری دنیا میں گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا ہے۔ امریکی صدر بش کرسمس کی چھٹیاں منانے دوسری ریاست میں گئے ہوئے تھے رات ٹیلی ویژن پر آ کر ان کی شہادت کی شدید الفاظ میں مذمت کی۔ روس، بھارت، فرانس، سعودی عرب غرضیکہ ہر طرف سے تعزیتی بیان آ رہے ہیں۔ محترمہ بینظیر بھٹو نے پاکستان کے وقار کی سربلندی کے لئے ساری دنیا میں بڑا کام کیا ہے اور امریکہ و یورپ میں ان کا محتاج تعارف نہ تھا۔

محترمہ بینظیر بھٹو اپنے والد مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کی سیاسی جانشین تھی جرأت و ہمت انہیں وراثت میں ملی تھی۔ ان سے سیاسی اختلاف تو کیا جا سکتا ہے لیکن ان کی حب الوطنی، جمہوریت پسندی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ساری عمر جمہوریت کی بالادستی کے لئے برسرپیکار رہیں اور اسکی بحالی کی جنگ لڑتی ہوئی خالق حقیقی سے جا ملیں کہ ان جیسی لیڈر اور رہنما اب کہاں پیدا ہوگا۔ محترمہ بینظیر بھٹو دو بار ملک کی وزیراعظم رہیں اور انہیں اسلامی دنیا کی پہلی وزیراعظم ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔ ان کے دور کو اگرچہ ''مثالی جمہوری حکومت'' قرار نہیں دیا جا سکتا اور

Marfat.com

یہ بھی حقیقت ہے کہ اس دور میں حکومت اور اپوزیشن کے درمیان شدید محاذ آرائی بھی ہوئی لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا جب محترمہ بینظیر بھٹو کو یہ احساس ہوگیا کہ ''ان دیکھے ہاتھ'' ہیں جو جمہوریت کو پھلتے پھولتے دیکھنا نہیں چاہتے تو قومی اسمبلی کے ایوان میں انہوں نے اپوزیشن لیڈر کو مخاطب کر کے مصالحت کی پیش کش کی اور سابقہ رویہ پر معذرت بھی۔

لیکن بات آگے نہ بڑھ سکی۔ تاہم ایک بہت بڑا اور اچھا کام یہ ہوا کہ جلاوطنی کے دوران میاں نواز شریف اور محترمہ بینظیر بھٹو کے درمیان صلح وصفائی ہوگئی اور امید تھی کہ اب دونوں مل کر ملک میں جمہوریت کی بحالی اور استحکام کے لئے جدوجہد کریں گے۔ یہ کام ابھی شروع ہی ہوا تھا کہ محترمہ بینظیر بھٹو دنیا سے رخصت ہوگئیں کہ اب کون ہے جو ان کے مشن کو پورا کریگا۔

(سید انور قدوائی)

Marfat.com

بے نظیر بھٹو: ایک نڈر اور بے باک خاتون

محترمہ بے نظیر بھٹو گزشتہ روز ایک خودکش حملے میں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھی ہیں.....

.....انا لله و انا الیه راجعون....... پورا ملک سوگ میں ڈوب گیا ہے، ہر باشعور شہری اشک بار ہے اور اس کا دل ایک عوامی رہنما کے المناک قتل کے غم کے ساتھ ساتھ ملک اور قومی سیاست کے مستقبل کے حوالے سے انجانے خدشات سے دوچار ہو گیا ہے۔ میں کل نماز عصر کے بعد الشریعۃ اکادمی سے گھر کی طرف آ رہا تھا کہ ایک صاحب راستے سے ساتھ ہو لیے اور چلتے چلتے سوال کیا کہ مولانا صاحب، آپ بھی کہتے ہیں کہ لال مسجد والوں کا طریق کار ٹھیک نہیں تھا اور امریکہ بھی کہتا ہے کہ وہ دہشت گرد ہیں۔ دونوں میں فرق کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہم لال مسجد والوں کے مقصد سے نہیں، بلکہ طریق کار سے اختلاف کر رہے ہیں اور اب بھی کہتے ہیں کہ ان کا طریق کار درست نہیں ہے۔ کہنے لگے کہ سوات اور وزیرستان والوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ملک کے اندر کسی قومی یا دینی مقصد کے لیے ہتھیار اُٹھانے والوں کو جائز نہیں سمجھتا۔ وہ کہیں بھی ہوں اور کسی عنوان سے بھی ہو، ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے۔

انہوں نے کہا کہ جہاد کا وقت کب آئے گا؟ میں نے کہا کہ جہاد تو ہو رہا ہے فلسطین میں، عراق میں اور افغانستان میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ جہاد ہی ہے اور اس جہاد کے لیے میدان جنگ میں خودکش حملے کو بھی میں بے بس اور مجبور و مظلوم مجاہد کا آخری ہتھیار سمجھتا ہوں، لیکن ایک مسلمان ملک میں اپنے حکومت کے خلاف ہتھیار اُٹھانے اور بے گناہوں اور غیر متعلق لوگوں کی جانیں لینے کو میں جہاد نہیں سمجھتا کیونکہ یہ جہاد نہیں، بلکہ ''خروج'' ہے جس کی اسلامی تعلیمات میں اجازت نہیں ہے کہنے لگے کہ آپ لوگ آخر کب اس خروج کا فتویٰ دیں گے؟ یہ تو آپ کو دینا ہی ہوگا، میں نے عرض کیا کہ خروج شرائط ہیں اس کا ایک شرعی طریق کار ہے اس کے بغیر اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی اور نہ ہی پاکستان میں ہتھیار اُٹھانے اور خودکش حملوں کے ذریعے لوگوں کی جانیں لینے کو جہاد کہنے کے لیے تیار ہوں۔

Marfat.com

اس گفتگو کے بعد وہ صاحب اپنی راہ ہو لیے جبکہ میں نے نکاح کی ایک تقریب میں جانا تھا اُدھر چلا گیا، وہاں سے فارغ ہو کر گھر واپس پہنچا اور نماز مغرب ادا کی تو فون پر ایک دوست نے اندوہناک خبر سنا دی کہ محترمہ بے نظیر بھٹو راولپنڈی کے لیاقت باغ میں جلسہ عام سے خطاب کے بعد واپس جاتے ہوئے خودکش حملے کا نشانہ بن کر جاں بحق ہوگئی ہیں۔ زبان پر بے ساختہ انا للہ و انا الیہ راجعون جاری ہوا اور دل کی دھڑکن میں اس سوچ اور خیال کیساتھ اضافہ ہوگیا کہ اس کے اثرات کیا ہوں گے؟ ردعمل کیسا ہوگا اور قومی سیاست کے مستقبل پر یہ المناک سانحہ کس حد تک اثر انداز ہوگا؟

میری محترمہ بے نظیر بھٹو سے ایک ہی بار ملاقات ہوئی ہے میاں نواز شریف کی وزارت عظمیٰ کا دوسرا دور تھا اور نوابزادہ نصر اللہ خان مرحوم حسب معمول حکومت کے خلاف اپوزیشن منظم اور متحرک کرنے کے لیے سرگرم عمل تھے میں اپنے کسی کام سے اسلام آباد گیا تو معلوم ہوا کہ نوابزادہ صاحب اسلام آباد میں ہیں، میری ان سے پرانی نیازمندی تھی جس زمانے میں پاکستان قومی اتحاد کی سرگرمیاں عروج پر تھیں۔ میں پنجاب قومی اتحاد کا سیکرٹری جنرل تھا، ہمارا صوبائی دفتر نکلسن پر نوابزادہ صاحب کے دفتر کے ساتھ ہوتا تھا اور اکثر ملاقاتیں رہتی تھیں، جبکہ 1990 کے بعد سے میں نے انتخابی اور گروہی سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر رکھی ہے۔ نوابزادہ صاحب سے ملنے کو جی چاہا تو میں اسلام آباد میں ان کی رہائش پر جا پہنچا وہ زیادہ تر ارشد چودھری صاحب کے ہاں قیام پذیر ہوتے تھے، میں وہاں پہنچا تو وہ مل کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ آپ بروقت آئے ہیں۔ میں نے کچھ دوستوں کو دوپہر کے کھانے پر بلا رکھا ہے آپ بھی شریک ہو جائیں۔ گپ شپ رہے گی۔ نوابزادہ صاحب کے کہنے پر میں وہاں رک گیا، لیکن یہ سوال نہ کر سکا کہ اس محفل کی نوعیت کیسی ہے؟ بہر حال بہت سے دوست آئے، ان میں محترمہ بے نظیر بھٹو بھی تھیں، نوابزادہ صاحب نے ان سے میرا تعارف کرایا اور جونہی انہوں نے میرا نام لیا تو بے نظیر بھٹو فوراً بولیں ''علماء کونسل والے''؟۔۔۔۔۔ میں نے کہا کہ جی ہاں علماء کونسل والا؟ اس پر وہ مسکرائیں اور حال احوال دریافت کرنے لگیں۔ یہ علماء کونسل کا بھی ایک خاص پس منظر ہے۔

1988ء میں جب وہ پہلی بار ملک کی وزیراعظم منتخب ہوئیں تو ملک کے دینی حلقوں

Marfat.com

نے ''خاتون وزیر اعظم'' کے حوالے سے ان کے خلاف اچھی خاصی تحریک کھڑی کر دی، جس میں میں بھی پیش پیش تھا، لاہور کے مولانا عبدالروف ملک کے ساتھ مل کر ہم نے مختلف مکاتب فکر کے علمائے کرام پر مشتمل ''متحدہ علماء کونسل'' قائم کی تھی، جس نے مختلف عنوانات پر جدوجہد کی، خاص طور پر عورت کی حکمرانی کے خلاف اس کی تحریک خاصی معروف ہوئی۔ مولانا مفتی ظفر علی نعمانی، صاحبزادہ حاجی فضل کریم، مولانا معین الدین لکھوی، مولانا قاضی عبداللطیف، مولانا عبدالمالک خان، پروفیسر محمد یحییٰ اور اس سطح کے سرکردہ علمائے کرام اس کا حصہ تھے۔ ہم نے محترمہ کی وزارت کے خلاف راولپنڈی صدر کے جامعہ اسلامیہ میں ملک بھر کے علمائے کرام کا ایک بھرپور اور نمائندہ کنونشن منعقد کیا تھا، جس کی صدائے بازگشت کئی روز تک قومی سیاست میں سنی جاتی رہی۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کو وہ تحریک اور اس میں کام کرنے والے سرکردہ حضرات کے نام یاد تھے اسی لیے میرا نام سنتے ہی انہوں نے پوچھ لیا تھا کہ علماء کونسل والے؟

محترمہ بے نظیر بھٹو کے ساتھ اس کے علاوہ مجھے کبھی ملنے کا موقع نہیں ملا، مگر قومی سیاست میں اور قومی پریس میں ہمیشہ آمنا سامنا رہتا تھا ہم ان کے مخالف کیمپ میں تھے، جمعیت علمائے اسلام درخواستی گروپ اور متحدہ علماء کونسل میں سیاسی بیانات کا شعبہ زیادہ تر میرے پاس ہی رہتا تھا اور محترمہ بے نظیر بھٹو اکثر ہمارے بیانات کا ہدف ہوتی تھیں اس لیے سیاسی نوک جھونک اور چھیڑ چھاڑ میں خوب لطف آتا تھا۔ ایک دور میں محترمہ نصرت بھٹو اور محترمہ بے نظیر بھٹو دونوں پاکستان پیپلز پارٹی کی چیئر پرسن ہوتی تھیں۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کو پی پی پی کی ''کو چیئر پرسن'' (شریک چیئر پرسن) کہا جاتا تھا۔ کراچی کے نشتر پارک میں جمعیت علمائے اسلام درخواستی گروپ کا جلسہ تھا۔

میں نے اس میں خطاب کے دوران پھبتی کسی کہ محترمہ بے نظیر بھٹو ایک مرد کی جگہ دو عورتوں کی گواہی کے شرعی قانون پر تحفظات کا اظہار کرتی ہیں لیکن انہوں نے اپنی پارٹی میں ایک چیئر مین کی جگہ پر دو چیئر پرسن کی صورت میں اس شرعی ضابطے کو خود بھی عملاً تسلیم کیا ہوا ہے اس کا قومی پریس میں کئی روز تک چرچا رہا، بالآخر شریک چیئر پرسن کی صورت حال پس منظر میں چلی گئی لیکن اس سب کچھ کے باوجود ایک دانش ور سیاستدان کے طور پر ہمیشہ میرے دل میں ان کا احترام

Marfat.com

رہا۔ وہ پڑھی لکھی خاتون تھیں، صاحب مطالعہ تھیں، حالات اور مسائل کا دانش ورانہ تجزیہ کرتی تھیں تاریخ اور تاریخ کے عمل پر ان کی نظر تھی اور اپنی سیاست کی راہیں طے کرتے وقت وہ اپنے علم ومطالعہ سے استفادہ بھی کرتی تھیں جس کا ہماری قومی سیاست میں رجحان بہت کم ہے۔ ان کی سیاست اور پالیسیوں سے مجھے بہت کم اتفاق رہا ہے اور اب بھی ان کے سیاسی رخ اور بیانات پر میں شدید تحفظات رکھتا تھا لیکن بہر حال وہ قوم کے ایک بڑے وسیع حلقے کی مسلمہ لیڈر تھیں، ایک واضح سوچ، رائے اور پروگرام رکھتی تھیں جس کے لیے وہ پورے حوصلے اور جرات مندی کے ساتھ سرگرم عمل تھیں۔ یہ ان کے حوصلے اور برات کا ہی اظہار تھا کہ وہ کراچی کے خوفناک خودکش حملے میں بچ جانے کے بعد وہ آرام سے نہیں بیٹھیں بلکہ جس مشن اور پروگرام کو وہ اپنی سیاسی جدوجہد کے لیے ضروری سمجھتی تھیں اس کے لیے نکل کھڑی ہوئیں اور بالآخر اپنی جان بھی قربان کر دی۔ میں اس المناک سانحہ پر بھٹو خاندان، پاکستان پیپلز پارٹی اور ملک بھر کے سوگوار عوام کے غم میں شریک ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت مرحومہ کو جوار رحمت میں جگہ دیں اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کے ساتھ اس صدمے سے عہدہ برآء ہونے کی توفیق عطاء فرمائیں۔

(ابوعمار زاہد الراشدی)

Marfat.com

اے کاش! وہ گاڑی میں نہ ہوتیں!

آج پاکستان کا ایک قیمتی اثاثہ اس قوم سے چھن گیا ہے آج مشرق اور مغرب کی پوری مہذب دنیا اس اندوہناک سانحہ پر سوگوار ہے آج ملک میں انسانیت اور انسانی حقوق کی آواز بے سہارا ہوگئی ہے وہ نڈر جرات مند دلیر اور بہادر خاتون تھیں۔ زیرک' معاملہ فہم اور مدبر قائد تھیں وہ قوم کی آواز تھیں عوام کا فخر و ناز تھیں دنیا جہاں کے ایک ایک مسئلے سے پوری طرح آگاہ اور باخبر، عالمی سیاستدان اور رہنما تھیں۔ مجھے وہ منظر نہیں بھولتا جب پوری امریکی کانگریس کھڑے ہوکر تادیر انہیں خراج تحسین پیش کررہی تھی اور محترمہ کہہ رہی تھیں کہ آپ لوگ یہ خدشہ محسوس کرتے ہیں کہ مسلم دنیا عورتوں کے خلاف ہے۔ ان کی قیادت اور حقوق کے خلاف ہیں۔ آپ دیکھیں میں ایک مسلم سٹیٹ کی مسلم خاتون، منتخب وزیراعظم کی حیثیت سے آپ کے سامنے کھڑی ہوں جو دنیا بھر میں امن، رواداری اور لبرل اقدار کی علمبردار اور قابل فخر رہنما تھیں میرا دل، میرا دماغ ہنوز یہ ماننے کو تیار نہیں ہورہے کہ ہماری شعوری آنکھوں کی روشنی ہم سے چھن گئی ہے۔ ہماری ہردلعزیز قائد محترمہ بے نظیر بھٹو شہید کردی گئی ہیں۔ آج کچھ دکھائی نہیں دے رہا، کچھ سجھائی نہیں دے رہا، وہ چاروں صوبوں کی زنجیر تھی، مرحوم بھٹو کی تصویر تھی، اتنی بڑی رہنما پیدا ہوئی، لیکن افسوس اس کی قدر نہ کی جاسکی، اس نعمتِ عظمیٰ کی حفاظت نہ ہوسکی وہ دکھوں میں چلی گئیں، جوانی میں غم اُٹھاتے رخصت کردی گئیں، وہ شمع جو دوسروں کو روشنی فراہم کرنے کے لیے خود جلتی تھی لیکن ظالم دہشت گرد نے ایک ہی وار میں زندگی کی یہ جوت بجھادی۔

میں اپنے دوستوں کو اکثر کہتا تھا یار! مجھے تو پاکستانی سیاست میں سوائے محترمہ بے نظیر کے کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ نواز شریف بھی اس لیے بہتر محسوس ہوتے ہیں کہ وہ بی بی کے بارے میں اچھے الفاظ بولتے ہیں، کھلے عام محترمہ کی تحسین کرتے ہیں ہر وہ شخص جو محترمہ کے بارے میں برا

Marfat.com

بولتا ہے اپنے سینے پر پتھر مارتا محسوس ہوتا ہے۔ بی بی کی عدم موجودگی میں مجھے مستقبل محفوظ دکھائی دیتا تھا۔ دہشت گردی اور انتہاء پسندی کے خلاف جدوجہد کامیاب ہوتی نظر آتی تھی، میں مطمئن تھا کہ اگلی وزیراعظم محترمہ ہی ہونگی۔ چند روز قبل اپنے اخبار میں لکھا کہ میری نگاہیں پاکستان کا اقتدار محترمہ کی جھولی میں گرتے صاف دیکھ رہی ہیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ ابھی قومی ذمہ داریوں پر فائز ہوتے ہوئے سب کچھ سنبھال لیں گی۔ تمام خرابیوں کو اپنی حکمت بصرت اور دانائی سے ختم کر دیں گی اور وہ تمامتر قومی و عالمی پالیسوں کو عملی جامہ پہنا سکیں گی۔ سب سے بڑھ کر دہشت گردی کے ناسور کو جڑوں سے اُکھاڑ سکیں گی۔ دیگر اہل وطن کی طرح ہمیں ان کی بے مثال قائدانہ صلاحیتوں پر بے پناہ اعتماد تھا۔ ذاتی طور پر مجھے قائداعظم کے بعد اگر کسی پاکستانی رہنما نے سب سے زیادہ متاثر کیا تو وہ محترمہ بے نظیر بھٹو کی شخصیت اور قیادت تھی، حتی کہ میں انہیں جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم سے بھی بڑا رہنما خیال کرتا تھا۔

آٹھ دس مہینے قبل میں نے پی پی کے ایک رہنما منیر احمد خاں کو کہا کہ خان صاحب برا محسوس نہ کرنا، میں محترمہ کو بھٹو صاحب سے بھی بڑی قائد اور رہنما سمجھتا ہوں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ میں ان دونوں عظیم رہنماؤں کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہوئے پورے دلائل سے یہ دعویٰ ثابت کروں کہ محترمہ بھٹو صاحب سے بھی زیادہ واضح اور نکھری سوچ کی حامل قومی و عالمی لیڈر رہیں لیکن ڈرتا ہوں کہ ایسا مضمون لکھنے پر بی بی کے کارکن تنگی محسوس کرتے ہوئے دلآزاری کا باعث نہ سمجھیں، منیر احمد خاں بولے، آپ لکھیں ہم پڑھیں گے، تب ہی اس پر بات کر سکیں گے۔ مطلوب وڑائچ کو بھی یہ بات کہی اس 21 جون کو ارادہ بھی ہوا کہ وہ دن تنہائی میں بیٹھ کر وہ سب کچھ لکھ دوں جن کی بنیاد پر میں محترمہ کو قائداعظم محمد علی جناحؒ کے بعد پاکستان کی سب سے بڑی لیڈر سمجھتا ہوں لیکن عدیم الفرصتی کا خیال کرتے ہوئے سوچا کوئی بات نہیں اگلی برتھ ڈے آئے گی تو وقت نکال کر اپنے تمامتر احساسات و دلائل کے ساتھ لکھوں گا لیکن افسوس صد افسوس کہ قدرت کے اس قیمتی شاہکار کی حفاظت نہ کر سکے۔

کاش ہم انہیں پبلک جلسوں میں شرکت سے روک لیتے، وہ فی الوقت بلاول ہاؤس میں رہ کر قوم کی رہنمائی کرتی رہتیں۔ اتنی بڑی محرومی سے وہ چھوٹی محرومی برداشت کر لیتے۔ ان

Marfat.com

دنوں رہ رہ کر ذہن میں یہ خیال خوف بن کر آتا تھا کہ انہیں کہیں کچھ ہو نہ جائے۔ اگر بی بی کو کچھ ہو گیا تو یہ ملک وقوم اور خود پی پی کی کتنی بڑی بدقسمتی اور محرومی ہوگی۔ سچی قیادت خودساختہ گملوں کی نرسری میں تیار نہیں ہوتی یہ تو قدرت کی عنائیت اور دین ہوتی ہے۔ جو سیاست کی خاردار وادیوں سے گزر کر تلخیوں اور آزمائشوں کی بھٹیوں سے نکل کر کندن بنتی ہے محترمہ بےنظیر قدرت کا وہی بے مثال انعام تھیں جو جناب ذوالفقار علی بھٹو کی قربانیوں کے بدلے اس قوم کو ملا۔ اس لاجواب ہستی نے اپنی فطری صلاحیتوں کو استعمال میں لاتے ہوئے زندگی کی تلخیوں سے اتنا کچھ سیکھا کہ آج وہ پاکستان کی قومی قائد تھیں۔ عالم اسلام کا قابل فخر سرمایہ تھیں، عالمی سطح کی مدبر لیڈر تھیں۔ پاکستان میں ان کی وہی حیثیت تھی جو ہندوستان میں محترمہ اندرا گاندھی کی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ کلیجے پر جو چوٹ پڑی ہے۔ اس کی کسک وہی ہے جو مہاتما گاندھی اور انور سادات کے قتل پر محسوس ہوئی تھی۔

کاش ہماری بی بی ابھی نہ مرتیں۔ کاش وہ گھڑی نہ ہوتیں، کاش، قاتل کا نشانہ خطا ہو جاتا کاش۔۔۔۔۔

(افضال ریحان)

Marfat.com

بے مثال زندگی۔ بینظیر شہادت

آج پاکستان پھر رنج وغم میں ڈوبا ہوا ہے۔قوم کا ایک ایک فرد سوگوار ہے۔آج گڑھی خدا بخش میں ایک اور بھٹو کومٹی کے سپرد کیا جا رہا ہے۔ جمعہ کے مبارک دن صرف محترمہ بینظیر بھٹو کو نہیں ایک سیاسی عہد کو دفن کیا گیا ہے۔ جمہوریت کے لئے طویل جدوجہد کو زمین کے حوالے کیا گیا ہے۔ جمعرات کو جب سورج ڈوب رہا تھا تو پاکستان کے سیاسی افق پر تین دہائیوں سے چمکنے والا ایک ستارہ بھی ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ جمہوری اداروں کے استحکام، پاکستان کی بقاء عوام کی حکمرانی، انتہا پسندی کے خاتمے کے عزائم لے کر آٹھ سالہ جلاوطنی ختم کر کے وطن واپس آنے والی دختر مشرق کو ایک دہشت گرد نے اپنی سفاکی کا نشانہ بنالیا۔ اسی لیاقت باغ میں 56 سال پہلے پاکستان کے پہلے وزیراعظم قائد ملت لیاقت علی خان کو بھرے جلسے میں گولی مار شہید کیا گیا تھا۔ جمعرات کی شام لیاقت باغ پھر مقتل بن گیا۔ مسلم دنیا کی پہلی خاتون وزیراعظم بننے کا شرف حاصل کرنے والی، لاکھوں کارکنوں کی عقیدتوں اور محبتوں کی مرکز محترمہ بینظیر بھٹو پر اس وقت فائرنگ کی گئی جب وہ ایک بڑے انتخابی جلسے سے خطاب کے بعد رہائش گاہ واپس کے لئے روانہ ہوتے وقت کارکنوں کو الوداع کہہ رہی تھیں۔ یہ ان کی زندگی کا آخری الوداعی منظر بن گیا۔ جدوجہد سے عبارت ایک عہد کا خاتمہ کر دیا گیا۔ لوگوں کے دلوں میں ملکی بقاء اور سلطانی جمہور کی لگن ابھارنے والی آواز ہمیشہ کے لئے خاموش کر دی گئی۔

انتہا پسند کتنے طاقتور ہو گئے ہیں۔ تمام تر حفاظتی اقدامات بے اثر رہ جاتے ہیں۔ جدید ترین ٹیکنالوجی بے بس ہو جاتی ہے۔ دہشت گرد اپنے ہدف تک پہنچ جاتے ہیں۔ مملکت حکومت عوام محض تماشائی بن کر رہ جاتے ہیں۔ ایک طرف جلسے میں شرکت کرنے والے کئی ہزار، دوسری طرف ایک تنہا خودکش بمبار اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب ہو جاتا ہے اسے معلوم ہوتا ہے کہ

Marfat.com

بنادیا اور الزام اسی پر لگا دیا گیا۔ اس کی پریوں جیسی خوبصورت ماں جو کبھی اس ملک کی ملکہ تھی خاتون اول تھی حواس کھو بیٹھی لیکن اس نے تنہائی میں آنسو بہانے کے سوا کوئی احتجاج نہیں کیا لیکن اب جب وہ خود ایک اندھی گولی کا نشانہ بن گئی ہے تو اس کے پیروکاروں کو کون تسلی دے؟ کون ان کے مشتعل جذبات پر محبت کی پھوار ڈالے؟ کون' اس ملک کے رستے ہوئے زخم زخم جسم پر مرہم رکھے؟ کہ صبر کرنے کیلئے کہنا بڑا آسان ہوتا ہے صبر کرنا بڑا مشکل.......؟

لیاقت باغ میں سندھ سے آ کر جلسہ کرنے والے ملک کے پہلے وزیر اعظم کو سید اکبر نامی پٹھان کے ہاتھوں مروا کر پاکستان توڑنے کی سازش کی گئی' لیکن پاکستانی عوام نے اس سازش کو ناکام بنا دیا اور قتل ہونے والے کو ''شہید ملت'' کا خطاب دیا...... پھر سندھ سے آنے والے ایک سابق وزیر اعظم کو اسی لیاقت روڈ پر واقع پھانسی گھاٹ میں تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ لوگوں نے اسے ''قائد عوام'' مانا..... اب اس کی بیٹی اور سابق وزیر اعظم کو اسی جگہ گولی ماردی گئی اور لوگ اسے ''شہید جمہوریت'' کہہ رہے ہیں۔ لیکن کیا صرف شہید جمہوریت کا خطاب دینے سے قاتلوں کے ہاتھ دھل جائیں گے؟ ان کے دامن صاف ہو جائیں گے؟ ان کے نامہ اعمال کی سیاہی مٹ جائے گی؟ یقیناً نہیں...... بینظیر بھٹو تو اپنے باپ کے پہلو میں لیٹی اس سے سرگوشیاں کر رہی ہوگی' باپ بیٹی 28 سال بعد ملے ہوں گے تو کتنے خوش ہوں گے' ان کی بے چین روحوں کو کتنا سکون ملا ہوگا' لیکن کیا ان کے قاتل کبھی خوش رہ سکیں گے؟ ان کی روح کو کبھی چین مل سکے گا؟ ان کے ضمیر کبھی مطمئن ہو سکیں گے؟؟

ایک قاضی حسین احمد ہیں جو نواز شریف اور بینظیر کو الیکشن کے بعد ''شام غریباں'' کی ''خوشخبری'' دے رہے تھے لیکن شام غریباں پہلے ہی برپا ہو گئی' نواز شریف نے گریہ کر لیا' گڑھی خدا بخش سمیت پورے ملک بلکہ پوری دنیا میں گریہ جاری ہے لیکن کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ قاضی صاحب اور ان کے ساتھی ان نام نہاد اسلام پسند دہشت گردوں کی مذمت کریں' ان کو بتائیں کہ وہ مسلمانوں کو مار کر جنت کا سودا نہیں کر رہے' بینظیر بھٹو کو مارنے سے پاکستان مضبوط نہیں کمزور ہوا ہے..... گڑھی خدا بخش میں بینظیر بھٹو کا جسم دفن ہو گیا ہے لیکن اس کی روح کو کون دفن کر سکے گا؟ اس کے نظریات کو کون مار سکے گا؟....... دوسرے جنرل پرویز مشرف ہیں جو

Marfat.com

بینظیر اور نواز شریف کو پاکستان واپس آنے نہیں دینا چاہتے تھے' بینظیر پر پہلا حملہ ہوا تو تین لوگوں پر الزام لگا لیکن جنرل صاحب نے توجہ نہیں دی' کسی نے بینظیر بھٹو کی فریاد پر کان نہیں دھرے۔ غیر ملکی امداد کیلئے دن رات ہاتھ پھیلائے رکھنے والوں نے غیر ملکی تفتیش کاروں کی مدد لینے کا مذاق اڑایا۔ اب وہ مرگئی ہے کیا اب بھی کوئی نہیں سنے گا؟ کیا اب بھی جنرل پرویز مشرف آرام سے بیٹھے رہیں گے کہ چلو ایک اور کانٹا صاف ہوا۔ لیکن وہ بھی یاد رکھیں کہ ''جو چپ رہے گی زبان خنجر ہو پکارے گا آستیں کا'' یہ خون پکار پکار کر اپنے قاتل ہاتھوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ آپ آنکھیں بند رکھیں گے تو تاریخ کی آنکھیں کون بند کرے گا۔؟ آپ انصاف نہیں دیں گے تو خدائے انصاف کو کون روک سکے گا؟؟

اپنے ہونٹ سیئے ہیں تم نے
میری زباں کو مت روکو
تم کو اگر توفیق نہیں ہے
مجھ کو ہی سچ کہنے دو
ظلم رہے اور امن بھی ہو
کیا ممکن ہے تم ہی کہو

قرآن کہتا ہے **اقترب للناس حسابهم وهم فی غفلة معرضون**...... لوگوں کیلئے یوم حساب آن پہنچا...... کیا اب جنرل مشرف کیلئے وقت نہیں آیا کہ وہ قوم کی جان چھوڑ دیں۔ اپنے اقتدار کیلئے ابھی اور کتنا خون بہائیں گے اور کس کس کا خون لیں گے؟ ان کو چاہئے کہ اپنے ساتھیوں اور سیاسی وارثوں سمیت رخصت ہو جائیں' قوم کی تقدیر قوم کے حقیقی وارثوں کے سپرد کر دیں۔ ان جعلی اور نام نہاد غیر جانبداروں کو بھی گھر بھیج دیں۔ پورے قوم کے اتفاق رائے پر مشتمل حکومت کو اختیارات سونپ دیں۔ کیونکہ انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح جنرل ضیاء الحق کیلئے مردہ بھٹو زندہ بھٹو سے زیادہ خطرناک ثابت ہوا تھا اب اس کی بیٹی مردہ بینظیر بھٹو ان کیلئے زندہ بینظیر بھٹو سے زیادہ خطرناک ثابت ہوگی۔ ان کے ایک پیش رو جرنیل نے بھٹو کو پھانسی لگایا۔ مخالفوں نے پیش گوئیاں کیں کہ اب پارٹی ختم ہو جائے گی۔ **Party is over** کا جملہ کسا گیا

Marfat.com

لیکن جیالوں نے کہا ''تم کتنے بھٹو مارو گے' ہر گھر سے بھٹو نکلے گا'' ...... تب ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ ''صرف میں ایک بھٹو نہیں یہ ساری قوم بھٹو ہے'' اور ساری دنیا نے دیکھا کہ جرنیل جھوٹے نکلے بھٹو سچا نکلا.... اب کے بینظیر نے کہا ''وہ قوم پر قربان ہو جائے گی' اس نے بھی اپنا وعدہ سچ کر دکھایا..... جب اس کا باپ مرا تو وہ چھوٹی بچی تھی اور بھائی بالکل کمسن اب وہ مری ہے تو اس کے وارثوں میں بلاول جوان ہے تو بختاور نوجوان' آصف زرداری جواں حوصلہ ہیں تو امین فہیم اور اعتزاز احسن جوان عزم۔ اس نے مرنے سے پہلے کہا ''ہمارے نظریات بھی ہیں اور جذبات بھی۔ ہم جانتے ہیں کہ کیسے زندہ رہنا ہے اور کیسے مرنا ہے.... ہم نے اپنی زندگیاں' جوانیاں اور خوشیاں آزادی اور جمہوریت کیلئے وقف کر دی ہیں..... خونیں انقلاب آتے رہے ہیں اب ایک پرامن انقلاب آنا چاہئے جو آمریت' غیر مساوی نظام' غربت اور جہالت کا خاتمہ کرے...... تاریخ شہیدوں کی قربانیوں سے عبارت ہے' تاریخ کا تانا بانا انقلاب کے دھاگوں سے بنا جاتا ہے ..... ہر آغاز کا ایک انجام ہوتا ہے اور ہر انجام کا ایک آغاز۔ اسی لئے مسلمان کہتے ہیں کہ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد......'' بینظیر بھٹو نے اپنی کربلا خود سجائی وہ حسینیت کی سچی پیروکار ثابت ہوئی....... لیکن یہ بات کسی کو نہیں بھولنی چاہئے کہ حسینیت کے مقابلے میں آنے والی یزیدیت کی قسمت میں تباہی بھی ہوتی ہے اور ذلت بھی۔ ان حالات میں اگر 8 جنوری کو انتخابات ہوتے تو پیپلز پارٹی کے مقابلے میں شاید ہی کسی جماعت کو کوئی نشست ملتی۔ نواز شریف نے حالات کا اندازہ لگا کر درست فیصلہ کیا اور اپنا ووٹ بنک بھی بچا لیا' انتخابات وقت پر ہونے کا امکان بھی ختم کر دیا لیکن بینظیر اپنا خون دے کر ایسا انتظام کر گئی ہے کہ انتخابات جب بھی ہوں اس کی جماعت کو ہرانا کسی دوسری جماعت کیلئے اتنا آسان نہیں ہوگا........ غریب الوطن ذوالفقار علی بھٹو نے پھانسی کا پھندا چوما تو نعرہ لگایا ''میں بھٹو ہوں'' اسی نعرے کو لے کر اس کی بیٹی چلی تو پورا ملک اس کے ساتھ چلا اور پکار اٹھا زندہ ہے بھٹو زندہ ہے...... ''اب کون سا گھر ہے جس میں ایک بھٹو موجود نہ ہو۔ اب پردیسی باپ کی پردیسی بیٹی بھی مر کر زندہ ہو گئی' کتنا خوش قسمت ہے باپ کہ خود بھی شہید' بیٹی بھی شہید...... آخر میں فیض احمد فیض کی ایک طویل نظم کے کچھ شعر نذر ہیں۔

Marfat.com

یہ رات اس دور کا شجر ہے
جو مجھ سے تجھ سے عظیم تر ہے
مگر اسی رات کے شجر سے
یہ چند لمحوں کے زرد پتے
گرے ہیں اور ترے گیسوؤں میں
الجھ کے گلنار ہوگئے ہیں
اسی کی شبنم سے خامشی سے
یہ چند قطرے تری جبیں پر
برس کے ہیرے پرو گئے ہیں
وہ غم جو اس وقت تیری بانہوں
کے گلستاں میں سلگ رہا ہے
(وہ غم جو اس رات کا ثمر ہے)
کچھ اور تپ جائے اپنی آہوں
کی آنچ میں تو یہی شرر ہے
جہاں پہ ہم تم کھڑے ہیں دونوں
سحر کا روشن افق یہی ہے
یہیں پہ غم کے شرار کھل کر
شفق کا گلزار بن گئے ہیں
یہیں پہ قاتل دکھوں کے تیشے
قطار اندر قطار کرنوں
کے آتشیں ہار بن گئے ہیں
یہ غم جو اس رات نے دیا ہے
یہ غم سحر کا یقیں بنا ہے
یقیں جو غم سے کریم تر ہے
سحر جو شب سے عظیم تر ہے

اطہر مسعود

Marfat.com

بے نظیر اور ''9''

گزشتہ روز کے تمام اخبارات بینظیر بھٹو کی موت کی خبروں سے بھرے پڑے تھے اور ان کے رنگین ایڈیشن بینظیر کی زندگی کی یادگار تصویروں سے سجے ہوئے تھے۔ میری نگاہیں ان سرخیوں پر ٹھہر گئیں۔

''بینظیر زندگی، بینظیر شہادت'' جس دھج سے کوئی مقتل کو گیا، وہ شان سلامت رہتی ہے۔ شہید کی بیٹی بھی شہید ہوگئی۔ Garhi Khuda bux awaits another Bhutto اور Daughter of East Slain میں یہ خبر پڑھے بغیر نہ رہ سکا کہ مسلم لیگ (ن) کے سربراہ میاں نواز شریف جب راولپنڈی جنرل ہسپتال سے روانہ ہونے لگے تو پیپلز پارٹی کے کارکن دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ کارکنوں نے انہیں گھیر لیا اور انہیں درازی عمر اور ثابت قدمی کی دعائیں دیں۔ کارکنوں نے اس موقع پر انتہائی جذباتی اور رقت آمیز لہجے میں کہا کہ میاں صاحب! آپ بی بی کو اکیلا چھوڑ کر نہ جائیں۔ بعض کارکن روتے ہوئے دہائی دے رہے تھے کہ میاں صاحب خدا کے لئے اپنا خیال رکھیں یہ ظالم آپ کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔ ایک اور خبر کے مطابق میاں نواز شریف بینظیر بھٹو کی لاش دیکھ کر ہچکیوں کے ساتھ رونے لگے۔ ملکی اور غیر ملکی صحافیوں نے ان سے بینظیر کی موت پر تاثرات جاننے کی کوشش کی تو وہ رونے لگے اور ان سے بات ہی نہ ہو سکی۔ مجھے طالبان کے کمانڈر بیت اللہ محسود کی دھمکی یاد آ رہی ہے کہ ان کے جنگجو اور خودکش حملہ آور بینظیر بھٹو کا بے تابی سے انتظار کر رہے ہیں کیونکہ بینظیر بھٹو صرف امریکہ کی حمایت سے پاکستان واپس آ رہی ہیں جو ہمیں منظور نہیں۔ بیت اللہ محسود نے یہ بھی کہا تھا کہ طالبان پرویز مشرف کو صدر نہیں مانتے۔ مجھے یاد ہے کہ چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کی اسلام آباد آمد پر پیپلز پارٹی کے استقبالیہ کیمپ میں خودکش بم دھماکے پر کہا گیا تھا کہ یہ بینظیر بھٹو کے لئے ''پیغام'' بھی ہو سکتا ہے۔ 18 اکتوبر کو جب بینظیر بھٹو کراچی پہنچیں تو لاکھوں افراد نے ان کا استقبال کیا وہ

Marfat.com

مزار قائد پر جارہی تھیں کہ کارساز کے علاقے میں ان کے قافلے میں یکے بعد دیگرے دو خودکش حملے ہوئے جن میں پیپلز پارٹی کے کارکنوں سمیت 150 افراد جاں بحق اور سینکڑوں زخمی ہوئے۔

اس واقعہ کے بعد بھی لوگ یہی کہہ رہے تھے کہ یہ بینظیر کے لئے ''پیغام'' ہے۔ میرے خیال میں یہ موت کے پیغام تھے اور بینظیر بھٹو کے قلب و ذہن میں پیغامات محفوظ ہوتے جارہے تھے ورنہ وہ کیوں کہتیں کہ بحالی جمہوریت اور پارلیمنٹ اور آئین کی بالادستی میری زندگی کا مشن ہے جس کی کامیابی کے لئے جان بھی قربان کرسکتی ہوں تاہم انہیں یقین تھا کہ کوئی مسلمان اپنی بہن کی جان نہیں لے سکتا۔ سوچ رہا ہوں کہ کسی مسلمان نے اپنی بہن کی جان لے لی اور بینظیر نے اپنے مشن کے لئے جان دے دی لیکن ان کے سیاسی جانشین لیڈر اور جیالے اس راہ پر چل پڑے ہیں جو انہیں اس منزل تک نہیں لے جائے گی۔ جس کا خواب بینظیر نے دیکھا تھا اور اپنے جیالوں کو دکھایا تھا۔ گزشتہ روز متعدد شہریوں کا خیال تھا کہ بینظیر بھٹو کا قتل دراصل انتخابات ملتوی کرنے اور ''آمرانہ'' جمہوریت برقرار رکھنے کی سازش ہے۔ اگر یہ خیال درست ہے تو تب بھی پیپلز پارٹی کے لیڈروں اور کارکنوں کو تخریبی راستے پر چلنے سے گریز کرنا چاہئے اور حکمرانوں پر انتخابی عمل جاری رکھنے کے لئے دباؤ بڑھاتے رہنا چاہئے تاکہ اگر کوئی سازش ہے تو اسے ناکام بنایا جاسکے۔

میری رائے میں مسلم لیگ (ن) کے قائد میاں نواز شریف کی قومی ذمہ داریوں میں بینظیر کے قتل نے اضافہ کردیا ہے جن میں انتخابی عمل کا جاری رکھنا سرفہرست ہے۔ نواز شریف کو چاہئے کہ وہ بینظیر کے ساتھ ''میثاق جمہوریت'' کو دفن نہ کریں بلکہ اسے زندہ رکھیں اور جیالوں پر ''سیاسی'' دست شفقت بھی رکھیں ایک جیالے کے بقول بھٹو کو پھانسی دیئے جانے سے ''یتیم'' ہوگئے تھے اور اب اور اب بینظیر کے قتل نے انہیں ''مسکین'' بنادیا ہے۔ جیالے کا کہنا تھا کہ نواز شریف اپنی ''بہن'' کے قتل کا ''بدلہ'' لینا چاہتے ہیں تو اس کا واحد راستہ انتخابی عمل کی ''موت'' نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ انتخابات ہوں اور شفاف ہوں۔

مجھے سائیں اختر مرحوم کی باتیں آج پھر یاد آرہی ہیں کہ بھٹو خاندان کے افراد عموماً طبعی موت نہیں مرتے۔ ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی شاہنواز بھٹو کو زہر دینے اور مرتضیٰ کے بعد بینظیر بھٹو

Marfat.com

کے قتل سے اسی حقیقت کا اظہار ہوتا ہے۔ سائیں اختر کا کہنا تھا کہ بینظیر بھٹو اور نواز شریف کو تیسری بار وزارت عظمیٰ ملتی نظر نہیں آتی کیونکہ ان کے مقدر میں اقتدار کے جو دن اللہ تعالیٰ نے لکھے تھے وہ پورے ہو چکے! سائیں اختر نے یہ بھی کہا تھا کہ پرویز مشرف پر نو قاتلانہ حملے ہوں گے۔ پرویز مشرف پر اب تک کتنے قاتلانہ حملے ہو چکے اور کتنے باقی ہیں؟ کوئی حساس ادارہ ہی بتا سکتا ہے۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ بینظیر بھٹو کی زندگی بینظیر تھی ان کی سیاست بینظیر تھی اور شہادت بھی بینظیر ہوئی۔ وہ چاروں صوبوں کی زنجیر تھیں، وہ ایسی زنجیر بھی ثابت ہوئیں جو اپنے سیاسی حریفوں کو باندھ لیتی تھی، وہ نواز شریف اور جنرل پرویز مشرف کے لئے ایسی زنجیر تھیں جو دکھائی نہیں دیتی تھی۔ زیر نظر کالم یہیں تک لکھ پایا تھا کہ گڑھی شاہو سے ''وقت'' کی ایک ریڈر خاتون راشدہ غوری کی جانب سے sms موصول ہوا جس کے مطابق بینظیر بھٹو کے لئے ''9'' کا ہندسہ بہت اہم تھا۔

ان کی پیدائش 1953 میں ہوئی۔ 3+5+9+1 کا حاصل جمع ''9'' بنتا ہے۔ ان کی موت 2007 میں واقع ہوئی۔ 7+0+0+2 کا حاصل جمع ''9'' ہوا۔ 1953 تا 2007 کا عرصہ 54 برس بنتا ہے اور 4+5 کا حاصل جمع ''9'' بنتا ہے۔ بینظیر پر پہلا خودکش حملہ 18 اکتوبر کو ہوا 1+8 کا حاصل جمع ''9'' ہوا۔ دوسرا خودکش حملہ 27 دسمبر کو ہوا 7+2 کا حاصل جمع ''9'' بنتا ہے۔

(محمد اکبر عالم)

Marfat.com

کتنے بھٹو مارو گے؟

مصالحت نہ سکھا جبر ناروا سے مجھے
میں سر بکف ہوں لڑا دے کسی بلا سے مجھے

بینظیر بھٹو ہم میں نہیں رہیں اور بھی بہت سے لیڈر اور اپنے ہم میں نہیں رہے، لیکن وہ اس دنیا میں موجود نہ ہو کر اب بھی موجود ہیں اور اپنے والد کے مشن کی باتیں کرنے والی بینظیر اپنے والد کی طرح ہی ہمیشہ موجود رہیں گی۔ وہ بے نظیر مثال چھوڑ گئی ہیں، اس ملک کے غریب اور پسے ہوئے عوام کے دل ان کے لئے خون کے آنسو رو رہے ہیں۔ ان کا مسیحا اس دنیا سے چلا گیا ہے، جو خدا کے بعد ان کا سہارا تھا۔ ان کی اندھری دنیا مین ایک روشن چراغ تھا، جس کی لو انہیں زندگی کی آس دلاتی تھی۔ 77ء سے اب تک ظلم و بربریت کا نشانہ بننے کے باوجود جبر کی قوتوں سے مصالحت کرنا نہیں سیکھا تھا، اس ملک، عوام اور جمہوریت کیلئے لڑائی ان کی زندگی کا مقصد تھی۔ اسکے لئے وہ کسی بھی بلا سے ٹکرانے کو ہمیشہ تیار رہیں۔ ان کی ناگہانی موت کی وجہ سے ان کا یہ مشن ہی بنا۔ بے نظیر اپنے پیچھے صرف یادیں اور آنسو ہی چھوڑ کر نہیں گئیں، اپنے والد کی طرح اس قوم کو ایک راستہ دکھا گئی ہیں۔ اس راستے پر اب کون چلتا ہے، کس میں ہمت ہے یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔ انہوں نے اپنی تمام زندگی جوجہد مسلسل سے عبارت ہے اس شعر کو سچ ثابت کر دکھایا:

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکے تو وہ لہو کیا ہے

بھٹو خاندان نے اس ملک اور خصوصاً غریب عوام کے لئے اپنے خون کی جتنی قربانی

Marfat.com

دی ہے، وہ ایک لازوال داستان ہے۔ بینظیر نے تو ہر مرحلے پر ثابت کیا ہے کہ ان کی رگوں میں ایک بہادر باپ ذوالفقار علی بھٹو شہید کا خون دوڑ رہا ہے۔ انہوں نے اس خون سے وفا کی سزا پائی ہے۔ یہ سزا صرف انہیں نہیں دی گئی، انہوں نے تو ایک نہ ایک دن اس جہان فانی سے جانا تھا۔ یہ سزا اس ملک کی یکجہتی اور غریب عوام کو دی گئی ہے۔ اب اس ملک میں کون ہے، جس کی چاروں صوبوں میں پذیرائی ہوگی۔ اس ملک کا کونسا لیڈر ہے جو اس دنیا کے ناخداؤں کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کر سکتا ہے۔ بینظیر کی موت ان کی ایک نئی زندگی ہے۔ مرحومہ اس ملک میں لیڈر اور رہبر کیلئے جو پیمانہ مقرر کر گئی ہیں اس پر کون پورا اترے گا۔ یہ باتیں جو آج ہم کر رہے ہیں ان کی زندگی میں بھی سب کو معلوم تھیں۔ اس ملک کے لیڈر اور حاکم اتنے لاعلم نہیں، لیکن پھر بھی ان کی زندگی کی حفاظت کسی نے اپنا فرض نہ سمجھا۔ وہ بار بار ان خطرات سے آگاہ کرتی رہیں، جو ان کی زندگی کو لاحق تھے اور ان خطرات کی موجودگی سے واقف ہو کر بھی وہ ملک کی خاطر واپس آئیں، لیکن اس پر توجہ دینے کے ذمہ دار پراسرار طور پر خاموش رہے۔

مجوزہ انتخابات کو ایک ایسے ملک کے انتخابات جان کر اقدامات کئے جاتے رہے، جیسے یہ انتخابات برطانیہ میں ہو رہے ہیں۔ مجرمانہ غفلت کی بھینٹ چڑھنے والی بینظیر سب جانتے ہوئے بھی وفاق کو بچانے اور ملک کی بہتری کے لئے آگ کے سمندر میں کود پڑیں۔ کراچی میں دھماکے کے بعد صاحبان اقتدار نے ان کے لئے کیا گیا؟ کچھ بھی نہیں...... ایسے لگتا ہے کہ کچھ افراد اس دن کے منتظر تھے، وہ دہشت گردی کا نشانہ بنیں۔ دہشت گردی سے انہیں محفوظ رکھنے کے اقدامات کس نے کرنے تھے۔ اب انکوائری کمیشن بنا دیا گیا ہے، مرحوم ذوالفقار علی بھٹو نے ایک مرتبہ تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ جس معاملے کو لٹکانا ہو، اسے کمیٹی یا کمیشن کے سپرد کیا جاتا ہے، کمیشن اب کیا کرے گا؟

راولپنڈی میں ایک ہی دن دو سابق وزرائے اعظم پر گولیوں کی بوچھاڑ کا جواب کون دے گا۔ بے نظیر کے واقعہ کو غیر ملکی دہشت گردی سے جوڑنے کی کوششیں ہو رہی ہیں، لیکن نواز شریف پر گولیاں برسانے اور چار معصوم لوگوں کو خون میں نہلانے کے واقعہ کو کس دہشت گردی سے جوڑا جائے گا۔ کیا کمیشن دونوں واقعات کو سامنے رکھ کر انکوائری کرے گا؟ سب جانتے ہیں

Marfat.com

ایسا نہیں اس ملک میں ایسے کھیل کھیلے جاتے رہے ہیں، لیکن شاید یہ جانتے ہوئے بھی کہ بوائی کے بعد کٹائی کا وقت بھی آتا ہے اور کانٹے کو وہی کچھ ملتا ہے، جو بویا جاتا ہے کوئی سنجیدہ نظر نہیں آتا۔ کمیشن اس کی بھی انکوائری کرے گا کہ القاعدہ کی طرف سے بینظیر بھٹو کے قتل کی ذمہ داری قبول کی گئی ہے، لیکن دنیا کی سب سے باخبر طاقت امریکہ نے اس پر شبہ کا اظہار کیا ہے۔ القاعدہ کے اس بیان پر امریکہ کا ردعمل بھی اس خبر کا حصہ ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو کو اس دنیا سے بھیجنے کے بعد اس عمل کے ذمہ دار سمجھتے تھے کہ بھٹو خاندان ختم ہو گیا لیکن بیٹی نے ثابت کر دیا کہ وہ بہادر باپ کی بہادر بیٹی ہے۔ وہ باپ کی طرح کسی خوف کو خاطر میں نہیں لائیں۔ ان کا ہر قدم اس شعر کی تعبیر تھا کہ:

جس دھج سے کوئی مقتل کو گیا
وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے
اس جان کی کوئی بات نہیں

انکوائری کمیشن اس کی بھی تحقیقات کرے گا کہ انتخابی مہم، سرگرمیاں، جلسے اور حملے صرف بے نظیر پر اور آخر میں نواز شریف بھی نشانہ، آخر کیوں تمام خطرات کے باوجود بینظیر نے اس ملک کی بہتری کیلئے بندھے ہاتھوں سے بھی الیکشن میں حصہ لینے کا اعلان کیا۔ ان کا یہ فیصلہ اس امر کا متقاضی نہیں تھا کہ ان کی جان کی حفاظت کی جائے۔ کیا ملک میں سرکاری مشینری کی اتنی کمی تھی کہ وہ ایک محب وطن، وفاق کی علامت اور ملک کی غریبوں کی ہمدرد کی حفاظت کی جا سکتی۔ ان کی زندگی میں پیپلز پارٹی کے کارکن ان کے شیدائی نظر آتے تھے لیکن ان کی اچانک ناگہانی موت پر وہ لوگ بھی آنسوؤں سے روئے جنہوں نے شاید کبھی زندگی میں ووٹ بھی نہیں ڈالا تھا۔

دہشت گرد کوئی بھی ہوں ان کی یہ سوچ بھی غلط ثابت ہو جائے گی کہ بینظیر کی موت کے بعد بھٹو خاندان ختم ہو چکا ہے۔ اب ان کے پاس ذوالفقار علی بھٹو مرحوم اور بینظیر بھٹو مرحومہ کے نقش قدم پر چلنے کے سوا رہ بھی کیا گیا ہے۔ اس ملک میں انتخاب کا کھیل جسے خونی بنا دیا گیا ہے صرف اور صرف بھٹو خاندان ہی اس پر پورا اتر سکتا ہے کیونکہ بینظیر کا حوصلہ اور زندگی میں کیے گئے

Marfat.com

بہادری کے اقدامات اور ان کی روح پکار رہی ہے کہ:

یہ بازی خون کی بازی ہے
یہ بازی تم ہی ہارو گے
ہر گھر سے بھٹو نکلے گا
تم کتنے بھٹو مارو گے

...... ☆ ...... ☆ ...... ☆ ......

(تنویر زیدی)

Marfat.com

تاج اچھالے جائیں گے......
بھٹو خاندان کا ایک اور چراغ بجھ گیا

بھٹو خاندان کے آخری چراغ بینظیر بھٹو کو بھی ملائیت اور ریاستی اشرفیہ نے گل کر دیا جس پر عوام آج دکھ، درد اور افسوس کے ساتھ سخت غصے میں ہیں جبکہ حکمران یقیناً آج رات جشن منائیں گے کیونکہ پاکستان کے حکمرانوں نے غریب اور محنت کش عوام کی طبقاتی جدوجہد اور 67،68 کے انقلاب کی تمام نشانیاں مٹانے کی یہ بھیانک سازش کی ہے جس میں ریاستی ایجنسیاں، افسر شاہی، ملائیت، سرمایہ دار اور جاگیردار حکمران شامل ہیں۔

پیپلز پارٹی پاکستان میں ایک عوامی آواز اور سوشلسٹ انقلاب کا نام اور علامت ہے جس کی قائد آج بے نظیر تھیں۔ جن کے قاتل پر عوام کی موجودہ نظام اور حکمرانوں کے ظلم کے خلاف نفرت پھٹ پڑی ہے وہ سڑکوں، بازاروں اور گلی کوچے مین سراپا احتجاج بن گئے ہیں۔ عوام اپنی طاقت کا اظہار کر رہی ہے اور اپنی قائد کے قتل کا حساب لینے میدان عمل میں کود پڑی ہے۔

انقلاب کی خوشبو ایک بار پھر پھیل رہی ہے مالیاتی نظام اور اس کو تحفظ دینے والی ریاست ہوا میں معلق ہو گئی ہے۔ عوام کا غصہ اور نفرت بھپر گئی ہے۔ کئی جیلوں کو توڑ دیا گیا ہے اور قیدی رہا ہو گئے ہیں۔ سڑکوں بازاروں میں آگ اور خون کا کھیل شروع ہو چکا ہے جو موجودہ حکمرانوں اور ریاستی اشرفیہ نے شروع کیا ہے جبکہ عوام آج وہ کچھ کر رہے ہیں جو ان کے اندر ہے جو ان کو حکمرانوں نے دیا ہے۔ غربت، بھوک، افلاس، مہنگائی اور اذیتی زندگی اور ان حالات میں امن، استحکام، صبر، تہذیب، نہیں پلتے۔ آج سرراہ جو کچھ نظر آ رہا ہے یہ تنگ معاشی حالات سے عوام ذہنی کھچاؤ اور اپنے موجودہ حالات اور نظام سے بغاوت ہے لیکن حکمران ان حالات کو مکمل طور پر اپنے حق میں استعمال کرنے کی کوششیں کریں گے اور اپنی اپنی دکانداری چلانے کی کوششیں

Marfat.com

کریں گے اور موجودہ حکومت اور اس کے اہلکار بھی اپنی آمریت کو جلا دیں گے اور عوام کے حقوق اور مفادات پر مزید حملے کرنے کی بھرپور کوششیں کریں گے اور عین ممکن ہے کہ کل تک یا جلد پریس پر پابندی اور فوج کو شہروں کا کنٹرول دے دیا جائے اور ایمرجنسی کا اعلان کر دیا جائے یہ حکمران عوام کی قائد کی اس لاش پر بیوپار کریں گے۔ دہشت گردی کے خلاف لڑائی کے نام پر یورپ اور امریکہ سے امدادا اور خیرات حاصل کر کے اپنی تجوریاں بھریں گے۔ کیونکہ یہ بزنس کرنا جانتے ہیں۔ زندگی پر یا موت پر ان کو عوام سے عوام کی خواہشوں اور عوام لیڈر سے کیا دلچسپی ہوگی یہ تو انہی کی تباہی اور موت پر اپنے سرمایوں میں اضافہ کرتے ہیں۔ یہی سرمایہ داری اور سامراجیت کی خصوصیت اور بنیادی احساس ہے جو صرف اور صرف سوشلسٹ انقلاب پر ہی دم توڑے گی۔ لیکن عوام کو اس سے سیکھتے ہوئے انتخاب نہیں بلکہ انقلاب کی طرف بڑھنا ہوگا تب ہی قائد کے خون کا حساب لیا جا سکتا ہے۔ آگ خون بدمعاشی اور قتل کی سیاست کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن کیا جا سکتا ہے جو پاکستان کی فوجی اور ریاستی افسر شاہی نے امریکہ سے مل کر افغانستان میں روس کے خلاف جہاد کے نام پر شروع کی تھی یہ اسی کا خمیازہ ہے جو آج بھی پاکستان کی عوام بھگت رہی ہے اور جب تک امریکہ اور اس کا ایجنٹ سرمایہ دار نظام قائم ہے بھگتی رہے گی۔

ذوالفقار علی بھٹو اور اس کے تمام خاندان کو عوام کا ساتھ دینے اور ملک میں عوام کو سرمایہ داری، جاگیرداری اور سامراج کے خلاف سوشلزم کا شعور دینے کی سزا دی گئی ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کے پہلے عوامی حکمران تھے جنہوں نے امریکہ کو سرعام سفید ہاتھی کہا تھا جس کے دانت کھانے کے اور، اور دکھانے کے اور، کو بڑی دلیری سے ثابت کیا تھا۔ بھٹو پاکستان کی تاریخ میں پہلے منتخب عوامی وزیراعظم تھے جنہوں نے سرمایہ داری، جاگیرداری اور سامراج پر عملی کاری ضربیں لگائیں، صنعتوں اور بنکوں کو سرمایہ داروں سے چھینا، بہت سارے جاگیرداروں کو ان کی جاگیروں سے بے دخل کیا، ٹریڈ یونین اور مزدوروں کے مفادات کو قانونی تحفظ دیا، ملازمین کو عید کی دو تنخواہیں دی گئیں، طالب علموں کی فیسوں اور بسوں میں کرایہ معاف کیا اور یہ نعرہ دیا گیا کہ ۔

مانگ رہا ہے ہر انسان روٹی کپڑا اور مکان۔

پیپلز پارٹی کا سوشلسٹ منشور بنا کر عوام سے یہ وعدہ کیا گیا کہ پیپلز پارٹی کا مقصد

Marfat.com

طبقات سے پاک غیر طبقاتی سماج ہے۔ جس میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہوں، جمہوری سیاست اور سوشلسٹ معیشت ہوگئی ہیں...... یہی غلطی تھی ذوالفقار علی بھٹو کی جس کی سزا آج تک جاری تھی اور یہ سزا اس لئے بن گئی کہ بھٹو نے اپنے اور عوام کے دشمنوں کو معاف کر دیا تھا اور ان کو چھوڑ دیا۔ سرمایہ داری میں عوام کے لئے سوشلسٹ اصلاحات تو کی گئیں لیکن نظام نہ بدلا۔

ریاستی طاقت انہی عوام دشمن اداروں کے پاس رہی جن کے پاس پہلے تھی جو کہ عوام اور مزدوروں کے جمہوری کنٹرول میں نہ دیا گیا، جاگیروں کو مزاروں میں مکمل تقسیم نہ کیا گیا، جاگیروں کو مزاروں میں مکمل تقسیم نہ کیا گیا، سامراج کے سرمایے کو ضبط نہ کیا گیا، اور قرضے واپس دینے سے انکار نہ کیا گیا، سرمایہ داروں جاگیرداروں اور ان کی محافظ فوج کی جگہ عوامی فوج نہ بنائی گئی دولت مندوں کے سرمایہ کو ضبط کر کے اس کو محدود کرنے کی کوئی پالیسی نہ بنائی گئی اور یہی چند لیکن بڑی غلطیاں تھیں جو بھٹو کے خلاف سازشیں کرنے کا موقع دیا اور دوبارہ حکومت میں آنے کا راستہ فراہم کیا۔ کہتے ہیں ''سانپ کو پہلے چھیڑو مت چھیڑو تو پھر چھوڑو مت'' کیونکہ زخمی ہونے کے بعد جب وہ دوبارہ صحت مند ہو گیا تو پھر وہ تم کو کبھی نہیں چھوڑے گا اور ایسا ہی ہوا اور آج ان سانپوں کا آخری وار تھا جو اس نے عوام کے خلاف کیا لیکن جب تک پیپلز پارٹی ہے یا اس کا وجود ہے یہ سرمایہ دار جاگیردار حکمرانوں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح چبھتی رہے گی اور ان کے نظام کو چیلنج کرتی رہے گی۔

عوام کچھ بھولے نہیں انہیں سب یاد ہے ہر ظلم، ہر زیادتی، ہر قتل، ہر دکھ اور درد، ہر بیماری، ہر مجبوری لیکن اب یہ ان سب کا حساب لیں گے کیونکہ ظلم کب تک رہ سکتا ہے...... فیض نے کہا تھا۔

ہم بھی دیکھیں گے
وہ دن کہ جس کا وعدہ ہے
جب تاج اچھالے جائیں گے
تخت گرائے جائیں گے

(معظم کاظمی)

Marfat.com

شہید بینظیر بھٹو تجھے قوم کا سلام

آخر کار محترمہ بے نظیر بھٹو جمہوریت کی بقاء کی خاطر شہید ہو گئی ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' یہ عظیم عالمی لیڈر خود تو اس جہان فانی سے رخصت ہو گئیں لیکن پاکستان کے غریب عوام کو بے سہارا اور یتیم بنا گئیں۔ اب پوری قوم کی نظریں نواز شریف پر جمی ہیں۔ حکومت جس نے کبھی کسی معاملے میں اپنی ذمہ داری قبول نہیں کی اب اسے چاہئے کہ وہ نواز شریف اور دوسرے سیاسی لیڈروں کی سکیورٹی کو یقینی بنائے۔ کاش بینظیر بھٹو کو وہ سکیورٹی آلات فراہم کر دیئے جاتے جن کا مطالبہ وہ پاکستان آمد اور اٹھارہ اکتوبر کے خودکش حملے کے بعد سے کر رہی تھیں۔ امریکہ نے ہمیں کئی بلین ڈالرز امداد کے طور پر دیئے۔ کیا اس رقم میں سے ہم اپنے قیمتی سیاسی لیڈروں کی سکیورٹی کے آلات بھی نہیں خرید سکتے؟ ذوالفقار علی بھٹو کی پنکی بینظیر بھٹو ہمیشہ کہتی تھیں کہ وہ گیدڑ کی بجائے شیر کی زندگی جینا پسند کریں گی اور واقعی وہ شیرنی بن کر ہمارے سامنے آئیں اور اصول کی جنگ لڑتے ہوئے جام شہادت پی گئیں۔ بینظیر بھٹو اور ذوالفقار علی بھٹو کی موت میں یہ فرق ہے کہ بھٹو شہید کی موت پر ان کے دشمنوں نے باقاعدہ جشن منایا تھا لیکن بینظیر بھٹو کی موت پر ہر طرف سوگ کا سماں ہے، ہر آنکھ اشک بار ہے، ان کے سیاسی دشمن بھی ان کی موت کا افسوس کر رہے ہیں۔ بینظیر کی شہادت نے پورے ملک میں صف ماتم بچھا دی ہے ہر دوسرے گھر سے رونے کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ انہیں ایسا لگ رہا ہے جیسے کوئی اپنا ان سے بچھڑ گیا ہو۔ بینظیر بھٹو جنہیں مشرق کی بیٹی کا خطاب ملا تھا، انہوں نے اس خطاب سے انصاف کیا اور عورت کی بہادری اور عزم کی ایک نئی مثال قائم کی۔ ان کی موت پر پوری دنیا کا میڈیا ان کی خبر دکھانے کے لئے cease ہو گیا۔ بینظیر بھٹو پاکستان کا نام روشن کرنے والی عالمی لیڈر تھیں۔ آکسفورڈ اور ہاورڈ یونیورسٹی کی تعلیم یافتہ بینظیر بھٹو پکی اور سچی مسلمان تھیں اور خدا کی ذات پر کامل یقین رکھتی تھیں۔

Marfat.com

وہ کبھی بھی موت سے خائف نہ تھیں وہ زندگی کو اللہ کی امانت اور موت کو برحق قرار دیتی تھیں۔ دال اور روٹی ان کی پسندیدہ غذا تھی۔ وہ اپنے والد شہید بھٹو کی لاڈلی بیٹی اور سیاسی وارث تھیں۔ اپنی چھوٹی سی زندگی میں انہوں نے بے پناہ دکھ دیکھے۔ ان کے ایک بھائی کو زہر دے کر قتل کر دیا گیا دوسرے بھائی کو ان کی اپنی حکومت میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ان کے والد کو ایک ناکردہ جرم کی پاداش میں تختہ پر لٹکا دیا گیا۔ ان کے شوہر کو آٹھ سال تک بغیر جرم کو ثابت کیے جیل میں رکھا گیا۔ ان کی والدہ محترمہ نصرت بھٹو اپنی خاندانی ٹریجڈی کے پیش نظر اپنی ذہنی صحت برقرار نہیں رکھ سکیں۔ بینظیر بھٹو نے جلاوطنی میں رہ کر اپنی پارٹی کو چلایا اور ساتھ ہی ایک سنگل پیرنٹ بن کر اپنے تین بچوں کی پرورش کی۔ اس خاتون آہن پر ہماری قوم جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔ آج ہمارے سر شرم سے جھک جانے چاہئیں کہ ہم ایک عورت کی حفاظت نہ کر سکے۔ آخر پھر ہم اپنے ملک کی حفاظت کس طرح کریں گے؟ ہمارے دشمن ہماری اس کمزوری کا فائدہ اٹھانا چاہیں گے اس لئے ضروری ہے کہ ہم خواب خرگوش سے بیدار ہو کر اپنے ملک اور نیوکلئیر پروگرام کی بھرپور حفاظت کریں۔ امریکی اور یورپی میڈیا اس وقت پاکستان کی کمزور قیادت اور سیاسی قیادت کے بحران کا ڈھنڈورا پیٹ رہا ہے۔ اب پوری قوم کو اپنی فوج کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا ہے اور ملک کی سلامتی کے لئے کام کرنا ہے۔ ایم کیو ایم کے لیڈر الطاف حسین نے ماتمی انداز میں ٹی وی پر نمودار ہو کر بینظیر بھٹو کے قتل کی شدید مذمت کی اور کہا کہ ذوالفقار علی بھٹو کی شہادت کے بعد ان کی بیٹی بھی شہید ہو گئیں انہوں نے برملا بھٹو اور بینظیر بھٹو کو شہید قرار دیا۔ انہوں نے معذرت چاہتے ہوئے کہا کہ پنجاب میں لیاقت علی خان کے بعد دو اور سندھی، ذوالفقار علی بھٹو اور بینظیر بھٹو کو قتل کر دیا گیا۔ آج ہر طرف یہاں تک کہ مغربی میڈیا بھی بینظیر بھٹو کو شہید قرار دے رہا ہے۔ بینظیر بھٹو کو ان کے والد کی آغوش میں دفن کر دیا گیا۔ یقیناً بھٹو صاحب کی روح آبدیدہ ہو کر کہہ رہی ہو گی کہ ''ظالمو تم نے میری پنکی کو بھی قتل کر دیا۔'' آخر بھٹو فیملی کا جرم کیا تھا جس کی پاداش میں ایک ایک کر کے سب کو مارا ڈالا جا رہا ہے۔ بھٹو نے پاکستانی قوم کو اس کا تشخص دیا ہر شخص کو جینے کا انداز سکھایا غریبوں اور مجبوریوں کا دامن تھاما ان کے سروں پر سایہ ہے۔ انکی بیٹی بھی غریب بچاؤ مشن لے کر وطن واپس آئیں۔ انہوں نے ملک سے دہشت گردی کے خاتمے کا عزم کیا۔ جمہوریت کو

Marfat.com

وہ صرف ایک فرد کو نہیں ایک عہد کو، ایک ادارے کو قتل کر رہا ہے۔ جمہوریت، سیاسی جدوجہد، اعتدال پسندی، تہذیب وثقافت کی اعلیٰ اقدار کا کون بہا رہا ہے۔ پورا ملک مایوسیوں میں ڈوب گیا ہے۔ گاڑیاں، دکانیں جل رہی ہیں۔ بینظیر بھٹو کے عقیدت مند ماتم کر رہے ہیں، سکتے میں ہیں، انتہا پسند ملک میں یہی ہنگامے، بلوے، فساد دیکھنا چاہتے ہیں اس لئے وہ نوجوانوں کو خودکش حملوں کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ قوم کی رہنمائی کرنے، دلوں پر حکومت کرنے والی شخصیتوں کو منظر عام سے ہٹا رہے ہیں۔ آج صرف بلاول، بختاور، آصفہ ہی نہیں سیاست، جمہوریت، میانہ روی، حقیقت پسندی، تہذیب، تمدن اور ان کی معاشرتی اقدار کے دلدادگان یتیم ہو گئے ہیں۔ دنیا بھر کے مدبرین، رہنما، کی شہادت بینظیر کے المناک سانحے پر دکھ کا اظہار کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ پاکستانی قوم کے رویوں پر ماتم بھی۔ جہاں اپنے قائدین کو گولیاں ماری جاتی ہیں، پھانسی پر چڑھا دیا جاتا ہے، اظہار خیال پر پابندیاں عائد کی جاتی ہیں، عدلیہ، میڈیا جبر کا نشانہ بنتے ہیں۔ جہاں سے دنیا کو اچھی خبریں کبھی کبھار، ہلاکتوں، شہادتوں حراستوں کی خبریں اکثر ملتی ہیں۔ محترمہ بینظیر بھٹو صرف 70 روز قبل ہی آٹھ سالہ جلاوطنی ختم کر کے آئی تھیں۔ انہوں نے آتے ہوئے کہا تھا کہ میری جان کو خطرہ ہے لیکن میں اپنے وطن کے لئے، اپنے لوگوں کے لئے اپنی سرزمین پر واپس آرہی ہوں۔ ہم ڈریں گے نہیں انتہا پسندی کا مقابلہ کریں گے۔ آمریت انتہا پسندی کو جنم دیتی ہے، تحفظ دیتی ہے۔ زندگی کے ان آخری 70 دنوں میں سیکورٹی کے حوالے سے بار بار تنبیہ کے باوجود وہ جلسوں سے خطاب کرتی رہیں۔ شدت پسندی، دہشت گردی اور آمریت کو للکارتی رہیں۔ لیاقت باغ پنڈی کے جلسے میں خودکش حملے کا خطرہ ظاہر کیا گیا تھا لیکن انہوں نے اپنی جان کی پرواہ نہیں کی۔ اپنے اصولوں، آدرش، سچائی، وطن کی بقاء اور مکمل جمہوریت کی بحالی کیلئے انہوں نے اپنی زندگی کا نذرانہ پیش کر دیا۔ صرف 54 سال کی عمر میں وہ ایک شان سے اس جہان فانی سے رخصت ہوگئیں۔ ایک لافانی مقام ان کو حاصل ہوگیا۔

آج ہم سب ان کی مغفرت کیلئے دست دعا بلند کر رہے ہیں تو ہمیں یہ سوچنا ہے کہ قائد اعظم کے ساڑھے 16 کروڑ عوام کے پاکستان کو سنگین خطرات لاحق ہیں۔ معاشرے کو درپیش مسائل اور زیادہ پیچیدہ ہو گئے ہیں۔ فی الحال تو انتخابی عمل بے معنی ہو گیا ہے۔ تمام اعتدال پسندوں

Marfat.com

اور سیاسی جماعتوں کو غور کرنا چاہئے کہ غیر سیاسی، غیر جمہوری عناصر معاشرے پر اپنی گرفت مضبوط کر رہے ہیں۔ وہ جہاں جو چاہیں کرسکنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ بہت سے دوسرے عوامی رہنماؤں، دانشوروں کو بھی دھمکیاں مل چکی ہیں وہ بھی دہشت گردوں کی ہٹ لسٹ پر ہیں۔ کیا پاکستانی معاشرہ یونہی بے بس خاموشی تماشائی بنا حقیقی دشمن کا تعین کئے بغیر روایتی تضادات میں الجھا رہے گا۔ کیا سب پاکستانیوں کو حقیقی جمہوریت کے قیام، جمہوری اداروں کے استحکام، انتہا پسندی کے خاتمے کے لئے اتفاق رائے قائم نہیں کرنا چاہئے۔ مصلحت کو خیر باد نہیں کہنا چاہئے۔ معصوم لوگوں کا خون بہانے والوں کے خلاف متحد ہو کر کاروائی نہیں کرنا چاہئے، شدت پسند پاکستان سمیت پورے عالم اسلام کو دانش، تدبر اور حکمت سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ بہت خون بہہ چکا، بہت تباہی بربادی ہو چکی، مذہب کے نام پر انسانیت کو بہت کچلا جا چکا۔ محترمہ بینظیر بھٹو کیلئے ان کے پروکاروں، جمہوری کارکنوں کا بہترین خراج عقیدت یہی ہوسکتا ہے کہ سب مل کر ایسی حکمت عملی اختیار کریں۔ جس سے مزید نوجوان انتہا پسندی کا ایندھن نہ بنیں۔ دہشت گردوں کے سرپرست ہمارا مستقبل ہم سے چھیننا چاہتے ہیں۔ آیئے ان بے چہرہ، بے نام، دشمنوں کی طاقت کا ادراک کریں یہ انسانیت، تہذیب تمدن، زندگی کی خوشبوؤں کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ ہم ایک دوسرے کو اپنا دشمن سمجھ رہے ہیں۔ آپس میں لڑ رہے ہیں جس سے یہ طاقتور ہو رہے ہیں۔ اسٹیبلشمنٹ اور عوام ان مملکت دشمنوں کا مقابلہ اسی وقت زیادہ اعتماد اور قوت سے کرسکتے ہیں جب سازگار ماحول میسر ہو۔ ماحول آزاد اور ذمہ دار عدلیہ میڈیا، سے سازگار ہوسکتا ہے۔ مملکت کا ہر ادارہ اپنا اپنا فرض پوری آزادی اور ذمہ داری سے انجام دے۔ محترمہ بینظیر بھٹو کی شہادت کی صورت میں پاکستانی قوم نے بہت بڑی قربانی دی ہے جس کا تقاضایہ ہے کہ اب صرف پاکستان کی بقاء کو سامنے رکھا جائے۔ حکمراں اور اپوزیشن رہنما ذاتی اقتدار اور مفادات کی خاطر ملک کو مزید خطرات سے دوچار نہ ہونے دیں۔

Marfat.com

جمہوریت کی شام غریباں

کیا جمہوریت کی بحالی کا یہی تیسرا مرحلہ تھا؟ کہ جمہوریت کی خاطر بھٹو خاندان جسے داستان عبرت بنا کر رکھ دیا گیا تھا اس خاندان کی آمریت کے خلاف جلائی گئی مشعل جو کہ اس خاندان نے اپنے لہو سے روشن کی تھی وہ آخری مشعل بھی بجھادی گئی۔ آمریت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے اور بڑھ جائیں گے۔ یہ ملک اور اس ملک کی بقا جمہوریت میں ہی ہے لیکن جمہوریت کا چراغ گل کرنے والے کو کیا معلوم کہ یہ داستان تو رکے گی اور نہ ہی قربانیوں کا سلسلہ رکے گا۔ جمعرات کے روز جب محترمہ بینظیر بھٹو کو شہید کیا گیا تو پاکستان ہی نہیں دنیا بھر میں پاکستان اور پاکستان کے اندر جمہوریت اور امن وامان کا بھانڈا پھوٹ گیا۔ جب محترمہ کا قتل ہوا تو ذوالفقار علی بھٹو شہید کی روح پر کیا گزری ہوگی کہ پہلے انہیں محض اس جرم کی سزادی گئی کہ اس نے وطن عزیز کو پہلا آئین دیا اور ایٹم بم کی بنیاد رکھنے کی جرم کی پاداش میں پھانسی پر چڑھادیا گیا اور ان کی بیٹی کو جمہورت کے نفاذ کے تقاضوں کی سزادی گئی۔ اس خاندان کی قربانیوں کا سلسلہ کیا محترمہ بینظیر بھٹو کے قتل کے بعد رک جائے گا؟ اس قومی سانحے کے بعد دنیا بھر میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ میں نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے جو کہ قاتلوں کی آغوش میں بیٹھے ہوئے تھے اور اس سانحے کے بعد انکے دلوں سے بھی آہ اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ محترمہ جب سے پاکستان آئی ہیں ان کا استقبال دھماکوں سے ہوا ہے۔ حکمرانوں کی تمام سکیورٹی اور تمام انتظامات کہاں تھے؟ کیا حکمران اس سانحے کی ذمہ داری سے دست کش ہوسکتے ہیں۔ اسی روز جب محترمہ کی زندگی کا چراغ گل کردیا گیا اس روز محترم نواز شریف پر بھی قاتلانہ حملہ ہو۔ یہ حملے اور یہ انداز کس بات کے اشارے ہیں؟ اس ملک کی سرزمین پر تمہارے قدم ابھی نہیں پڑنے چاہئیں تھے۔ آج کبھی القاعدہ کا نام سامنے آتا ہے اور کبھی چہ میگوئیاں ہورہی ہیں لیکن یہ قتل بھی انہی لوگوں کی باقیات نیکیاں ہے جنہوں نے

Marfat.com

بھٹو کو قتل کیا تھا اس سانحے پر جس قدر بھی دکھ افسوس اور مذمت کی جائے کم ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ جس ملک میں پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان، قائداعظم محمد علی جناح غیر محسوس انداز میں قتل اور پھر ایک نہیں سینکڑوں سانحات کا علم نہیں ہو سکا۔ کیا اس طرح محترمہ بینظیر بھٹو کی شہادت کو بھی قصہ پارینہ بنا کر رکھ دیا جائے گا۔

جب سے برائے نام الیکٹرانک میڈیا نے پیمرا کے کالے قوانین کی پابندی کرتے ہوئے مناظر دکھائے ہیں اس وقت سے لیکر اب تک جو المناک، روح فرسا مناظر دکھائے ہیں دراصل محترمہ بینظیر بھٹو کے جسد خاکی نہیں تھا۔ جمہوریت کا جنازہ تھا حالانکہ جمہوریت کی بحالی کے لئے انہوں نے آمروں سے ہاتھ بھی ملانے سے گریز نہیں کیا اس سرزمین کو کتنے شہیدوں کا اور خون چاہیے کیا ملک قاتلوں دہشت گردوں کے لئے بنا تھا کہ وہ دندناتے پھریں اور کوئی ان کو لگام دینے والا نہ ہو۔ وہ جسے چاہیں جب جہاں چاہیں اور جیسے چاہیں اپنی مذموم خواہشات کی صلیب پر لٹکاتے رہیں اور عوام کی لاشیں اٹھاتے رہیں۔

موجودہ انتخابات میں کس قدر خوبصورت ماحول بنا ہوا تھا کہ ملک کی دونوں بڑی سیاسی اور جمہوری پارٹیاں جو کہ باری باری آمریت کی ڈسی ہوئی تھیں۔ آخرکار دونوں پارٹیوں نے سیاسی تشنج کی کیفیت سے باہر آ کر مل کر جمہوریت کے لئے جدوجہد کی اور جب ''میثاق جمہوریت'' کا معاہدہ تباہ ہوا تو بڑی حد تک آمریت کمزور ہو گئی تھی اور موجودہ انتخابات تک کے معاہدے کا سفر اور معاہدہ تار تار ہوا لیکن یہ بات خوش آئند تھی کہ دونوں پارٹیوں کے کارکن، عہدیدار ایک دوسرے کے خلاف زہر میں بجھی ہوئے تیروں کی نشتر زنی کی بجائے ایک دوسرے کے لئے فراخدلی کے جذبات رکھتے تھے اور مل کر ملک کو بچانے اور جمہوریت کی بحالی کرنیکے لئے پرعزم تھے۔ صرف سیاسی یتیموں کو دھچکا لگا تھا اور ان قوتوں کیلئے منظر ناقابل قبول تھا جو کہ اقتدار پر اپنی گرفت تاحیات برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ انتخابات میں دھاندلی اور امن وامان کا بھی بھانڈا پھوڑ دیا گیا اور محترمہ نے ایک نہیں سو بار اپنی جان کو خطرے سے آگاہ کیا تھا لیکن 18 اکتوبر کے فقید المثال استقبال میں بم دھماکے کے باوجود انکو جو جامر فراہم کئے گئے تھے وہ آمروں کی طرح ناقابل اعتبار اور ناقابل بھروسہ تھے جس سے انہوں نے آگاہ بھی کیا۔

Marfat.com

نہ جانے اس سانحے کی تحقیقات کا بھی وہی حشر ہوتا ہے جو پہلے سانحات کا ہوتا رہا ہے لیکن ایک بات طے ہے ان تمام سیاسی تیموں کو شامل تفتیش کیا جائے جو لیاقت باغ کے جلسے میں بم دھماکے کی اطلاع دے رہے تھے۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ہر دور کے وزراء یہ اطلاع ضرور دیتے ہیں کہ فلاح کے جلسے میں نہ جائیں کیونکہ وہاں پر خودکش بم دھماکوں کا خطرہ ہے اور یہ کہ اتنے خودکش حملہ آور فلاں علاقے میں داخل ہوگئے ہیں لیکن یہ وزراء امن وامان کے ذمہ دار اور بری خبریں دینے والے آمروں کے مخبر، ان خودکش حملہ آموروں کو گرفتار کرنے سے قاصر رہتے ہیں ایسے موقعے پر ایک ناگ کی طرف سے صوبائی تعصبات کی آگ کو ہوا دینے کی کوشش بھی قابل مذمت ہے۔ خدارا ایسے موقعے پر ملک کو بچایئے، اس ملک کو اللہ تعالیٰ سے حفظ وامان مین رکھنے کی دعائیں کرنی چاہیں کہ حالات کس نہج کی طرف جا رہے ہیں اور سندھ کی ہی نہیں ملک بھر کی عوام اس قدر جذباتی ہے کہ سندھ کے غریب، مزدور، کسانوں اور ہاریوں نے اعلان کیا ہے کہ آج کے بعد جس کے گھر میں بھی بیٹی پیدا ہو وہ اس کے نام بینظیر رکھیں گے۔ سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ ان حالات میں اگر عوام کے زخموں پر مرہم نہ رکھا گیا تو پھر کیا ہوگا؟ کیونکہ محترمہ کو چاروں صوبوں کی زنجیر بھی کہا جاتا ہے اور وہ واقعی چاروں صوبوں کی وفاقیت کنفیڈریشن کو ہر حال میں برقرار رکھنا چاہتی تھیں لیکن انہیں اس قسم کی موت دے کر کیا ان کے نام کی مالا جھپنے والے پرامن رہ سکتے ہیں اور ان حالات کی آڑ میں پاکستان کی دشمن قوتیں کیا اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل نہیں کریں گی۔ اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ ذی شعور اپنے جذبات پر قابو رکھتے ہوئے ملک کی بہتری کیلئے سوچیں اور قاتلوں کے عبرت ناک انجام دینے کے لئے دعا کریں۔ شام چھ بج کر پانچ منٹ پر جب یہ خبر سنی تو سچ پوچھیں یہ شام کا منظر، جب تاریکی پوری طرح زمین پر آمریت نما تسلط جمالیتی ہے ایک لمحے کو جمہوریت پر مسلط کی گئی شام غریباں سے بہتر کوئی اور تشبیہ ذہن میں نہیں آتی۔ شام غریباں مسلط کرنے والوں کا انجام بھی یزید سے مختلف نہیں ہوگا۔

(اسلم کھوکھر)

Marfat.com

شہید بینظیر بھٹو: منفرد سیاسی شخصیت کی مالک

پاکستان پیپلز پارٹی کی شہید چیئر پرسن بینظیر بھٹو اپنے خاندان کی تیسری فرد ہیں جن کی زندگی سیاست کی بھینٹ چڑھی ہے۔ وہ اور ان کے بھائی میر مرتضیٰ بھٹو اپنے والد ذوالفقار علی بھٹو کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سیاست میں آئے تھے اور یہی ان سب کی موت کی وجہ بنی۔ ان کے والد کو فوجی آمر جنرل ضیاء الحق نے 1979ء میں پھانسی پر چڑھایا تھا' اس کے بعد ان کے بھائی مرتضیٰ بھٹو کو 1996ء میں ان ہی کے دور حکومت میں گولیاں مار کر ہلاک کر دیا گیا اور بروز جمعرات 27 دسمبر 2007ء کو بے نظیر بھٹو کو لیاقت باغ راولپنڈی میں قتل کر دیا گیا۔

اس سے قبل ان کے چھوٹے بھائی شاہنواز بھٹو بھی 1985ء میں جنرل ضیاء الحق کے دور میں فرانس کے دارالحکومت پیرس میں اپنی قیام گاہ پر مردہ پائے گئے تھے۔ بھٹو خاندان کا الزام تھا کہ انہیں زہر دے کر قتل کیا گیا ہے۔

بھارت کے نہرو' گاندھی خاندان کی طرح' پاکستان کا بھٹو خاندان دنیا کے طاقتور ترین سیاسی خاندانوں میں سے ایک ہے۔ بے نظیر بھٹو کے والد ذوالفقار علی بھٹو 70 کے عشرے میں ملک کے وزیراعظم تھے۔ ان کی حکومت ملک کے قیام کے بعد ان چند حکومتوں میں سے ایک تھی جسے فوج نہیں چلا رہی تھی۔

بینظیر بھٹو دو بار پاکستان کی وزیراعظم بنیں۔ پہلے 1988ء میں اور پھر 1993ء میں لیکن دونوں مرتبہ ان کی حکومت کو اڑھائی سال سے زیادہ نہیں چلنے دیا گیا اور کرپشن کے الزام کے تحت برطرف کر دیا گیا۔

تاہم 1988ء میں پہلی بار وزیراعظم بننے کے بعد ان کا شمار دنیا کی چند مقبول

Marfat.com

ترین خواتین رہنماؤں میں ہونے لگا تھا اور برسر اقتدار آنے کے بعد انہوں نے خود کو مردانہ حاکمیت کی حامل پاکستانی اسٹیبلشمینٹ کے مقابلے میں ایک کامیاب سیاستدان کے طور پر پیش کیا تھا۔ لیکن دوسری بار اقتدار سے نکالے جانے کے بعد بینظیر بھٹو کے اقتدار کو ان کے مخالفین کرپشن اور بے ضابطگیوں کی حکمرانی سے تعبیر کرتے تھے۔

بینظیر بھٹو نے 1953ء میں صوبہ سندھ میں جنم لیا اور اس کے بعد ہارورڈ اور آکسفورڈ یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کی۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سیاستدان نہیں بننا چاہتی تھیں لیکن اپنے والد کی موت کے سات سالوں بعد جب انہوں نے پاکستانی سیاست میں قدم رکھا تو انہیں اپنے والد کی عوامی مقبولیت کا فائدہ پہنچا۔

جس ثابت قدمی اور ہمت کے لیے بے نظیر بھٹو شہرت رکھتی تھیں وہ سب سے پہلے اس وقت دیکھی گئی جب ان کے والد کو جنرل ضیاء الحق نے اقتدار پر قبضہ کر کے 1977ء میں جیل میں ڈال دیا تھا اور ان پر قتل کا مقدمہ بنایا تھا جس کے دو سالوں بعد انہیں سزائے موت دے دی گئی۔

جنرل ضیاء الحق کی حکومت نے بے نظیر کو ان کے والد کی موت سے پہلے قید کر دیا تھا اور انہوں نے جیل میں اپنا زیادہ تر وقت قید تنہائی میں گزارا۔ بے نظیر بھٹو نے قید کے حالات کو سخت ترین قرار دیا تھا۔

علاج کی غرض سے جیل سے رہائی کے بعد انہوں نے لندن میں پیپلز پارٹی کا دفتر قائم کیا اور جنرل ضیاء الحق کے خلاف مہم شروع کی۔ پھر وہ 1986ء میں پاکستان واپس لوٹیں جہاں ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔

1988ء میں فوجی طیارے کے حادثے میں جنرل ضیاء الحق کی موت کے بعد وہ کسی اسلامی ملک میں جمہوری طور پر منتخب ہونے والی پہلی وزیراعظم تھیں۔

بے نظیر بھٹو کے دونوں ادوارِ حکومت میں ان کے شوہر آصف علی زرداری کی حیثیت متنازعہ رہی اور ان پر بعد میں آنے والی حکومتوں نے مالی بدعنوانیوں میں ملوث ہونے کا الزام لگایا۔ بعض لوگوں نے یہ بھی الزام دیا کہ ان کی مبینہ مالی

Marfat.com

عنوانات بے نظیر بھٹو کے اقتدار کے خاتمے کی وجہ بنیں۔

بے نظیر بھٹو کو کرپشن کے کم سے کم پانچ مقدمات کا سامنا کرنا پڑا لیکن کسی بھی مقدمے میں انہیں سزا نہیں ہوئی اور اس سال اکتوبر میں انہیں قومی مصالحتی آرڈیننس کے تحت ان الزامات سے بری کر دیا گیا۔ بے نظیر بھٹو نے اپنے اور اپنے شوہر کے اوپر لگنے والے کرپشن کے الزامات کی ہمیشہ تردید کی اور انہیں ان کی کردار کشی کو سیاسی کوششیں قرار دیا۔

بے نظیر بھٹو 1999ء میں پاکستان سے باہر چلی گئی تھیں اور آٹھ سال جلاوطنی میں گزارے جس کے دوران وہ دبئی میں آٹھ سالوں تک اپنے تین بچوں کے ساتھ رہیں۔ جلاوطنی کے دوران انہوں نے اکثر مغربی ممالک کے دارالحکومتوں کے دورے کیے اور وہاں کے مختلف اداروں میں لیکچرز دیتی رہیں۔

بے نظیر بھٹو جلاوطنی ختم کر کے اٹھارہ اکتوبر کو وطن واپس لوٹی تھیں۔ ان کی آمد سے قبل ملک کے فوجی صدر پرویز مشرف نے متنازعہ قومی مصالحتی آرڈیننس جاری کر کے ان کے خلاف قائم کرپشن کے مقدمات ختم کر دیئے تھے۔ مبصرین کے بقول پرویز مشرف کی فوجی حکومت انہیں انتہا پسندوں کے خلاف جنگ میں اپنا فطری اتحادی سمجھتی تھی۔

اٹھارہ اکتوبر کو بے نظیر بھٹو جب پاکستان واپس آئیں تو کراچی میں ان کی آمد پر ایک بار پھر انسانوں کے سمندر نے ان کا استقبال کیا۔ لیکن ان کے جلوس پر خودکش حملہ ہوا جس میں وہ محفوظ رہیں۔ تاہم ڈیڑھ سو کے قریب لوگ مارے گئے اور پانچ سو سے زائد شدید زخمی ہوئے تھے۔

اس واقعے کے بعد انہوں نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ انہیں وطن واپس آنے سے پہلے اس خطرے کا علم تھا کہ ان پر حملہ ہوسکتا ہے لیکن وہ جمہوریت اور ملک کے عوام کی خاطر وطن واپس آئیں۔

(احمد رضا' بی بی سی لندن)

Marfat.com

ایک اور بھٹو کا قتل

آج راولپنڈی کی ایک سڑک پر ایک اور بھٹو کو مار دیا گیا۔ پاکستان کی تاریخ جہاں مختلف جرنیلوں کے مارشل لاز کے ادوار میں تقسیم ہے تو وہیں بھٹو خاندان کے افراد کے خون سے بھی رنگی ہوئی ہے۔

پچھلے تیس برسوں کے دو مارشل لاء' چار جمہوری دور' دو صدارتی ریفرنڈم اور کئی بدنام زمانہ آئینی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ ملک کی کم سے کم دو نسلیں ایک نہیں بہت سی بے نظیروں کے ساتھ جوان ہوئی ہیں۔

جب جنرل ضیاء کے مارشل لاء کے زخم ابھی نئے اور ہرے تھے تو بے بس کارکن بس احتجاج کرتے اور روتے' اور نصرت بھٹو' بے نظیر بھٹو کو دیکھ کر ہی زندہ تھے پھر ایک لمبے عرصے تک بے نظیر دبے اور دبائے ہوئے سیاسی کارکنوں کے لیے ایک امکان بنی رہیں جو 1986ء میں ایک امید بن کر لاہور کے ایئر پورٹ پر پہنچیں۔

سیاسی لوگ وہ دن یاد کر کے آج بھی کچھ دیر کو اپنا دل بہلا لیتے ہیں۔ جنرل ضیاء کے نو سال جھیلنے کے بعد ایک مسکراتی' ہاتھ ہلاتی بے نظیر جب سڑکوں پر نکلی تھی تو ہر ایک نے کم سے کم ایک بار یہ ضرور سوچا تھا کہ اب تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

جنرل ضیاء کی اچانک ہلاکت کے بعد یہ امید اور بھی زور پکڑ گئی اور اب بے نظیر 1988ء کی پن اَپ رہنما بن کر ابھریں اور کچھ ہی دنوں میں وہ آصف علی زرداری کے ہمراہ ایک حکمران نظر آئیں۔ سندھی اجرک میں ہاتھ ہلاتی بے نظیر کی جگہ اب ایک بہت محتاط اور اپنے امیج سے بہت باخبر بے نظیر نے لے لی۔ اب وہ وزیراعظم بے نظیر تھیں۔

Marfat.com

پھر پاکستان کی تجربہ کار اور ہردم متحرک اسٹیبلشمنٹ نے کروٹ لی اور 88 کی کوری اکینو کو نوے کی امیلڈا مارکوس بنا کر پیش کیا گیا۔ جیالوں نے پھر سے نعرہ لگایا کہ فوج نے چلنے نہیں دیا۔ بے نظیر پھر سے سڑکوں پر تھیں اور کارکنوں کے ساتھ لانگ مارچ نے پھر سے کچھ کا دل گرمایا۔

93 کے انتخاب کے نتائج کے بعد ایک بار پھر بہت سوں کی صلح کے برعکس بے نظیر نے 'جواب ''وزیراعظم بے نظیر'' کے نعروں کی بازگشت سننے کی عادی ہو چکی تھیں اسلام آباد میں گھر بنایا۔ یہ عجیب دور تھا۔ اب سب نے ایک ایسی بے نظیر کو دیکھا جو ایک فیملی فکر تھیں۔ اسٹیبلشمنٹ سے ٹکراؤ کے تجربے کی جھلک بھی دکھائی دی تو خود اسٹیبلشمنٹ کا حصہ بھی نظر آئیں۔

بھٹو خاندان اور پاکستانی اسٹیبلشمنٹ کے بیچ لو' ہائی کے اس تاریخی ریلیشن شپ نے جب ایک اور موڑ لیا تو ایک طرف بے نظیر اپنی ہی پارٹی کے صدر کے ہاتھوں پھر سے اقتدار سے باہر ہوتی ہوئی نظر آئیں تو دوسری طرف کراچی کے مڈایسٹ ہسپتال کے باہر آدھی رات کو ننگے پاؤں زاروقطار روتی ہوئی بے نظیر کو بھی تو سبھی نے دیکھا تھا جو کبھی تو ایک بے بس وزیراعظم نظر آتی تھیں تو کبھی غم سے نڈھال بہن۔

مرتضیٰ بھٹو کی ہلاکت اور خاندان کی تقسیم کے بعد بے نظیر بہت عرصے تک بیک فٹ پر رہنے کے بعد وہ پھر نواز شریف کے ہمراہ لندن میں چارٹر آف ڈیموکریسی پر دستخط کرتی نظر آئیں اور اس کے بعد سے وہ بس میڈیا پر چھا گئیں۔

جنرل مشرف کے ساتھ پہلے مفاہمت اور پھر انہیں چیلنج کرنے اور ملک کی اہم جماعتوں کو الیکشن کے بائیکاٹ سے روکنے کے بعد بے نظیر اس وقت کے پاکستان کی سیاست میں کلیدی رول ادا کر رہی تھیں اور الیکشن کے بعد کسی صورتحال میں بھی توقع تھی کہ ان کا سیاسی کردار اہم رہے گا۔

(مظہر زیدی' BBC لندن)

Marfat.com

بےنظیر شہادت پر بی بی سی کی رپورٹ

بےنظیر بھٹو کو کس نے شہید کیا؟ ان کے اصل قاتل کی شناخت کبھی معلوم ہو بھی گئی تو وہ ایک ایسا شخص ہوگا جس کے بارے میں زیادہ تر لوگوں نے کبھی نہیں سنا ہوگا۔ بی بی سی کے مطابق اہم بات یہ ہے کہ اس کو بھیجنے والے کون تھے اور انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ پاکستان میں جہاں افواہوں کا بازار گرم ہے اس وقت دو متضاد آراء گردش کر رہی ہیں۔ ایک رائے حکومت کی طرف سے پیش کی گئی ہے کہ قاتل القاعدہ یا طالبان یا دونوں تھے۔ یقیناً رش والی جگہ پر خودکش حملہ القاعدہ کا پسندیدہ طریقہ ہے لیکن اس بار حملہ آور نے ناکامی کا امکان ختم کرنے کے لیے اپنے آپ کو اُڑانے سے قبل فائرنگ بھی کی۔ القاعدہ اور طالبان کے پاس بےنظیر بھٹو کو مارنے کی کئی وجوہات تھیں۔ سیکولر' مغرب میں تعلیم یافتہ اور ایک ایسی خاتون سیاستدان کی حیثیت سے جس کے برطانیہ اور امریکہ سے قریبی تعلقات تھے وہ اسلامی انتہا پسندوں کو مخالفت کی کئی وجوہات فراہم کرتی تھیں۔ اگر اس واقعے کے پیچھے القاعدہ کا ہاتھ ہے تو ان کے طریقہ کار کے مطابق وہ کنفیوژن' میں اضافے کے لیے کچھ دیر رکنے کے بعد انٹرنیٹ پر ایک محتاط بیان جاری کرتی ہے جس میں خودکش حملہ آور کی تعریف اور حملے کی وجوہات کو مذہبی اصطلاحات میں پروکر پیش کیا جاتا ہے۔ دوسری رائے جو محترمہ بےنظیر کے حامیوں کے نزدیک درست ہے' وہ یہ ہے کہ حملے کی ذمہ دار صدر مشرف کی حکومت ہے۔ وہ خاص طور پر آئی ایس آئی کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو ان کے مطابق بےنظیر بھٹو کی اقتدار میں متوقع واپسی سے اتنی پریشان تھی کہ

Marfat.com

اس نے انتہائی قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اس رائے کو لوگ جتنے بھی اعتماد سے پیش کریں اس کو سچ ثابت کرنے کے لیے آزاد شواہد نہیں ہیں اور مکمل طور پر شفاف اور غیر جانبدار انکوائری کے بغیر حقیقت شاید کبھی بھی معلوم نہ ہو سکے۔ پاکستانی سیاست کے جنگل میں بہت سے ایسے اسلامی عسکریت پسند گروپ ہیں جن کا تعلق نہ القاعدہ سے ہے اور نہ حکومت سے لیکن اس کے باوجود کسی ایک سے یا دونوں سے روابط ہیں۔ آئی ایس آئی نے ایک طویل عرصے تک افغانستان میں طالبان اور کشمیری علیحدگی پسندوں کی حمایت کی۔ صدر مشرف نے امریکہ کو قائل کرنے کے لیے بہت کوششیں کی ہیں کہ انہوں نے آئی ایس آئی میں ایسے عناصر کو ختم کر دیا ہے جن کے دہشت گرد تنظیموں کے ساتھ تعلقات تھے لیکن پھر بھی بہت سے لوگوں کو شک ہے کہ ابھی پرانے رابطے پوری طرح ختم نہیں ہوئے۔ آنیوالے دنوں میں پاکستانی داخلی صورتحال کا دارومدار اس پر ہوگا کہ آیا کہ حملہ آور کو پاکستان میں سے ہی بھیجا گیا تھا یا باہر سے۔ اگر تو اس میں القاعدہ یا طالبان ملوث ہیں تو یہ معاشرے کو اکٹھا کرنے میں مددگار ہوگا جو ایک قومی رہنما کے قتل پر غمگین ہے۔ دوسری صورت میں اگر قاتل پاکستانی معاشرے کے کسی ایک دھارے کا حصہ نکلے تو حالات مزید خراب ہو سکتے ہیں۔

Marfat.com

تم کتنے بھٹو مارو گے؟

بھٹو کو لاڈلی بیٹی 28 سال بعد ملی ہو گی تو دونوں کو کتنی خوشی ہوئی ہو گی۔ یہ الگ بات ہے کہ بیٹی کو خون میں رنگا ہو دیکھ کر شاید اس کے آنسو نکل آئے ہوں کہ اولاد اور والدین کا رشتہ کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ رسول بھی اس سے محفوظ نہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے ابراہیمؑ کی میت دیکھی تو رو پڑے کہنے لگے ''بیٹے بڑا دکھ دے کر جا رہے ہو'' باپ اپنی بیٹی سے مل کر یقیناً خوش ہوا ہو گا کہ زندہ رہی تو بھی اپنے باپ کا پرچم ہی اٹھائے رکھا' ہرے' لال' کالے تین رنگوں پر مشتمل پرچم جو اسلام' جمہوریت' انسانی مساوات کا نشان تھا..... اور کل شام جب اپنے باپ کے ہمسائے بنی اپنی قبر میں اتری تو اسی پرچم میں لپٹی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی زندگی اپنے باپ کے مشن کیلئے وقف کیے رکھی اور موت کو بھی باپ کی پیروی میں اس طرح گلے لگایا کہ ہمیشہ کیلئے زندہ ہو گئی....... شہید باپ کی شہید بیٹی.... شہید تو زندہ ہوتے ہیں....... عند ربھم یرزقون سوافسوس کیسا؟ دکھ کیسا؟ ماتم کیسا؟...... آصف زرداری کو کیا پرسہ دوں؟ صنم بھٹو سے اس کی ماں جائی کا کیا افسوس کروں؟ بلاول' بختاور اور آصفہ کے ماں کی میت پر بہنے والے آنسو کیا پونچھوں؟ بیگم نصرت بھٹو کو کیا بتاؤں کہ ان کی چہیتی پنکی ان کے شہزادے بیٹوں اور بادشاہ شوہر کے پاس چلی گئی ہے۔ یوں بھی بینظیر بھٹو کو اپنے انجام کا پتا تھا اس نے یہ راہ خود منتخب کی تھی۔

اسلام تو حالتِ جنگ میں بھی عورت پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا یہ کیسے مسلمان ہیں جو ایک نہتی عورت کو مارنے کے بعد خوشی کر رہے ہیں؟ اس ''عظیم کارنامے'' کا کریڈٹ لے رہے ہیں' خود کو اسلام کے ٹھیکیدار قرار دے رہے ہیں...... حسینؓ کا سر کاٹنے والے بھی اسلام کے دعویدار تھے' عبداللہ بن زبیرؓ کو قتل کر کے ان کا سر سرِ عام لٹکانے والے بھی کافر نہیں تھے' امام مالکؒ کو درّے مارنے والا بھی کوئی غیر مسلم نہیں تھا' امام ابوحنیفہؒ کو زہر دینے والے پر بھی کسی نے کفر کا فتویٰ نہیں لگایا۔ بھٹو کی گردن میں پھانسی کا پھندا تو تارا مسیح نے لگایا لیکن پس پردہ قاتل ہاتھ

Marfat.com

وہ جج جنہوں نے فیصلہ لکھا' وہ جرنیل جس نے سزا کی توثیق کی' وہ لیڈر جنہوں نے پھانسی کے حکم کی توثیق کرنے والا قلم تبرک کے طور پر محفوظ کرلیا' موت پر حلوے بانٹے' سب مسلمان ہی تھے لیکن آج وہ اور ان کے وارث سب لوگ روتے ہیں اپنی غلطی کو مانتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ غلطی کی تصحیح نہیں کی بلکہ ایک عورت کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگین کرلیا ہے۔ لیکن قدرت کا انصاف دیکھیں کہ جو لوگ زندگی بھر اس کے اسلام کے مشکوک گردانتے رہے مرنے کے بعد سب اس کو شہید کہہ رہے ہیں۔

ہے یہ ان کی زندگی کے روگ کا کوئی علاج
ابتدا سے ہی ہے شاید شہر والوں کا مزاج
اپنے اعلیٰ آدمی کو قتل کرنے کا رواج
مارنے کے بعد اس کو دیر تک روتے ہیں وہ
اپنے کردہ جرم سے ایسے رہا ہوتے ہیں وہ

بینظیر بھٹو کے سر میں گولی مارنے والا یقیناً کلمہ گو ہی ہوگا۔ لیکن اس نے شاید کبھی نہیں سوچا کہ جب قیامت کو رسول اللہ روبرو ہونگے تو کیا منہ لے کر ان کے سامنے جائے گا؟ اور جو لوگ مسلمانوں کو مسلمانوں کا خون کرنے کی تبلیغ کر رہے ہیں خودکش حملوں کی تربیت دے رہے ہیں وہ کس طرح انؐ سے شفاعت کے طلب گار ہوسکیں گے۔ لیکن جو لوگ مسجدوں کے اندر مسلمانوں کو مار سکتے ہیں' کعبہ کی بیٹیوں کے دامن مسلمانوں کے خون سے رنگین کرسکتے ہیں' ان سے کیا توقع ہے؟؟........ اقبالؒ بیمار ہوا تو امام بصیریؒ کے قصیدۂ بردہ کی طرز پر ایک درخواست رسول اکرمؐ کے روبرو گزاری جس میں عرض کیا کہ ''اگر اسلام کیلئے میری کچھ ضرورت ہے تو میرے بجھتے ہوئے دیئے میں تیل کے چند قطرے ڈال دیں ساتھ ہی فخر سے دعویٰ کیا کہ اگر میرے افکار میں سے کچھ بھی خلاف قرآن ہو تو قیامت کے دن مجھے خوار و رسوا کردیں اور اپنے قدوم پاک کا بوسہ بھی نصیب نہ کریں۔''

روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا
بے نصیب از بوسہ پا کن مرا

Marfat.com

آصف زرداری میرے جاننے والے ہیں لیکن بے نظیر بھٹو سے کبھی تعلق نہیں رہا' کبھی ان کی محفلوں میں بھی نہیں گیا' کبھی ان سے ون ٹو ون بات بھی نہیں ہوئی' ان کے سیاسی نظریات بھی مجھے کبھی پسند نہیں رہے لیکن نہ جانے کیوں ان کی موت پر آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے ہیں' دل افسوس سے پھٹ رہا ہے..... میں کوئی مفتی نہیں ہوں' کسی مدرسے کی ڈگری بھی میرے پاس نہیں' میرے چہرے پر لمبی ڈاڑھی بھی نہیں' میں منبر رسولؐ کا وارث بھی نہیں' میں دین کے نام پر روٹیاں بھی نہیں توڑتا' سو کس منہ سے کسی ایسے شخص پر کوئی فتویٰ لگاؤں جو اسلام کا مدعی ہو لیکن میری دعا ہے کہ قیامت کے دن ایسے نام نہاد مسلمانوں کو حضور شفیع المذنبینؐ کے دیدار سے محروم ہوتا دیکھوں' یہ لوگ اپنے اسلام کی دہائی دے رہے ہوں اور نبی اکرمؐ ان سے منہ پھیر لیں بالکل اسی طرح جس طرح اپنے چچا امیر حمزہؓ کے قاتل وحشی کو دیکھ کر پھیر لیا تھا...... لیکن میں کون ہوتا ہوں کسی کیلئے بددعا کرنیوالا؟ کہ میرا دعویٰ ہے کہ اس کا امتی ہوں جس نے کبھی دشمن کو بھی بددعا نہیں دی بلکہ جنہوں نے اسے گالیاں دیں اسؐ نے انہیں بھی دعائیں دیں۔

سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

جو لہولہان تھا لیکن پتھر مارنے والوں کیلئے دعا کر رہا تھا۔ **اللھم اھد امتی فانھم لایعلمون** ...... مولا! ''میرے قبیلے والوں کو سیدھی راہ دکھا کہ یہ بے خبر لوگ ہیں''....... میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ اسلام کا نام لے کر فساد پھیلانے والوں کو دین کے نام پر قتل و غارت کرنے والوں کو گالی دوں کہ ہیں تو اپنے ہی یہ الگ بات کہ جاہل ہیں' ان نیم ملاؤں کی جہالت کو کیا کہا جائے کہ ہمارے ہاں تو پڑھے لکھے ہونے کا دعویٰ کرنے والے بھی جاہل ہیں۔

بچا کر ذہن و دل نکلیں کدھر سے؟
کہ ہیں ہر گام پر جاہل مقابل

بحث یہ نہیں کہ بینظیر بھٹو کو کس نے مارا' خیال صرف یہ آتا ہے کہ ایسا صرف بھٹو خاندان کے ساتھ ہی کیوں ہوتا ہے؟ دھماکے صرف بینظیر بھٹو کے جلسوں میں ہی کیوں ہوتے تھے؟ ابھی تفتیش کا مرحلہ شروع بھی نہیں ہوتا کہ دھماکے کو خودکش قرار دے کر جان چھڑانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ آدھ گھنٹہ بعد کی جائے واردات کو دھو دیا جاتا ہے ایک پرانا پستول دکھا کر

Marfat.com

ظاہر کیا جاتا ہے کہ اس سے بے نظیر بھٹو کو قتل کیا گیا' حکومت اپنی ذمہ داری قبول کرنے کے بجائے بینظیر کو ہی موردالزام قرار دیتی ہے۔ پہلی بار کراچی میں دھما کہ ہوا تو کیسا کیسا الزام نہ لگایا گیا' کون تھے جنہوں نے کہا کہ دھماکے خود بینظیر بھٹو نے کرائے ہیں؟ بے گناہوں کا خون بینظیر کے سر ڈالنے والے کیلئے کیا کچھ دلیلیں نہ دی گئیں؟ اسے پاکستان آنے سے منع کرنے والے کون تھے؟ کون اس کی وطن واپسی سے خوفزدہ تھے؟ کون چاہتے تھے کہ وہ سیاسی سرگرمیوں میں حصہ نہ لے؟ کون تھے جو بار بار اسے کہہ رہے تھے کہ لوگوں سے خطاب نہ کرو' حبیب جالب نے کوئی 30 سال پہلے بینظیر بھٹو کیلئے لکھا تھا ''ڈرتے ہیں بندوقوں والے ایک نہتی لڑکی سے'' اسوقت بھی مطالبہ یہی تھا کہ جمہوریت کا نام نہ لو' اپنے عوام سے بات نہ کرو

آزادی کی بات نہ کر' لوگوں سے نہ مل'

یہ کہتے ہیں بے حس' ظالم' دل کے کالے' ایک نہتی لڑکی سے

وہ رکاوٹ تھی بہت سے لوگوں کی راہ میں...... ان جرنیلوں کی راہ میں جنہوں نے ہر دور میں جمہوریت کا قتل کیا..... ان سیاستدانوں کی راہ میں جو فوج کے گملوں میں اگائے گئے تھے..... مذہب کے ان ٹھیکیداروں کی راہ میں جو عورت کی حکمرانی کو اپنے نام نہاد اسلام کے خلاف سمجھتے تھے...... ان جہادیوں کی راہ میں جو امریکی ڈالروں پر پلتے رہے لیکن آج کل امریکہ کو فیشن کے طور پر گالی دے رہے ہیں........ ان جاگیرداروں اور وڈیروں کی راہ میں جو اپنے مزارع کے مال اور بیٹی کو اپنے لئے مال غنیمت قرار دیتے ہیں..... ان لسانیت پسندوں کی راہ میں جو زبان کے نام پر قوم کو تقسیم کر رہے ہیں...... لوگ اسے بلاوجہ چاروں صوبوں کی زنجیر قرار نہیں دیتے تھے۔ وہ پنجابی' سندھی' بلوچ' پشتون' کشمیری سب سے پیار کرتی تھی۔ سب کو اپنا سمجھتی تھی وہ سب بھی اسے اپنا سمجھتے تھے اپنی بہن مانتے تھے۔ اس کو مارنے والوں نے ایک بینظیر کو نہیں مارا چاروں صوبوں کی زنجیر کو توڑ دیا۔ انہوں نے بچے کھچے پاکستان کو بھی ٹکڑے کرنے کی بنیاد رکھ دی۔ وفاق پاکستان آج جتنا کمزور ہے شاید ہی اس سے پہلے کبھی ہوا ہو۔ اس کے باپ کو مارا گیا اس نے اف نہیں کی' اس کے چھوٹے بھائی شاہنواز کو زہر دے دیا گیا وہ پیچھے نہیں ہٹی' اس کے پیارے ''میر بھائی'' مرتضیٰ کو اس کے دور حکومت میں گولیوں کا نشانہ

Marfat.com

پروان چڑھانے کی جدوجہد کی۔ ان کے والد نے نیوکلیئر تحفہ پاکستانی عوام اور فوج کو دیکر اپنی موت کا سامان کیا بھٹو خاندان کا یہ احسان بھلایا نہیں جا سکتا۔ میزائل ٹیکنالوجی بینظیر بھٹو کے گزشتہ دور حکومت کا کارنامہ ہے۔ بینظیر بھٹو نے پاکستان آتے ہی اپنی گزشتہ غلطیوں پر قوم سے معافی مانگی اور کہا کہ اس دور میں وہ کم عمر اور ناتجربہ کار تھیں لیکن اب وہ ایک تجربہ کار سیاستدان بن کر آئی ہیں اور پاکستان کو ہر حال میں دہشت گردی اور غربت کی اس دلدل سے نکال کر دم لیں گی۔ پیپلز پارٹی اس وقت بے بس نظر آ رہی ہے ہمیں بینظیر بھٹو کے بعد صرف اعتزاز احسن ہی ایک ایسی شخصیت نظر آ رہے ہیں جو بھٹو کے نظریات اور قائداعظم کے پاکستان کو آگے لے کر چل سکتے ہیں بھٹو اور بینظیر بھٹو کی شہادت کو رائیگاں نہیں جائے گی اور قوم میں ایک نئی ہمت اور ولولہ پیدا کرے گی۔ بھٹو اور ان کی بیٹی اگر زندہ رہتے تو ان کا اقتدار ختم ہونے کے خطروں میں گھرا رہتا لیکن اب وہ ایک ابدی اقتدار کی مسند پر بیٹھ کر پاکستان کی موجودہ اور آنے والی نسلوں کے دلوں پر حکمرانی کریں گے۔ یہ درست ہے کہ نشان حیدر صرف فوجی شہیدوں کو دیا جاتا ہے لیکن بینظیر بھٹو نے وردی کے بغیر جمہوریت کی ایک مجاہدہ بن کر دہشت گردی اور دہشت گردوں کے سامنے ایک شیرنی بن کر جام شہادت پیا اس لئے جہاں اس عظیم لیڈر کے سوگ میں تین دن کے لئے قومی پرچم سرنگوں کیا گیا ہے وہاں بینظیر بھٹو کو نشان حیدر (خصوصی) نوازا جائے۔ شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے۔ بینظیر بھٹو نے شہادت کو گلے لگا کر قوم کو متحد ہونے کا جذبہ عطا کر دیا، بینظیر بھٹو تجھے قوم کا سلام۔

''آسمان تری لحد پہ شبنم افشانی کرے''

(ریحان اظہر)

Marfat.com

خون میں ڈوبا ہوا پاکستان!

بدقسمت ملک کے باسیو! میں بھی تمہاری دھرتی کا ایک فرد ہوں، میں نے پچھلے کالم میں لکھا تھا کہ ’آج کل جلسوں سے خطاب کے دوران ایسے لگتا ہے کہ بینظیر بھٹو کے اندر باپ کی روح اُتر آئی ہو‘ یہ جملہ لکھتے وقت مجھے قطعاً اندازہ نہیں تھا کہ محترمہ کی روح بہت جلد باپ کی روح سے ملنے والی ہے۔ اب مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی، کیا لکھوں، سوچ رہا ہوں غم پہ کیا لکھا جا سکتا، دکھ کی کہانی کیسے بیان کی جا سکتی ہے۔ سوگ کی زبان کیا ہوتی ہے؟ 27 دسمبر کی شام سے میرے ملک کی ہر گلی میں اداسی ہے ہر گھر میں آشکبار آنکھیں ہیں ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے موت کی ہوا نگر نگر پھر گئی ہو، جیسے بستیوں پر اداسی کا موسم اتر آیا ہو، پنچھی درختوں پر سہمے سہمے ہیں۔ دریاؤں کی روانی میں آہ وزاری شامل ہو گئی ہے۔ 27 دسمبر کی شام میرے ملک کیلئے شام غریباں تھی میں نے بہت سال پہلے اظہر سہیل کی کتاب ’’ایجنسیوں کی حکومت‘‘ پڑھی تھی۔ 27 دسمبر کی شام مجھے اس حکومت کا یقین ہو گیا۔

قارئین کرام! میں چونکہ پنڈی اسلام آباد میں رہتا ہوں میرے لئے 27 دسمبر کا دن عجیب تھا اس روز میں اپنی صحافتی مصروفیات کے باعث اپنی پوری ٹیم کی نگرانی کرتا رہا۔ صبح سویرے ہی سے کام شروع کر دیا تھا کہ آج پنڈی شہر میں محترمہ بینظیر بھٹو اور میاں نواز شریف آ رہے ہیں۔ قومی تاریخ کے اس المناک دن کی دوپہر میں اپنے چھوٹے بھائی عمار برلاس کے ہمراہ اسلام آباد میں پیپلز سیکرٹریٹ گیا، وہاں سے نرگس فیض ملک کی قیادت میں خواتین کے جلوس کو رخصت کیا اور خود سینیٹر لطیف کھوسہ اور پلوشہ بہرام کے پاس بیٹھ گیا، کچھ دیر بعد پھر دفتر چلا گیا، گویا بے تابی اور بے چینی سارا دن میرے ساتھ رہی، پہلے نواز شریف پر فائرنگ کی خبر ملی پھر وہ خبر آ گئی جس نے کہرام مچا دیا، بھٹو کی بیٹی شہید ہو گئی، میرا وطن اجڑ گیا، پاکستان خون میں ڈوب گیا۔

Marfat.com

جدھر دیکھو ہر آنکھ اشکبار، جدھر دیکھو سہم ہی سہم، جدھر دیکھو اداسی ہی اداسی ہائے نفرتوں کا بیج کس نے بویا، وہ کون ہے جس نے ملک کو خون میں نہلا دیا؟ یہ سوال ہوتا رہے گا کہ گزشتہ آٹھ سالوں سے ملک کے چپے چپے پر دہشت گردی ہو رہی، اقتدار کی ہوس اتنی بھی نہیں ہونی چاہیے کہ لوگوں کی لاشوں پر حکومت کی جائے، ملک کو مقتل بنا دیا جائے۔

بے شک محترمہ بینظیر بھٹو کی شہادت کے ذمہ دار وہی لوگ ہیں جنہوں نے ذوالفقار علی بھٹو کو تختہ دار تک پہنچایا تھا جنہوں نے شاہنواز بھٹو کو زہر دیا تھا اور جنہوں نے مرتضٰی کے سینے کو گولیوں سے چھلنی کیا تھا۔ بینظیر بھٹو کی شہادت سے بڑا سانحہ کیا ہوسکتا ہے کہ اس سے پورا ماحول سوگوار ہو گیا ہے۔ ماحول کی سوگواری بتاتی ہے کہ بینظیر بھٹو کا عوام سے سچا رشتہ تھا جو رشتہ اس کے باپ نے جوڑا تھا بیٹی نے نبھا دیا۔ وہ بیٹی جس پر جتنا ناز کیا جائے کم ہے وہ پاکستان کی نہیں برصغیر کی عظیم رہنما تھیں وہ برصغیر ہی کی نہیں دنیائے اسلام کی عظیم رہنما تھیں اور اگر دنیائے اسلام سے نکلیں تو ان کا شمار دنیا کے عظیم ترین رہنماؤں میں ہوتا تھا۔ بلاشبہ پاکستان سمیت اسلامی دنیا کے پاس ان جیسا رہنما نہیں۔ اس کی ذہانت کا اندازہ کیجئے کہ مغرب کی عظیم درس گاہوں میں اس کے لیکچرز کا انتظار ہوتا تھا اور جب وہ لیکچر دیتی تھیں تو ہال میں خاموشی ایسے اترتی تھی جیسے بینظیر کے علاوہ یہاں کوئی نہیں۔

27 دسمبر کی شام بینظیر بھٹو نے لیاقت باغ میں اپنے خطاب کے دوران دفاع وطن کا بڑا تذکرہ کیا، انہوں نے لاہور اور پنجاب کا ذکر کیا۔

راولپنڈی کے بارے میں کہا کہ اس شہر نے مجھے دکھ بھی دیئے مجھے خوشیاں بھی دیں۔ محترمہ کو کیا پتہ تھا کہ انہیں زندگی کا آخری دکھ اسی شہر میں ملنے والا ہے وہ اپنی زندگی خوشی ہاتھ ہلا کر دیکھ رہی تھیں کہ یہ خوشی کے لمحے دکھ میں بدل گئی ایک گولی ان کی گردن میں پیوست کیا ہوئی، سانس اکھڑ گئی، بی بی سیٹ پر گر گئیں، منہ سے خون نکلنا شروع ہو گیا، عالم اسلام کی عظیم رہنما جدا ہو گئیں بقول محسن نقوی۔

یہ کس نے ہم سے لہو کا خراج پھر مانگا
ابھی تو سوئے تھے مقتل کو سرخرو کرکے

Marfat.com

بینظیر بھٹو کو شہید کرنے والے اس کے بڑے جلسے نہ دیکھ سکے، ان سے محترمہ کا استقبال بھی نہ دیکھا گیا وہ جس روز کراچی آئیں اس روز بھی انہیں موت کی وادی میں دھکیلنے کی کوشش کی گئی۔

اس مرحلے پر نواز شریف کو خراج تحسین پیش کرنا ضروری ہے کہ وہ جاوید ہاشمی اور راجہ ظفر الحق کے ہمراہ فوری طور پر ہسپتال پہنچے۔ جہاں میاں صاحب کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ انہوں نے پی پی پی کے کارکنوں کے ساتھ جدوجہد کرنے کا وعدہ کیا۔ انہوں نے انتخابات کے بائیکاٹ کا اعلان بھی کیا۔

میں سمجھتا ہوں میاں نواز شریف کا یہ قدم بڑا احسن تھا۔

قارئین کرام! میرا قلم میرا ساتھ نہیں دے رہا کہ میں 27 اور 28 دسمبر کی درمیانی رات زرداری ہاؤس کے اس کمرے میں پیپلز پارٹی کے رہنماؤں کے درمیان بیٹھا تھا جہاں محترمہ سے ملاقات ہوا کرتی تھی۔ آج اس کمرے میں مخدوم امین فہیم اداس تھے، راجہ پرویز اشرف، رحمان ملک، منیر بخاری اور شیخ منصور سب اداس تھے۔ چوہدری یٰسین، نذیر ڈھوکی اور کیپٹن واصف کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ شیری رحمان کہہ رہی تھیں دنیا اجڑ گئی۔ فرزانہ راجہ اور پلوشہ بہرام سوگوار تھیں۔ رخسانہ بنگش کہہ رہی تھی سیاست میں کچھ نہیں رہا۔ نرگس فیض ملک دھاڑیں مار کر رو رہی تھیں۔ چوہدری مجید، لطیف اکبر اور مطلوب انقلابی بھی اداس تھے۔

آمروں کے ملک میں سوائے اداسی کے ہو بھی کیا سکتا ہے۔ آمروں کے دیس میں ایجنسیوں کا راج ہے آمروں کے دیس میں رہنا کتنا مشکل ہے، انصاف بہت مہنگا ہے، لکھنا بہت مشکل ہے۔ آمروں کے دیس میں جنتا کی خدمت کا سوچنا بھی جرم ہے۔ یہی جرم محترمہ بینظیر بھٹو کا تھا۔ خدا انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین)

(مظہر برلاس)

Marfat.com

شہید بینظیر بھٹو کو سلام مظلومیت

27 دسمبر کے اوصاف کے لئے قارئین کے لئے میں نے ایک تحریر لکھی تھی جسے 28 دسمبر کو شائع کیا گیا ہے۔ اس تحریر کو لکھنے سے تلاوت قرآن پاک کے بعد بے ساختہ طور پر ہاتھ قلم کی طرف بڑھ گیا اور جو کچھ وجدان کہہ رہا تھا اسے لکھ دیا۔ شام کو نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد ٹی وی آن کیا کہ لیاقت باغ میں بینظیر بھٹو کے جلسہ عام اور میاں نواز شریف کی راولپنڈی آمد کا احوال معلوم کروں۔ سارا دن دعائیں کرتا رہا تھا کہ خدایا یہ دن راولپنڈی میں خیر خیریت سے گزر جائے مگر تقدیر بڑی بے رحم حقیقت ہے اور بڑی ہی بے رحم فیصلہ ساز ہے۔ لیاقت باغ کا جلسہ تو بے نظیر نے خیریت سے مکمل کیا مگر تقدیر اور موت لیاقت باغ کے دروازے کے باہر ان کی تاک میں تھی۔ ٹی وی اطلاعات کے مطابق ان پر گولیوں کی بوچھاڑ ہوئی اور دھماکہ ہوا۔ دھماکے سے تو شائد وہ بچ گئیں مگر گردن اور سر میں لگی ہوئی گولیاں متحرک و فعال اور پر عزم بینظیر بھٹو کو شہید کر گئیں۔ ایک لمحے میں بینظیر بھٹو زندہ سے مظلوم اور شہید بن گئیں۔ بینظیر بھٹو کی شہادت کی خبر ملک میں جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی۔ کسی نے بھی اس خبر پر اعتبار نہ کیا۔ سندھ کے ساتھ ساتھ پورے پنجاب میں سناٹا چھا گیا اور بینظیر کے چاہنے والوں کے ساتھ ساتھ مخالف سیاسی کیمپوں میں بھی اداسی اور عدم اطمینان کے سیلاب نے بے یقینی اور موت کے ذائقے کو عام کیا۔ زندگی کتنی بے ثبات ہے؟ زندگی کتنی کمزور ہے؟ عزم اور حوصلہ کتنا زیادہ طاقتور ہوتا ہے کہ اسے جب شکست سے دوچار کرنا ناممکن ہو جاتا ہے اس عزم اور حوصلے کے دشمن اس انسانی پیکر کو نیست و نابود کرنے کا راستہ اپناتے ہیں۔ بینظیر بھٹو کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا ہے۔ انہیں عزم اور حوصلے

Marfat.com

کے حوالے سے شکست نہیں دی جاسکتی تھی لہٰذا انہیں راستے سے ہٹانے کی سازش اور منصوبہ بندی ہوئی۔ کراچی آمد اور کارساز کے علاقے میں شاہراہ فیصل پر انکی زندگی لینے کی کوشش ہوئی تھی کتنے ہی معصوم انسانوں کی زندگی چلی گئی تھی پھر وہ بہت محتاط ہوگئیں۔ پشاور میں سیکورٹی نے ایک شخص کو پکڑا جو بینظیر کو نشانا بنانا چاہتا تھا تقدیر پشاور میں بینظیر کو نشانہ نہیں بنانا چاہتی تھی لہٰذا گھیر گھار کر لیاقت باغ راولپنڈی کے جلسہ عام میں لے آئی اور ساری منصوبہ بندی کامیاب ہوگئی۔ کیا یہ محض خودکش حملہ تھا؟ اگر ایسا تھا تو قاتل کی چلائی ہوئی گولیاں بینظیر کی گردن اور سر میں کیوں پیوست ہوئی تھیں؟ گویا خودکش کی تھیوری دوٹوک ناکام ہے۔ قاتل کی گولیاں بتاتی ہیں کہ بینظیر بہت عرصے سے کسی منصوبہ بندی اور سازشی گٹھ جوڑ کے نشانے پر تھیں۔ ہم بینظیر بھٹو کو مظلوم اور شہید تصور کرتے ہیں اور ایسا کرتے ہوئے ہم سچے کھرے اور قوم پرست مسلم لیگی ہیں۔ ہم بینظیر بھٹو کے خاندان آصف زرداری، ان کے بچوں صنم بھٹو اور بھٹو خاندان کے افراد اور پی پی کے سیاسی کارکنوں کے دکھ درد اور صدمے میں برابر کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو صبر تحمل اور بردباری سے صدمے کی کیفیت سے گزرنے کی توفیق دے۔ آمین

سیاست اور اقتدار میں جب دلیل اور حکمت کا جواب ختم ہوجاتا ہے تو مخالف کو قتل کیا یا کرایا جاتا ہے۔ لیاقت باغ میں ایک مسلم لیگی لیاقت علی خان کی سیاست اور پالیسیوں سے کون ناخوش تھا؟ کوئی تو ناخوش تھا تو انہیں قتل کیا گیا تھا اور پھر قاتل کو بھی گولیوں سے اڑا دیا گیا تھا اور پھر قاتل کو بھی گولیوں سے اڑا دیا گیا تھا۔ آج تک قاتل کی پہچان نہیں ہوسکی بھلا کیوں؟ کیونکہ ان کے قتل کی منصوبہ بندی ہوئی تھی۔

بینظیر بھٹو کے قتل اور شہادت کیساتھ بھی کیا ایسا ہی ہوجائے گا؟ ناممکن سی بات ہے۔ شائد اس بار ایسا نہیں ہوسکے گا۔ لیاقت باغ کتنا بدقسمت ہے بھٹو کے اقتدار کے زمانے میں ولی خان پختونوں کو لیکر پشاور سے لیاقت باغ میں اپنی آواز سنانے آئے تھے۔ بھٹو اقتدار سے ان آزاد منش پختونوں کی گونج دار آواز سنی نہ جاسکی لہٰذا بھٹو کیمپ میں موجود آزادی اظہار اور سیاسی آزادی کے دشمنوں نے ان پختونوں پر گولیاں برسائیں۔ ولی خان لاتعداد شہید پختونوں پر گولیاں برسائیں۔ ولی خان لاتعداد شہید پختونوں کی لاشیں لے کر واپس چلے گئے اور صبر و تحمل اور

Marfat.com

بردباری سے پختونوں کو خاموش رہنے کی تلقین کی تھی۔ آج ذوالفقار علی بھٹو کی لخت جگر کو اسی لیاقت باغ کے جلسہ عام کے بعد گولیوں سے بھون دیا گیا ہے۔ بینظیر بھٹو بھی ان شہید پختونوں کی طرح اپنی پرعزم آواز سنانے آئی تھیں لیاقت باغ میں۔ مگر یہ کون لوگ ہوتے ہیں جو عزم وہمت کی آواز کو سننے اور برداشت کرنے کی بجائے اسے گولیوں سے خاموش کرا دیتے ہیں؟ کون لوگ ہوتے ہیں یہ؟ کون سے ذہن ہوتے ہیں یہ؟ اور کیا بینظیر بھٹو کے قتل سے عزم وہمت اور آزادی کی لگن اور مہم ختم ہو جائے گی؟ ذوالفقار علی بھٹو کے اقتدار سے ہمیں شدید اختلاف تھا۔ ان کے جاگیردارانہ اندازِ فکری حکومت سے ہمیں شدید اختلاف تھا۔ مگر بھٹو مظلوم تھے اور شہید تھے۔ عدالتوں سے سازشی انداز میں ان کے خلاف فیصلہ لیا گیا تھا اور انتہائی متنازعہ فیصلہ انکی شہادت کا باعث بنا تھا۔ ہم مسلم لیگی ہو کر بھٹو کو مظلوم اور شہید سمجھتے ہیں اور اس طرح بینظیر کی چند باتوں سے شدید اختلاف اور امریکی حلقوں سے تعلق کو شدید ناپسند کرنے کے باوجود ہم لیاقت باغ کے دروازے پر گولیوں کی بوچھاڑ سے جاں بحق ہونے والی بینظیر بھٹو کو مظلوم اور شہید تصور کرتے ہیں۔ بینظیر بھٹو باہمت خاتون سیاستدان تھیں۔ بھٹو خاندان کی دوسری نسل میں شہادت اور ظلم کے نام منسوب ہو گئی ہے۔ غنویٰ بھٹو اور فاطمہ بھٹو بھی بینظیر کی شہادت پر صدمے سے دوچار ہیں ان کی طرف سے ایسا کیا جانا ہمیں اچھا لگا ہے۔ کیا بھٹو خاندان کی تیسری نسل سیاست کی تیسری نسل بن کر سیاست کے خارزار میں اترنے پر مجبور ہو جائیں..... آج میرا ''ان حلقوں'' سے سوال ہے جو کل تک بینظیر بھٹو کے خلاف زبان درازی کر کے اپنی ''سیاسی ضرورت'' پوری کرتے تھے اور انہیں قاتل پاکستان کہتے ہوئے اپنی ''وزارت عظمیٰ'' کے حصول کی ''غیر اخلاقی'' باتیں کرتے تھے۔ اب تو بینظیر چلی گئی ہے۔ اپنی وزارت عظمیٰ کے لئے اب یہ لوگ کس کو قاتل پاکستان اور پاکستان توڑنے والی کہا کریں گے؟ بینظیر بھٹو شہید نہیں ہوئی بلکہ شہادت کیساتھ ساتھ وزارت عظمیٰ کے ''غیر اخلاقی امیدواروں'' کی سیاست کو ان کے متوقع اقتدار کو بھی نیست و نابود کر گئی ہیں۔ شہید بینظیر بھٹو اور مظلوم بینظیر بھٹو سیاست میں نئے دروازے کھول گئی ہیں اور پرانے دروازے بند کر گئی ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو اور بینظیر مظلوم اور شہید ہیں لہٰذا ہم انہیں سلام عقیدت پیش کرتے ہیں۔

Marfat.com

پی پی پی کے سوگواران سے ہماری استدعا ہے کہ وہ خود کو پختون ولی خان جیسا بنا کر پیش کریں اور ملک کو مزید انتشار اور ردعمل کی منفی کاروائیوں سے محفوظ بنانے میں پاک فوج، رینجرز اور انتظامیہ کی مدد کریں۔ پہلے سے بہت زیادہ عدم استحکام، انتشار اور بے یقینی میں مزید اضافہ ہرگز نہ کریں بلکہ آنے والے کل کی طرف دیکھیں۔

معلوم نہیں کیوں ہمیں جنوری کا پورا مہینہ انارکی اور عدم استحکام پر مشتمل نظر آ رہا ہے۔ دور اندیش حلقے محتاط رویہ اختیار کریں اور ملک و ریاست کو اپنے تعاون سے فیض یاب کریں۔

بینظیر بھٹو جب اٹھارہ اکتوبر کو کراچی میں اتریں تھیں تو قران پاک کے سائے میں اتری تھیں اور فرط جذبات میں عرض وطن کو چوما تھا اور ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ جمعرات کی شام جب وہ گولی کا نشانہ بنی تو ان کی زبان پر آخری لفظ اللہ کا نام تھا اور جمعہ کا مقدس دن اپنے باپ کے پہلو میں دفن ہو گئیں۔ بینظیر بھٹو کی شہادت کتنی خوبصورت ہے۔

(پروفیسر محی الدین)

Marfat.com

جو وہ قرض رکھتے تھے جان پر.........

27 دسمبر کی شام ادھر سورج غروب ہو رہا تھا، اُدھر بھٹو کی چہیتی کی نبضیں ڈوب رہی تھیں۔ راولپنڈی جنرل ہسپتال میں ڈاکٹروں نے 35 منٹ تک بھٹو خاندان کی چشم و چراغ کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی اور بالآخر 6 بج کر 16 منٹ پر اعلان کر دیا کہ بھٹو کی بیٹی اب دنیا میں نہیں رہی تھی.........جس نے بھی یہ خبر سنی دل تھام لیا۔

یہ ان کی دوسری وزارت عظمیٰ کے آخری ایام تھے، جب کراچی میں مرتضیٰ بھٹو قتل کر دیئے گئے، تب سے یہ احساس ان کے رگ و پے میں بہت گہرا اُتر گیا تھا کہ اگلا نشانہ وہ ہوں گی۔ انہوں نے میڈیا کے سامنے بھی متعدد بار یہ بات کہی، ''انہوں نے میرے والد کو قتل کیا، پھر پیرس میں شاہنواز پراسرار موت کا شکار ہو گیا، اب انہوں نے مرتضیٰ کو بھی مار ڈالا۔ اس میں میرے لیے یہ پیغام ہے کہ میں سیاست سے دستبردار ہو جاؤں، ورنہ وہ مجھے بھی مار ڈالیں گے، تاکہ پاکستان کی سیاست میں بھٹو فیکٹری ختم ہو جائے۔

اس وقت کی انتخابی مہم میں ان کے سر پر کالی چادر تھی، لیکن بھائی کی جواں مرگ، ان کے حق میں ہمدردی کی لہر نہ اُٹھا سکی۔ پراپیگنڈے کے ماہروں نے عوام کے ایک بڑے حصے کو یہ باور کرا دیا تھا کہ اس قتل کے پیچھے خود آصف زرداری ہے۔ یہ بے نظیر کے لیے دہرا صدمہ تھا، لیکن انہوں نے خود کو سنبھالے رکھا۔ 6 فروری 1997ء کے الیکشن کے نتائج ان کے لیے صدمہ لائے، پیپلز پارٹی صرف سندھ قومی اسمبلی کی ڈیڑھ درجن نشستیں جیت پائی تھی، باقی 3 صوبوں میں اس کا صفایا ہو گیا تھا لیکن انہوں نے حوصلہ ہارنے کے بجائے سیاست میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ 13 ویں اور 14 ویں ترامیم کی منظوری کے وقت وہ خود پارلیمنٹ میں موجود تھیں اور ان ترامیم کی منظوری ان کی مکمل تائید کے ساتھ عمل میں آئی تھی، لیکن بدقسمتی سے حزب اقتدار اور حزب اختلاف میں

Marfat.com

تعاون اور خیر سگالی کی یہ فضا زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔ان کے خلاف کرپشن کے مقدمات آگے بڑھ رہے تھے۔ 15 اپریل 1999 کو احتساب عدالت نے انہیں 5 سال قید اور بھاری جرمانے کی سزا سنادی۔لیکن اس سے قبل وہ بیرون ملک چلی گئی تھیں۔کہا جاتا ہے کہ حکومت کے ''جذبہ خیر سگالی'' کی وجہ سے انہیں قبل از وقت فیصلے کی اطلاع ہوگئی تھی۔

یہ ان کے لیے سخت آزمائش کا دور تھا۔آصف زرداری پاکستان میں حوالہ زنداں تھے والدہ دوبئی والے گھر میں ہوش وخرد سے بیگانہ تھیں۔بلاول،بختاور اور آصفہ کی دیکھ بھال اور ان کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری تھی۔لیکن انہوں نے حوصلہ نہ ہارا جنرل مشرف برسر اقتدار آئے تو ان کی یہ خوش فہمی فطری تھی کہ اب ان کے دن بدل جائیں گے۔فوجی حکمران سیاسی حمایت کے حصول کے لیے نواز شریف کے مخالفین کی طرف ہاتھ بڑھائیں گے،لیکن صدر پرویز مشرف نے اپنے دل کے دروازے دونوں کے لئے بند رکھے۔

تب انہوں نے امریکی روابط سے فائدہ اُٹھانے کا فیصلہ کیا نیویارک ٹائمز کے مطابق بے نظیر بھٹو جلاوطنی کے دوران واشنگٹن میں اقتدار کی راہداریوں کے ساتھ موثر روابط کے لیے کوشاں رہیں۔ایک عرصے تک بش ایڈمنسٹریشن نے انہیں فاصلے پر رکھا کہ اسے پرویز مشرف کی خوشنودی عزیز تر تھی جو نائن الیون کے بعد وائٹ ہاؤس کے دکھ سکھ کے ساتھی بن گئے تھے لیکن محترمہ نے ہمت نہ ہاری۔جنوبی ایشیاء کے لیے امریکہ کے سابق اسٹنٹ سیکرٹری آف سٹیٹ کارل انڈر فرتھ،جنہوں نے ستمبر میں واشنگٹن کی ایک ڈنر پارٹی میں محترمہ کے ساتھ ایک ہی میز پر ڈنر کیا تھا کے بقول وہ کمال درجے کی نیٹ ورکر ہیں وہ رابطوں میں لگی رہتی ہیں۔'' انہوں نے امریکہ کی پولیٹیکل،ڈپلومیٹک اور میڈیا ایلیٹ میں ''نیٹ ورکنگ'' جاری رکھی۔

بش ایڈمنسٹریشن کے حکام کے مطابق وہ بڑے تذبذب کے ساتھ محترمہ کے طرف ملتفت ہوئے۔جب صدر مشرف کی اپنی سیاسی غلطیوں اور اپوزیشن کے بڑھتے دباؤ کے باعث اقتدار پر ان کی گرفت کمزور ہوگئی اور خطرہ محسوس ہونے لگا کہ پاکستان گہرے بھنور میں پھنس جائے گا۔موسم گرما میں جب ملک بھر میں چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کی حمایت زوروں پر تھی،بش ایڈمنسٹریشن اس نتیجے پر پہنچی کہ اب بے نظیر بھٹو کے ساتھ پاور شیئرنگ ڈیل ہی مشرف اقتدار کو

Marfat.com

بچانے کا واحد راستہ ہے چنانچہ ڈیل طے پا گئی۔

18 اکتوبر کو محترمہ کی پاکستان آمد اسی ڈیل کا نتیجہ تھی جس کے چند ہی گھنٹے کے بعد استقبالی جلوس میں 2 بم دھماکوں نے سارا منظر بدل دیا۔ محترمہ نے اس کا الزام انٹیلی جنس بیورو کے سربراہ بریگیڈیر (ر) اعجاز شاہ اور دو وزرائے اعلیٰ پر لگایا ان کا کہنا تھا کہ انہوں نے پاکستان روانگی سے قبل ہی صدر مشرف کے نام ایک خط میں ان تینوں کا نام لکھ دیا تھا۔ محترمہ کی سیاسی سرگرمیاں، ڈرائنگ رومز تک محدود ہو گئی تھیں۔ 3 نومبر کی ایمر جنسی سے دو تین روز قبل وہ دبئی چلی آئیں تو باخبر ذرائع نے ''سیکورٹی وجوہات'' کو اس کا بنیادی سبب بتایا لیکن ایمر جنسی کے اعلان کے فوراً بعد وہ پاکستان واپس پہنچ گئیں۔ انہوں نے اس ماورائے آئین کی شدید مذمت کی اور صدر پرویز مشرف سے مفاہمت کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے چیف جسٹس افتخار محمد چودھری اور دیگر ججوں کی بحالی کا واشگاف مطالبہ بھی کیا جو بعد میں ''عدلیہ کی آزادی'' میں تبدیل ہو گیا اسی دوران انہوں نے سیاسی اشتراک عمل کے لیے نواز شریف سے بھی رابطہ کیا اور آل پارٹیز کانفرنس کے انعقاد کی تجویز پیش کی۔ اپنے جواب میں نواز شریف نے ججوں کی بحالی کو نکتہ اول بنانے اور اسٹیبلشمنٹ کے ساتھ ہر طرح کے رابطے منقطع کرنے پر زور دیا۔

25 نومبر کو نواز شریف کی وطن واپسی کے بعد سیاست ایک نیا رخ اختیار کر گئی لیکن انتخابی میدان میں دونوں نے ایک دوسرے کو نشانہ بنانے سے گریز کیا۔ بینظیر ق لیگ کو ہدف بنا رہی تھیں جبکہ نواز شریف صدر پرویز مشرف کو بھی نشانے پر رکھے ہوئے تھے۔ زیادہ دن نہیں ہوئے جب صدر نے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ محترمہ، امریکہ کے ذریعے طے پانے والی باتوں کی خلاف ورزی کر رہی ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ان کا کہنا تھا کہ وہ اتنی ناخوشگوار نہیں کہ الیکشن کے بعد ان کے ساتھ مل کر کام نہ کیا جا سکے۔

الیکشن قریب آ رہے تھے، چنانچہ وہ تمام تر احتیاطی تقاضوں کے باوجود عام جلسوں میں آنے پر مجبور تھیں۔ حکومت کا کہنا تھا کہ انہیں ضروری سیکورٹی مہیا کی جا رہی ہے۔ لیکن 2 دن قبل ہی رحمٰن ملک کا الزام تھا کہ حکومت کی طرف سے مہیا کردہ JAMMER ناقص ہیں۔

27 دسمبر کا آغاز ہی تشویش ناک خبروں سے ہوا تھا مسلم لیگ (ن) کی ریلی پر فائرنگ

Marfat.com

اوراس کے 4 کارکنوں کی موت کی خبر آئی، دونوں مقبول ترین لیڈرر راولپنڈی میں تھے۔ اسی روز لیاقت باغ میں محترمہ کا جلسہ تھا۔ دنیا بھر میں ٹی وی چینلز کے ناظرین کے کان اور آنکھیں اُدھر ہی لگی ہوئی تھیں۔ جلسہ ''بحسن وخوبی'' اختتام کو پہنچا تو سب نے سکھ کا سانس لیا لیکن موت قریب ہی منڈلا رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔ اور پھر المیہ ہو گیا۔

ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کو ''گریٹ ٹریجڈی'' قرار دیا گیا تھا۔ 27 دسمبر 2007ء کی شب ایک اور ''گریٹ ٹریجڈی'' کے ساتھ آئی۔ دل اندیشوں اور وسوسوں سے لرز رہا تھا۔ سیاہ سائے پھیلتے نظر آ رہے ہیں۔

فیض یاد آئے:

دوستو قافلہ درد کا اب کیا ہو گا
اب کوئی اور کرے پرورش گلشنِ غم
دوستو ختم ہوئی دیدۂ تر کی شبنم
تھم گیا شور جنوں، ختم ہوئی بارشِ سنگ
خاکِ راہ آج لئے ہے اب دلدار کا رنگ
کوئے جاناں میں کھلا میرے لہو کا پرچم
دیکھئے دیتے ہیں کس کس کو صدا میرے بعد

رؤف طاہر (جدہ)

Marfat.com

تجھ کو کتنوں کا لہو چاہیے' اے ارضِ وطن

27 دسمبر کو ذوالفقار علی بھٹو کی لاڈلی بیٹی' دنیا بھر کی دس متاثر کن خواتین میں شامل' پاکستان کی بیٹی اور وفاق پاکستان کو قائم رکھنے کی آخری امید' بے نظیر بھٹو شہید ان طاقتوں کی بربریت کا نشانہ بن کر رزقِ خاک ہو گئیں جن کے نزدیک اس مملکت خداداد میں عوام کے حقوق کی بات کرنا گناہ ہے۔ پاکستان کی اس ذہین' نڈر اور بہادر خاتون نے اسی شہر میں اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ جہاں اس ملک کی تاریخ میں اس کے باپ نے پہلی بار عوام کو سر اٹھا کر چلنے کی ہمت دلائی اور اس جرم میں اسے ایک عدالتی قتل کے ذریعے راستے سے ہٹا دیا گیا۔

ذوالفقار علی بھٹو کے عدالتی قتل کے بعد اس کے دو جوان بیٹوں کو جس طرح موت کے گھاٹ اتارا گیا اور اب اس کی بیٹی کو جس وحشت اور بربریت کی بھینٹ چڑھایا گیا' اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ایسی بہیمانہ کارروائیوں کے پیچھے کون لوگ ہیں۔ یہ وہی لوگ اور وہی خفیہ ہاتھ ہیں جنہوں نے اسی لیاقت باغ میں برسوں پہلے پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کو قتل کرنے کے لیے سید اکبر کو پبلک جلسے کی پہلی صف میں بٹھایا تھا اور اس واردات کے بعد لیاقت علی خان کو گولی کا نشانہ بنانے والے ملزم کو موت کے گھاٹ اتارنے کا اہتمام بھی کیا تھا تاکہ اس واردات کے اصل ذمہ داروں کی نشاندہی ہونے کی نوبت نہ آ سکے۔ بے نظیر کی شہادت میں بھی انہیں طاقتوں کا ہاتھ ہے جنہوں نے بے نظیر کی وطن واپسی پر جان لینے کی کوشش کی اور ناکام

Marfat.com

رہے۔ اس وقت وہ خودکش حملے میں بچ گئیں تو اب یہ اہتمام کیا گیا کہ اسے پہلے قاتل کی خونیں گولی کا نشانہ بنا کر بعد میں بم دھماکے کے ذریعے ثبوت غائب کر دیا جائے۔ یہ ہرگز کسی جنونی کی طرف سے کی جانے والی انفرادی کوشش نہیں ہے بلکہ ایک منظم سازش ہے۔ خودکش حملے کے لیے کسی مذہبی جنونی کی خدمات ضرور حاصل کی گئی ہوں گی مگر یہ خدمات حاصل کرنے والے کون لوگ ہیں' یہ شاید کبھی معلوم نہیں ہو سکے گا البتہ اس بارے میں اندازہ ضرور کیا جا سکتا ہے۔

لیکن ذوالفقار علی بھٹو کے عدالتی قتل اور اس کی بیٹی کو راستے سے ہٹانے والے کھلی آنکھوں سے یہ بھی ضرور دیکھ رہے ہوں گے کہ ان بیس بائیس برسوں میں عوام کے رویوں میں کتنی بڑی تبدیلی آ چکی ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کے بعد اگرچہ پوری قوم گریہ وزاری کر رہی تھی مگر سڑکوں پر آ کر احتجاج کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ بے نظیر بھٹو کی شہادت کے بعد خیبر سے کراچی تک پورا ملک اس واقعہ کے خلاف سراپا احتجاج تھا' ملک کا کوئی گوشہ' کونہ اور کوئی بستی ایسی نہیں تھی جہاں عوام نے اس بربریت کے خلاف اظہار ناراضگی نہ کیا ہو۔ پورے ملک میں اتنی مکمل ہڑتال بھی کم ہی دیکھنے میں آئی تھی۔ جو لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ بے نظیر کو راستے سے ہٹانے کے بعد وہ من مانی کرتے رہیں گے ان کے عوام کے غیض و غضب کا شکار ہونے میں زیادہ دیر نہیں ہے۔

اس حادثہ کے بعد یہ بھی ثابت ہو گیا ہے کہ دہشت گردی کے خلاف سرکاری سطح پر چلائی جانے والی تحریک بھی حکمرانوں کے اپنے اقتدار کو طول دینے کی کوشش کے سوا کچھ نہیں' ایمرجنسی کے نفاذ کو دہشت گردی کا مقابلہ قرار دینے والوں نے اس کے نفاذ کے بعد کون سے دہشت گرد پکڑے؟ اعتزاز احسن' منیر اے ملک اور علی احمد کرد یا پھر اعلیٰ عدالتوں کے وہ جج صاحبان اس ایمرجنسی کی زد میں آئے جو آئین اور قانون کی

Marfat.com

بالادستی کی بات کرتے تھے۔ اگر ایمرجنسی نافذ کرنے کے بعد عوام کے لیے انصاف کے دروازے بند کرنے کی بجائے دہشت گردوں کی بیخ کنی کی کوشش کی جاتی تو شاید راولپنڈی کا یہ حادثہ پیش ہی نہ آتا' مگر یاد رکھیے یوم حساب دور نہیں ہے۔ اس خاتون کے بارے میں سوچیے جس کا شوہر پہلے وطن پر قربان ہوا' پھر اس کے دو جواں بیٹے چھن گئے اور اب اس کی لائق بیٹی عوام کی سربلندی کے لیے سرگرم ہونے کے جرم میں راستے سے ہٹادی گئی۔

یہ بدنصیب خاتون ابھی زندگی کے دن گن رہی ہے اور قوم سے اپنے ان ہیرے موتیوں کا حساب مانگ رہی ہے جو خاک میں مل گئے۔ کسی کو معلوم نہیں کہ دہشت و بربریت کا یہ سلسلہ کہاں تک چلے گا اور اس وطن کے تحفظ کا علم بلند کرنے والوں کا اور کتنا خون بہے گا؟ فیض احمد فیض نے تیس برس قبل اس سلسلے میں جو سوال اٹھایا تھا آج بھی وہ ہمارے سامنے ہے' فیض نے کہا تھا۔

تجھ کو کتنوں کا لہو چاہیے اے ارضِ وطن
جو ترے عارضِ بے رنگ کو گلنار کریں

(حمید اختر)

Marfat.com

دارالشعور کی علم وادب پر مستند کتب

- تاریخ اندلس — مولانا ریاست علی ندوی — قیمت:-/280
- جدید اسرائیل کی تاریخ — محمد احسن بٹ — قیمت:-/200
- تاریخ اسلام کے ناقابلِ فراموش واقعات — محمد دین فوق — قیمت:-/200
- حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ (۳ جلدیں) — قیمت:-/870

  (مترجم: مرتضیٰ انجم/فضیل ہاشمی/اشفاق خان)
- سزا یافتہ سیاستدان — مرتضیٰ انجم — قیمت:-/200
- کون کیسے گیا؟ — مرتضیٰ انجم — قیمت:-/250
- امریکہ کا اخلاقی بحران — جمی کارٹر (سابق امریکی صدر) مترجم: محمد احسن بٹ — قیمت:-/160

  (Our Endangered Values America's Moral Crisis)
- جنگِ عظیم دوئم — لوئیس سنائیڈر — قیمت:-/400

  مترجم: مولانا غلام رسول مہر — تلخیص: صفدر رشید
- نئے دور کا انسان — مصنف: گرور جنیش — قیمت:-/190
- عظیم مسلمان فلسفی — قیمت:-/250

  تالیف: محمد لطفی جمعہ مصری — مترجم: ڈاکٹر میر ولی الدین
- اسلامی جنگیں — مؤلفین: رفیق انجم/شفیقی عہدی پوری — قیمت:-/350
- انڈیا ونز فریڈم — مولانا ابوالکلام آزادؒ — قیمت:-/350
- مسلم دنیا اور سامراجی یلغار — پروفیسر طفیل ڈھانہ — قیمت:-/150

Marfat.com

Marfat.com

بلاول ہاؤس میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے بینظیر بھٹو نے کہا کہ پانچ چھ روز گزرنے کے بعد بھی یہ طے نہیں ہوسکا کہ یہ بم دھماکے تھے، خودکش حملہ تھا یا دستی بموں سے حملہ کیا گیا۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمارے ماہرین کے پاس فنی صلاحیت نہیں۔ ہم نے سیکرٹری داخلہ سندھ کو خط لکھا ہے کہ اس سانحہ کی تحقیقات غیر ملکی ماہرین سے کرائی جائے۔ اگر ان ماہرین کا تعاون حاصل نہ کیا گیا تو وہ تحقیقات کے نتائج قبول نہیں کریں گی۔ بینظیر بھٹو نے کہا کہ صدر مشرف اور وزیر اعظم شوکت عزیز اور میرے اوپر حملے ہوتے ہیں لیکن چوہدری شجاعت، پرویز الٰہی اور اعجاز الحق کے جلسوں پر حملہ کیوں نہیں ہوتا۔ ہمیں یہ نہ بتایا جائے کہ القاعدہ یا طالبان نے یہ حملہ کیا ہے، بلکہ ہمیں یہ بتایا جائے کہ اس حملے کے آرگنائزرز، فنانسرز اور سپانسرز کون ہیں۔

پاکستان میں میری زندگی کو شدید خطرہ لاحق ہے' امریکی پلان کے تحت وطن واپسی کے حوالے سے خبریں غلط ہیں' برطانوی اخبار سنڈے ٹائمز کے ساتھ انٹرویو میں بے نظیر نے کہا کہ میں سیکورٹی خطرات اور ان افراد کو جانتی ہوں کہ جو مجھے قتل کرنے کا ارادہ اور جمہوریت کی بحالی میں رخنہ ڈالنا چاہتے ہیں۔

محترمہ بے نظیر بھٹو شہید کے آخری خطاب سے اقتباس

خودکش حملے میں جاں بحق ہونے سے تھوڑی دیر قبل لیاقت باغ میں انتخابی جلسے سے آخری خطاب کے دوران بے نظیر بھٹو نے کہا کہ میں راولپنڈی کو اپنا دوسرا گھر سمجھتی ہوں' یہ بہادروں اور جانثاروں کا علاقہ ہے' میں نے یہاں بہت خوشیاں اور دُکھ دیکھے ہیں۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی تاریخ قربانیوں سے بھری پڑی ہے قائد عوام ذوالفقار علی بھٹو کو اسی شہر میں شہید کیا گیا' میرے 2 بھائیوں کو مروایا گیا' والدہ کے سر پر لاٹھیاں برسائی گئیں۔ میں نے تبدیلی لانے اور ملک کو آمریت سے جمہوریت کی طرف لے جانے کے لیے جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے یہاں آنے کا فیصلہ کیا لیکن جب پاکستان آئی تو کراچی میں بم دھماکے کے ذریعے مجھے ختم کرنے کی سازش کی گئی۔ ہمارے خاندان کی تاریخ قربانیوں سے بھری پڑی ہے' میرے والد کو پھانسی' بھائیوں کو قتل اور مجھ پر قاتلانہ حملے ہو رہے ہیں لیکن ہم نے قوم کو تنہا نہیں چھوڑا اور میں قوم سے وعدہ کرتی ہوں کہ ملک و قوم کے لیے جان کی بازی لگا دوں گی۔

دارالشعور

37-مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور، پاکستان
فون:042-7239138-8460196
Email: m_d7868@yahoo.com

Design 0333-4349801

Marfat.com